جلد ۴ نمبر ۵ و ۶ صرف تماثیل عہد آفرینش میں طبع ہوا

دماغی محنت کرنیوالی خواتین کے لئے
ایک نایاب تحفہ یعنے
گلبہار ہیئر آئل رجسٹرڈ
GULBAHAR
HAIR
OIL
One Rupee Per Bottle

Our Revered Monarch

حضرت اقدس و اعلی سلطان العلوم نظام الملک آصفجاہ سابع خلداللہ ملکہ

عثمان رہے سرسبز ترا نخل تمنا
ہستی نے تری کردیا گلزار دکن کو

ماہ نامہ ‘‘ سفینۂ نسواں ’’، حیدرآباد دکن

THE HYDERABAD PRINTING WORKS

کلام الملوک ملوک الکلام
از طفیل احمد و زهرا و سبطین و علی
سینه دارم پر ز وحدت دل ز ایمان منجلی
صد هزاران سکندر و دارا شده خدمتگرم
از گیتی زیاده شان چون عثمان علی

قصیده در مدح محمد مصطفیٰ صلی الله علیه وآله وسلم و علی مرتضیٰ علیه السلام

از نتیجهٔ فکر حضرت محبوب الٰهی چشتی نظامی دهلوی

آن بهتر دو عالم و این بهتر دو کون — آن سرور رسالت و این صفدر وغا

آن ختم انبیاست که زو یافت زیب و فر — هم ملک او نبوت و هم تخت اصطفا

آن شاه اولیاست که از قدر و احترام — دانش مشرف است به تشریف انما

آن مظهر فتوت و این مجمع کرم — آن مطلع کرامت و این منبع سخا

آن عارف حقیقت و این هادی طریق — آن حاکم شریعت و این والی ولا

آن آسمان رفعت و این آفتاب دین — آن صاحب لعمرک و این نص هل اتیٰ

آن شاه من عرف شده سلطان لو کشف — این ماه یاوسین شده خورشید طاوحا

آن پیشوای امت و این رهنمای خلق — آن قامع ضلالت و این دافع بلا

آن بحر رستگاری و این کشتی نجات — آن جرم را شفاعت و این رنج را شفا

آن کعبهٔ سعادت و این قبلهٔ مراد — ملجای آن مروت و این مامن رضا

آن رحمت الٰهی و این مفضل ذوالمنن — آن عالم لدنی و این عالم لقا

محکوم آن دو حکم قضا آمد از قدر — مامور این دو امر قدر آمد از قضا

آن ذات هست چرخ تابع اجرام زیر حکم — این ذات هست صد منزل [illegible] عرش کبریا

این هر دو شاه گوهر دریای رحمت اند — با گوهر نفیس چه باشد گهر بها

دانی حدیث لحمک لحمی ز بهر چیست

این هر دو تن یکیست که اینست مدعا

نذرانۂ عقیدت

بہ بارگاہ فلک مرتبت کیواں منزلت حضور اقدس و اعلیٰ حضرت

(سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ)

ناچیز رسالہ سفینۂ نسواں کا یہ خصوصی نمبر اس یوم سعید
کی مسرت میں پیش کیا جا رہا ہے جس کو میں ہماری قومی
عید" کے مبارک نام سے یاد کرتا ہوں حضرت بندگانِ
اقدس کے سالگرہ کی خوشیاں ملک کے طول و عرض
میں منائی جاتی ہیں، یہ خاص نمبر بھی حضورِ شاہی میں ملکی خواتین
کا ایک ادنیٰ نذرانۂ عقیدت و ارادت ہے۔

خدائے قدیر سے دعا ہے کہ ہم پر سایۂ ہمایونی تا دیر
قائم رہے، اور ہمیں ایسے صدہا عیدیں منانی نصیب ہوں

دعاگوئے دولت
جاں نثار ملک

خاک نشین
اختر قریشی

قصیدہ

در منقبت امام المشارق والمغارب سیدنا علی ابن ابیطالب علیہ السلام

دل کا سرور چاند ہے آنکھوں کا نور چاند
میں چاند سے ہوں دور نہ مجھ سے ہے دور چاند

پیشِ نظر اُدھر کوئی مہ پارہ اور اُدھر
دکھلا رہا ہے جامِ شرابِ طہور چاند

دیتا ہے کیا مجھی کو یہ جامِ مئے ولا!
نشہ میں اس شراب کے ہے خود بھی چور چاند

رضواں کو اختلاف ہے اس رائے سے تو ہو
ہے میرے پاس رشکِ دو روئے حور چاند

میں "والقمر" کے راز سے آگاہ ہو گیا
منظور بن گیا مرے دل کا سرور چاند

کیوں روضۂ علیؑ کے کلس پر نہ ہو نثار
پاتا ہے جس سے نور نہیں اس سے دور چاند

لے لے کہ نورِ شمس ولایت سے بن گیا
سرمایہ دارِ روشنیٔ برقِ طور چاند!

دیکھو کمال اس کا "نزول و عروج" میں
سالک ہے بہرِ صوفی والا شعور چاند

سورج ہے یہ بھی پیکرِ نور اصل میں مگر
کہتے ہیں لوگ دیکھ کے شانِ ظہور چاند

آتا ہے نام چاند کا سورج کے ساتھ ساتھ
ظاہر میں دیکھنے کو ہے سورج سے دور چاند

"والشمس" کی ہے اس سے عیاں شان کیوں نہ ہو
سب سے بڑا مفسرِ آیاتِ نور چاند

سورج فدائے رُخ نبویؐ پر ہے بالیقیں
صدقے ہے روئے مرتضویؑ پر ضرور چاند

سورج دمِ رحیل سُوئے طیبہ سجدہ ریز!
ساجد نجف کی سمت بوقتِ مرور چاند

کس سے بیاں ہو مرتبۂ طیبہ و نجف
پاتا ہے سورج ان سے ضیا اور نور چاند

ہجرِ علیؑ میں داغ زدہ میرا دل بھی ہے
ہو اپنے ہم خیال سے کیونکر نفور چاند

کہتا ہے سرگزشتِ نجف مجھ سے چاند خود
سُن سُن کے مجھ سے واقعہ کوہ طور چاند

دل میرا عرش، عرش نشیں بوتراب ہیں
اس عرش کے لئے بنا قندیلِ نور چاند

بنتا علیؑ کے روضۂ انور کا خود چراغ
کرتا جو علم ذات پہ حاصل عبور چاند

بے وجہ اس کے جلوہ سے ہوتا نہیں میں خوش
آئینہ دارِ مرتضویؑ ہے ضرور چاند

کہتا نہیں شبیہ علیؑ اپنے آپ کو | ہاں بخشتا ہے روئے علیؑ کا شعور چاند
اب تک شبیل جبرا مامت نہیں ملا | قندیل نور لے کے پھرا دور دور چاند
اصحابؓ میں بھی آپ ہیں آلِ عبا میں بھی | مثلِ نجوم کیوں نہ ہو محو حضور چاند
کرتا رہیگا روضۂ انور کا یونہی طوف | اب تک ادائے فرض میں ہے بے قصور چاند
دیدِ علی کا راز چھپائے مجھی سے کیوں | پائے نہ جب حواس میں میرے فتور چاند
جس میں علی کے نام کا روشن چراغ ہے | کہتا ہے اس مکان کو مشکواۃ نور چاند
اپنے فدائیوں کے لئے جلوہ علی | سورج کو بھی بنائے گا روز نشور چاند

منظور کیوں نہ چاند کو دیکھے عقیدتاً
ہوگا کبھی تو ناظرِ روئے حضور چاند!

(از جناب سید علی صاحب منظور)

قطعات تاریخی تقریب سالگرہ مبارک

از وجودِ پاکِ سلطان العلوم • تخت و تاجِ آصفی پائندہ باد
میکند شام و سحر علی دعا | شاد باد اشاہ عثمان زندہ باد (آمین)
۱۳ ۳ ۵ ۳

دیگر

خضر کی سی عمر دے یارب ہمارے شاہ کو • واسطہ دیتا ہوں میں خونِ شۂ مظلوم کا (آمین)
میر عثمانِ علی خاں کے ہیں کل چودہ حروف • سالکِ ذیجاہ بھی ہے چاردہ معصوم کا

(از جناب حکیم رحلی)

خاص لئے ماہنامہ "سفینۂ نسواں"

بہرام گور

از قلم جواہر نگار
عالیجناب راجہ راجایان ہز اکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ
وصدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

یزدجرد ساسانیوں میں تیرھواں تاجدار تھا چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہذا عربوں نے اس کو "اثیم" کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی۔ اور عموماً خورد سالی میں بچے مثل کلیوں کے مرجھا کر رہ جاتے تھے جب اس کا بیٹا بہرام پیدا ہوا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جن کا نام سروش اور ہوشیار تھا زائچہ بنوایا انھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تخت و تاج ہوگا مگر مدائن اس کو راس نہیں ہے عرب کی سرزمین پر یہ نہال بارآور ہوگا۔ چنانچہ یزدجرد نے نعمان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو حیرہ کا فرماں روا اور سلطنت عجم کا ماتحت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کر کے حکم دیا کہ "اس بچے کی پرورش ایسے مقام پر کی جائے جو آب و ہوا کی لطافت میں ضرب المثل ہو۔ اور اس کی سکونت کے دو محل بنوائے جائیں جن میں دلچسپی کے پورے سامان ہوں"۔ چنانچہ نعمان نے بغرض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت میں اس کا نام سہ دیر (معرب سدیر) رکھا۔ اور دوسرا محل کھانا کھانے اور معمولی نشست و برخاست کے لئے بنایا اور اس کا نام خوردن گاہ (معرب خورنق) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنمار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خوردن گاہ مخفف) میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید، چاشت کے

وقت صبح سفید۔ دوپہر کے وقت سبز۔ غروب آفتاب کے وقت زرد ہوجاتا تھا اور رات کو مثل مہتاب کے چمکتا تھا۔ نعمان نے معمار کو بہت بڑا صلہ دیا چونکہ یہ انعام اس کے انداز سے بہت زیادہ تھا لہذا اس نے کہا کہ میں ایسا بھی مکان بنا سکتا ہوں جو سورج مکھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر لگاتا ہے نعمان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہوگیا تو خورن گاہ کی عدیم المثالی میں فرق آجائے گا۔ لہذا اس نے سہ دیر کی چھت سے منار کو گرادیا اور وہ مرگیا۔ عربی۔ فارسی علم ادب میں سہ دیر اور خورنق کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ چنانچہ سلمان ساوجی کہتا ہے۔

خورم تراز خورنقی و خوشتر تراز سہ دیر ٭ دآنکہ بریں سخن در و دیوار تو گواہ

غرض کہ تین معلموں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہ سواری میں بھی جو عرب کا حصہ ہے کمال مہارت حاصل کی۔ اور نعمان نے اس کو ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات سے بھی واقف کردیا تھا۔ لیکن یزدجرد کے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شہزادے کو جس کا نام کسرے تھا اور جو خاندان اردشیر بابکاں سے تھا تخت نشین کردیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسرے سے تخت چھین لیا۔

بہرام شکار کا بڑا شایق تھا اور گورخر کا خاصکر شکار کرتا تھا اس وجہ سے بہرام گور مشہور ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شیر نے گورخر کا شکار کیا تھا لیکن بہرام نے ایسا تیر مارا جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں پیوست ہوگیا۔

راست روش اس کے وزیر کا نام تھا جو خاقان سمی ریڈی سے مل گیا تھا لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کرکے اپنے ہاتھ سے بمقام مرو قتل کرڈالا۔ خاقان نے ۲½ لاکھ فوج سے براہ ترکستان خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان جب خاقان پر چھاپہ مارا ہے اس وقت تیرہ سو سوار ہمراہ تھے۔ فتح کے بعد بہرام۔ دارالسلطنت کو واپس آیا اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کردیا جس کی مقدار چالیس کروڑ دینار تھی۔ راست روش چونکہ وزیر السلطنت تھا اس لئے تمام انتظام اس کے

سپرد تھا اور اس قدر معتمد علیہ تھا کہ بہرام کسی کی بات اس کے مقابلے میں نہیں سنتا تھا۔ اور خود دن
رات سیر و شکار میں پڑا پھرتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اور بھی برائے نام جانشین تھا جس کو
خلیفہ بہرام گور کہتے تھے۔ چنانچہ راست روش نے اس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں
عدل بہت ہے اس وجہ سے رعایا بے ادب ہوگئی ہے۔ اور بادشاہ کو عیش و طرب سے دلچسپی
ہے۔ اس لئے جب تک رعایا کو قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی اس وقت تک بربادی کا احتمال
ہے۔ لہٰذا جس کے واسطے جو سزا تجویز کروں اس کا عمل درآمد آپ کی طرف سے ہونا چاہئے
اور میری رائے میں سزا کے دو اصول ہیں۔ ایک یہ کہ بداعمالوں کی تعداد گھٹا دی جائے دوسرے
یہ کہ نیک آدمیوں سے مال و دولت چھین لئے جائیں۔ چنانچہ جس کو خلیفہ گرفتار کرتا تھا۔ راست
روش اس کو رشوت لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ غرض کہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام،
خوب صورت کنیز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی جس پر وزیر نے بذریعہ رشوت قبضہ نہ کر لیا ہو
آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہوگئی اور ملک کے معزز سربرآوردہ اشخاص جلاوطن ہو گئے اور
خزانہ شاہی خالی ہوگیا۔ چنانچہ ایک زمانہ دراز اسی طرح پر گزر گیا اور ایک غنیم ملک پر چڑھ آیا
اور اس موقع پر بادشاہ نے چاہا کہ صلہ و انعام دے کر فوج کو دشمن کے مقابلے پر روانہ کیا جائے
اس لئے خزانہ کا جائزہ لیا۔ تو وہاں پر بجائے رقم کے صفر تھا۔ امرا و رؤسا شہر کو دریافت
کیا گیا تو لوگوں نے کہا مدت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے سبب پوچھا تو وزیر کے
خوف سے سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ بہرام گور نے بہت غور کی لیکن جب کچھ پتا
نہ چلا تو علی الصباح تنہا صحرا کی طرف نکل گیا۔ چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہٰذا اکیس میل
تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ میں کہاں جا رہا ہوں لیکن جب تمازت آفتاب سے پیاس
کی شدت ہوئی اس وقت ہوش آیا اور پانی کے لئے جنگل میں چاروں طرف نظر دوڑائی
دور سے کچھ دھواں سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا اس لئے آبادی کا یقین کر کے ادھر چل دیا۔ قریب
پہنچ کر دیکھا کہ بکریاں سو رہی ہیں اور ایک راوٹی کھڑی ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک
رہا ہے اس منظر نے بہرام کو حیرانی میں ڈال دیا اور جب راوٹی کے دروازے پر پہنچا تو ایک

ایچ ایچ شہزادہ والاشان حضرت نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد دولت آصفیہ
ہج ائی ہج دلہن شہزادی علیہ حضرت دردانہ بیگم صاحبہ
سفینۂ نسوان
حیدر آباد دکن

ملکا کمسری اء اتلاگ ورکس حیدراباد دکن

گڈریے نے اندر سے نکل کر سلام کیا اور بہرام کو گھوڑے سے اتارا اور ماحضر سامنے رکھ دیا۔ اسے بالکل یہ خبر نہ تھی کہ ہمارا شہنشاہ بہرام گور ہے۔ بہرام نے کہا " اے فیاض مہمان نواز دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس رفیق نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی چرواہے نے کہا کہ کتا میرے ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اس قدر دلیر تھا کہ اکیلا دس بھیڑیوں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور ان کی یہ مجال نہیں تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اس کے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی ان کو چراتا تھا اور اپنی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک یہی حال رہا۔ ایک دن میں نے بکریوں کو شمار کیا کچھ کم معلوم ہوئیں یہاں تک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح اس کمی کا سبب دریافت نہ کر سکا اور بظاہر کوئی چرانے والا بھی نہ تھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ عامل صداقت (ٹکس کلکٹر یا تحصیلدار) محصول کے لئے آیا تو بقیہ بکریاں ٹکس کی نذر ہو گئیں اب میں عامل کی طرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اس کا قصہ سنیئے کہ اس کو ایک بھیڑنی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا اور مجھے خبر نہیں تھی۔ اتفاق سے ایکدن بکریوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلند ٹیکرے سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں مگر ایک دشمن جاں ان کی تاک دو میں لگی ہوئی تھی۔ جب اس نے اسے دیکھا تو دُم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے چکر سے چپ چاپ رک کر کھڑی ہو گئی۔ ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں اس بدچلن نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جا کر سو رہا اور اس نے ایک بکری کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا اور چلتی بنی اور اس نمک حرام نے ذرا بھی عرفش نہیں کی جب میں جان لیا کہ یہ ساری تباہی اس کی گمراہی اور نمک حرامی سے پیدا ہوئی ہے میں نے اس کو سولی کے نذر کر دیا اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظ فرما رہے ہیں۔ بہرام گور کو اس واقعے سے نہایت تعجب ہوا اور راستے میں واپسی کے وقت سوچتا رہا آخر اس کے خیال میں آگیا کہ " رعیت مثل ریوڑ کے ہے اور وزیر اس کا چرواہا ہے "۔ اس وقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے جس سے پوچھا ہوں

کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہے بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچ کر جانچ شروع کی تو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ساری خرابی راست روشن کی کجروی سے ہے۔ اس نے رعایا سے برا سلوک کیا ہے اور برعکس اپنے نام کے اس کا چلن ہے بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے" چونکہ میں نے وزیر کو صاحب اختیار کر دیا ہے اس لئے اس کے ڈر سے کوئی سچی بات نہیں کہتا۔ اب تدبیر یہ ہے کہ کل صبح کو جب وہ حاضرِ دربار ہو تو سب کے سامنے اس کو ذلیل کروں اور حکم دوں کہ فوراً پابہ زنجیر کر دیا جائے اس کے بعد قیدیوں کو بلا کر ان کی رام کہانی سنوں اور عام منادی کرا دوں کہ راست روشن وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جائے گا جو اس کے مظالم کا داد خواہ ہو وہ دعویٰ پیش کرے اور اظہار دے اگر اس نے حکومت انصاف سے کی ہو گی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہو گا اور لوگ اس کے مداح ہوں گے تو خلعت وزارت سے سرفراز کروں گا ورنہ سزا دونگا"۔ چنانچہ دوسرے دن بہرام گور نے دربار عام کیا جب راست روشن حاضر ہوا تو بہرام نے اس کو مخاطب کر کے کہا یہ کیا تہلکہ ہے جو تو نے میری سلطنت میں مچا رکھا ہے۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ سب کی تنخواہیں اور وظیفے وقت معینہ پر پہنچیں اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کی جائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے اور خزانے میں بھی وافر روپیہ موجود رہے۔ لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہے فوج تباہ حال ہو رہی ہے رعایا اپنی طرف سے بھاگی پھرتی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں شراب و شکار کے نشے میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں۔ یہ کہہ کر راست روشن کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا اور پاؤں میں بھاری بیڑی ڈال دی اور قید کر دیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا بہ ایں الفاظ پٹوا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست روشن کو وزارت سے موقوف کر دیا ہے اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائے گا جس جس کو اس نے ستایا ہو وہ بے کھٹکے حاضرِ دربار ہو کر استغاثہ کرے بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے

قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی انھوں نے اپنی اپنی داستان سنائی جانچ کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے تخمیناً بیس ایسے تھے جو خونی یا چور یا واقعی ملزم تھے اور باقی سب بے گناہ تھے جن کو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا اور ان کے باغ مکانات اور جاگیر کو ضبط کر لیا تھا ان میں بعض سات برس کے قیدی تھے کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے جو محض اس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اس لئے اطراف و جوانب سے بکثرت فریادی آئے۔ جب بہرام گور نے وزیر کے یہ ظلم دیکھے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستہ میں ایک خط اس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اس وقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راست روش کی ملی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ "اس قدر آہستگی کیوں ہے عقلا کا قول ہے کہ دولت کو غفلت اڑا لے جاتی ہے میں فرماں روائی کے اس درجہ پر ہوں کہ جس پر ہونا چاہئے افسران فوج کو میں نے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا خیر خواہ بنا دیا ہے اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہے اور آپ کے واسطے خزانے لبریز ہیں تاج پٹکا اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہے کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہے اس وقت میدان خالی ہے اور دشمن غافل جہاں تک جلد ممکن ہو آئیے ایسا نہ ہو کہ مرد خوابیدہ بیدار ہو جائے۔"

جب بہرام نے یہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آ رہا ہے اب اس کے کمینہ پن میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جس کا یافتنی ہو وہ اس کو دیدیا جائے جب یہ سب ہو لیا تو راست روش کو مع اس کے تین مددگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دے دی گئی اور سات روز تک منادی ہوا کی کہ "یہ سزا اس شخص کی ہے جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اس کے دشمنوں سے موافقت کرے صرف اسی سیاست سے کل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا اور بہرام کو معذرت کے ساتھ دوستانہ تحائف بھیجے اور چونکہ یہ سارے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھ کر کئے گئے تھے لہٰذا اس کے صلے میں اس کو سات بکریاں شاہی گلے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سرفراز ہوا

فقط

گرہ کا جشن

از امام الفن استاذ السلطان حضرت جلیل مد ظلہ

گرہ کا جشن بھی ہے۔ رنگ پر ہی گلشن بھی ۔ زمانہ جام بکف بھی ہے۔ گل بدن بھی

ثنائے حق میں جو ہی گلفشاں لبِ غنچہ ۔ تو نعتِ پاک میں رطب اللساں ہے سوسن بھی

یہ جشنِ عیش سزاوارِ شاہِ عثماں کو ۔ جو بحرِ جود بھی ہیں فیض کے ہیں معدن بھی

نکالے شہ نے وہ انداز حکمرانی کے ۔ کہ اس پہ دوست تو کیا لوٹتے ہیں دشمن بھی

یہ بارِ منتِ شہ ہی کہ سارے عالم کی ۔ جھکی ہی آنکھ بھی اٹھتی نہیں ہی گردن بھی

دعائے دولتِ شاہی میں رات دن مصروف ۔ حرم میں شیخ بھی ہی۔ دیر میں برہمن بھی

دعا حضور کو رکھے خدا سدا آباد

کہ ہے جلیل یہ ملجا بھی سب کا مامن بھی

خسروِ دکن کی شخصیت کا اثر

حیدرآباد کے ماحول پر

حضرت جہاں پناہی سلطان العلوم

خسروئے دکن کے عہد ہمایونی میں حیدرآباد میں جو ترقی ہوئی اس سے ہر شخص واقف ہے حضورپرنور ہی کی بیدار مغزی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم حیدرآباد کو نیا پاتے ہیں۔

حضرت جہاں پناہی نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنا یہ اوّلیں فرض سمجھا کہ ملک کو جدید ترقی کا ساتھ دینا چاہئے اور اصول حکمرانی جو صدیوں سے چلے آتے تھے اس میں اس قسم کا تغیر کرنا چاہئے جس سے ایک طرف ملکی روایات قائم رہیں دوسری جانب عہد حاضر کے ضروریات بھی پورے ہوں چنانچہ حیدرآباد میں آپ نے باب حکومت قائم کر کے ملک میں جمہوریت کی بنا ڈالی۔

آپ نے اپنی دوراندیشی سے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ جدید اصول کا نفاذ کرنا اس وقت تک محض بیکار ہے جب تک حیدرآباد کا ماحول نہ بدلا جائے۔ اس کے لئے محض فرامین کا اجرا کرنا کافی نہ تھا کیونکہ اس طرح کسی قوم کے عادات و خصائل بدل نہیں سکتے۔

حضورِ اقدس نے اس کے لئے یہ لازمی سمجھا کہ ملک میں جدید اصلاحات کے نفاذ سے پہلے یہاں کی ذہنیت کو ترقی دی جائے اور اس ملک کے نونہالوں کے دماغوں کو ایسے سانچے میں ڈھالا جائے کہ وہ آیندہ ترقی کا ساتھ دیں یہ ایک انقلاب ہے مگر ایسا انقلاب ہے کہ اس کا کسی کو احساس تک نہ ہوا اور ملک میں برابر ترقی ہوتی رہی۔ اور آج ملک میں ہر جگہ تعلیم یافتہ حضرات کی کمی نہیں ہے۔ اب ملک میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی بھلائی برائی پر غور کر سکتے ہیں

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے نوجوانوں میں قوم پرستی کے جذبات مستحکم بنیادوں پر پیدا ہو گئے ہیں اور یہ ملک کے لئے ایک خوش آیند بات ہے۔

ہندوستان کی فضا اور حیدرآباد

آج کل سارے ہندوستان میں جنگ و جدل کی آگ بھڑک رہی ہے مادر وطن کے سپوت آپس میں لڑ کر قومیت اور ملکی ترقی کو برباد کر رہے ہیں۔ اس سے اکثر مدبرین کو تعجب ہے کہ کیوں ہندوستان کی حالت میں تغیر نہیں ہوتا جب کہ ہندوستان میں قابل لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر اس کا کیا علاج ہندوستان کے دماغوں کو جس قسم کی تعلیم ملی ہے وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ قومیت اور انسانیت میں فرق کریں اور ہندو مسلمانوں سے اور مسلمان ہندوؤں سے نفرت رکھیں۔ یہ چیزیں ان کے دماغوں میں ایسی جاگزیں ہو گئی ہیں کہ اس کے دور کرنے کے لئے ایک زمانہ کی ضرورت ہے برخلاف اس کے حیدرآباد کی فضا اور ہی ہے اور یہ ساری باتیں محض حضرت اقدس کی دوربینی کا نتیجہ ہیں کہ حیدرآباد کی رعایا سایۂ ہمایونی میں امن و امان کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔

اگر حیدرآباد کا کوئی باشندہ شمالی ہندوستان کو جاتا ہے تو اس کو تعجب ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کس حد تک نفرت کے جذبات ترقی کر گئے ہیں۔ یہ ملک کی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے شاہ نے رعایا کے لئے ایک ایسا سرچشمہ جاری کیا ہے جس سے ملک کے باشندوں کے دل کی تاریکی دور ہو سکتی ہے۔

صداقت پسندی اور سادہ زندگی۔

حضرت اقدس و اعلیٰ نے صداقت کو اپنی زندگی کا اولین فرض قرار دیا ہے حضرت جہاں پناہی کی طبیعت میں صداقت پسندی ہے آپ ہمیشہ سچی باتوں کو پسند فرماتے ہیں اور خود بھی ان پر عامل ہیں حضرت جہاں پناہی کسی ایسی بات کو پسند نہیں فرماتے جو مبالغہ آمیز ہو۔ خواہ وہ باتیں حضور پرنور ہی کی ستائش میں کیوں نہ ہوں۔

انسانوں کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ جب اس کے متعلق مبالغہ آمیز باتیں بیان کی جاتی ہیں

تو وہ اس کو پسند کرتا ہے اور اس کی طبیعت ہمیشہ ایسی باتوں کے سننے کے لئے بے تاب رہتی ہے
برخلاف اس کے خدا نے حضرت جہاں پناہی کو ایسا دماغ دیا ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو پسند
نہیں فرمائے جس کی بنا صداقت پر نہ ہو۔ چنانچہ حضرت اقدس واعلیٰ کے متعلق اکثر سوانح
نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ حضور پرنور کو تلنگی، مرہٹی، جرمن میں کامل دستگاہ ہے مگر جب یہ چیز
حضور پرنور کی نظر سے گزری تو فرمایا کہ ان چیزوں سے میں ناواقف ہوں یہ سچائی اور صداقت ایسی
ہے کہ حضور پرنور کو معمولی انسانوں سے بہت بلند معیار پر پہنچا دیتی ہے۔
یہ بھی انسانی کمزوری کی ایک علامت ہے کہ اکثر لوگ کسی فن میں کامل دستگاہ نہیں رکھتے مگر وہ ایسا
ظاہر کرتے ہیں کہ ان میں ہر قسم کا کمال موجود ہے۔ کسی زبان کی چند کتابیں پڑھ لیتے ہیں اس کے
بعد انھیں اپنی زبان دانی اور تجربہ کا دعوی رہتا ہے۔

برخلاف اس کے حضرت جہاں پناہی کی حالت بالکل جداگانہ ہے۔

حضرت جہاں پناہی کو عربی۔ فارسی میں کامل دستگاہ ہے۔ زبان فارسی کے آپ بہت
بڑے ادیب ہیں اور شعر و سخن میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ اردو انگریزی میں آپ کی تحریریں
بلند انشاپردازی کا ثبوت دیتی ہیں۔ باوجود اس کے حضور پرنور میں بیحد انکسار ہے۔

اپنی زندگی کو ملک کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش فرمایا

حضرت جہاں پناہی نے اپنی عزیز رعایا کے سامنے اپنے آپ کو بطور نمونہ پیش فرمایا
باوجود ایک جلیل القدر بادشاہ ہونے کے حضرت اقدس واعلیٰ نے اپنے لئے نہایت سادہ
زندگی پسند فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں اکثر امرا کی حالت درست ہوگئی اور رعایا بھی اس
سے اتنی متاثر ہوئی کہ حیدرآباد سے تمام برائیاں رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی ہیں اور خدا کی ذات
سے امید ہے کہ وہ سایۂ ہمایونی میں ترقی کے منازل طے کرے گا۔ (جناب سید وقار احمد صاحب)

اس رفیع الشان خاندان کا سلسلہ اویس قرنیؓ سے ملتا ہے۔ انکی دسویں پشت میں اویس ثانی گزرے ہیں جو مدینہ میں اوقاف کے متولی تھے اور یہ اپنے فرزند محمد علی کو لے کر وارد ہندوستان ہوے اور بہ زمانہ علی عادل شاہ بیجاپور میں آکر سکونت اختیار کی۔ اس خاندان کے اکثر ارکین نے اس ریاست ابد مدت کی مدار المہامی جیسی گرانمایہ خدمت انجام دیں۔ آج دکن میں صرف ایک یہی عظیم القدر، قدیم الخاندان، خاندان ہے جس کے تمام معزز ارکان اپنی ذاتی شجاعت، دلیری، لیاقت اور دولت سے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتے کہ جس کے باعث ہمیشہ مورد الطاف خسروانہ رہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو اعزاز و اکرام اس ریاست ابد مدت میں اس جلیل القدر اور رفیع الشان خاندان کو حاصل ہیں وہ دوسروں کو کم ہیں۔ ہمارے معزز صاحب تذکرہ نواب میر لائق علی خاں مرحوم منیر الدولہ عماد السلطنت سالار جنگ ثانی (سابق مدار المہام) کے اکلوتے فرزند نواب میر سعادت علیخاں مرحوم منیر الملک غیور جنگ شجاع الدولہ کے حقیقی بھتیجے اور نواب میر تراب علی خاں مرحوم مختار الملک سر سالار جنگ اول جی۔ سی۔ یس۔ آئی (سابق مدار المہام) کے پوتے ہیں۔ آپ سالار جنگی خاندان عالیشان و خانوادۂ درگاہ قلی خاں کے چشم و چراغ ہیں آپ کی ولادت یوم جمعہ ۱۴ ؍شوال المکرم سنہ ۱۳۰۶ھ م ۱۴ ؍جون سنہ ۱۸۸۹ء م ۱۶ ؍امرداد سنہ ۱۲۹۸ف میں ہوئی ـــــ ولادت کے ایک ماہ بعد آپ کے عم بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لئے حضور نظام (غفران مکان) نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی آپ کی کمسنی کی وجہ سے آپ کی جاگیر اور جائداد و املاک زیر نگرانی

سفینہ نسواں حیدرآباد دکن
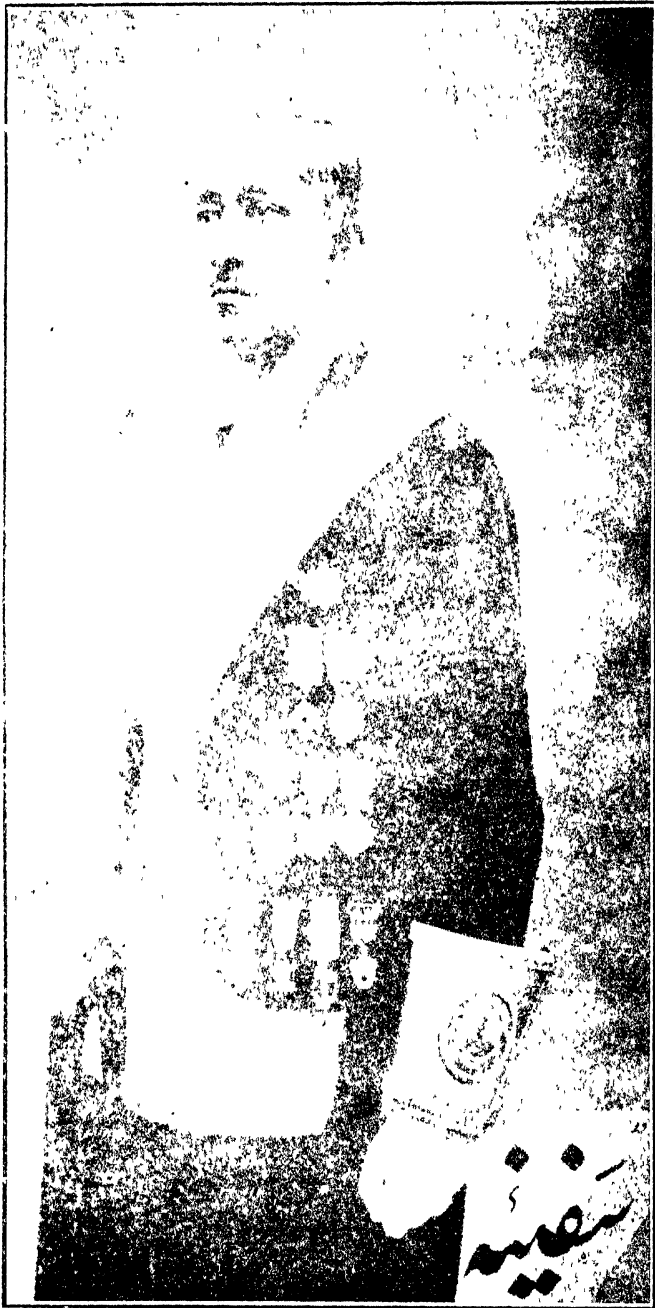
نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ بہادر ثالث

سرکار لے لی گئی اور خاص طور پر معتمد صاحب مالگزاری سرکار عالی اس معزز اسٹیٹ کا انتظام کرتے ہے ۱۳۱۶ھ میں بتقریب جشن سالگرہ مبارک اعلیحضرت غفران مکان نے آپ کو خطاب خان بہادری وسالار جنگ ثالث ومنصب دو ہزاری ۔ پانصد سوار وعلم ونقارہ سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے اولاً بطور خانگی لایق استادوں سے گھر پر اور بعدازاں مدرسہ عالیہ (اس مدرسہ کی ابتدا سر سالار جنگ اول مرحوم کے ہاتھوں محض امرا و روساء کے بچوں کی تعلیم کے لئے ہوئی تھی) میں شریک ہوکر اعلیٰ پیمانے پر تعلیم حاصل فرمائی آپ علوم شرقی ومغربی میں لیاقت تامہ رکھتے ہیں۔ اردو فارسی، عربی، انگریزی اور فرانسیسی میں مثل اہل زبان کے گفتگو فرماتے ہیں آپ کی تحریر اور تقریر اردو فارسی اور انگریزی نہایت شستہ اور دلچسپ ہوتی ہے۔ بوجہ ذہانت آپ کا زمانۂ تعلیمی بہت اچھا گزرا الحاصل آپ لیاقت وقابلیت میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ شکار، نیزہ بازی، شہسواری، پولو کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور دیگر مردانہ کھیلوں میں بھی آپ کو مشق کرائی گئی۔ ان کھیلوں میں بھی آپنے مہارت تامہ حاصل فرمائی ہے اور آپ کو بیحد دلچسپی بھی ہے خصوصاً پولو میں آپ کو اچھی مشق حاصل ہے۔ آپ کی ٹیم موسوم بہ "سالار جنگ" اپنے نمایاں کھیل کی وجہ سے آج تمام ہندوستان میں مشہور ومعروف ہے۔ آپ کی جاگیر کا رقبہ (۱۴۸۰) مربع میل یعنے ہز ہائینس مہاراجہ پٹیالہ کی ریاست کے برابر ہے اجنٹا کی کانیں اور مشہور عالم غار آپ کی جاگیر میں واقع ہیں جاگیر کی آبادی ۱۹۱۱ء میں دو لاکھ اور کئی ہزار تھی علاقہ مقبوضہ میں کئی عدالتیں اور جیل ہیں جاگیر کی سالانہ آمدنی علاوہ دیگر جائیداد کے بارہ لاکھ اور پچاس ہزار ہے آپ ان جاگیرداروں میں ہیں جنھیں فوجی "عدالتی" کوتوالی وغیرہ کے کامل اختیارات حاصل ہیں ۱۹۱۲ء میں آپ کی جاگیر واگذاشت ہوئی اسی سال راجہ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت سرکار عالی کے رخصت کے سلسلہ میں تین سال کے لئے آپ مدار المہام مقرر ہوئے گو آپ منصرم تھے لیکن آپ کے اختیارات مستقل مدار المہام کے برابر تھے اور ۱۹۱۴ء میں آپ کو مستقل مدار المہام مقرر فرماکر اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ نے آپ کو ایک لاکھ کا گراں بہا خلعت عطا فرمایا اور ڈسمبر ۱۹۱۴ء میں آپ نے چھ ماہ کی رخصت پر خدمت سے علحدگی اختیار کی۔ آپ نے ہندوستان، عراق، عرب ایران اور یورپ کے تمام شہروں کی سیر

فرمائی نیز دو مرتبہ یورپ تشریف لے گئے آپ کا یورپ کے سفر کو جانا گو سیر و سیاحت پر مبنی تھا لیکن آپ نے ان سفروں میں جو زبردست معلومات حاصل فرمائی وہ حیطۂ تحریر سے باہر ہے ۱۳۴۸ھ میں عراق عرب، مصر و شام، بیروت و بیت المقدس اور ایران کا سفر فرمایا اور زیارات ائمہ علیہم السلام سے مشرف ہوئے حال میں اواخر سنہ ۱۳۵۲ھ میں آپ نے علاج کی غرض بار سوم یورپ کا سفر فرمایا اور بصحت تمام ماہ دوم سال سنہ ۱۳۵۳ھ میں وطن واپس آئے۔ آپ کو اخبارات و رسائل اور کتب بینی کا نہایت شوق ہے۔ چنانچہ صدہا رسائل اور اخبارات کے آپ سرپرست اور معاون ہیں جنوبی ہندوستان کا واحد نسائی رسالہ سفینۂ نسوان بھی محض آپ کی ناخدائی کی وجہ ناآشنائے افکار حوادث ہے۔ اور اپنی زندگی کے منازل نہایت اطمینان کے ساتھ طے کر رہا ہے آپ علم دوست، سلیم الطبع، سیر چشم، دریا دل، شریف پرور، کرم گستر، خوش اعتقاد، اولوالعزم اور عالی ہمت، امیر ہیں۔ آپ کے الطاف و عنایات اکثر علماء، شعرا، ادبا، فقرا اور سائرین کے حال پر مبذول ہوتی ہیں اور آپ کے در دولت سے ہزارہا اشخاص فیض یاب اور مستفیض ہوتے ہیں سخاوت کو آپ پر ناز ہے کیوں نہ ہو آپ نواب میر تراب علیؑ خاں مرحوم کے چشم و چراغ اور نواب میر لائق علیخاں مرحوم حاتم وقت کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی شگفتہ مزاجی، خوش خلقی اور فیاضی میں اپنے دادا نواب میر تراب علیخاں مرحوم سالار جنگ اول کے قدم بقدم ہیں۔ اب ہم جوش دلی کے ساتھ آپ کی عمر و دولت و عزت و اقبال و صحت کے لئے بارگاہ صمدیت میں بصد خلوص دعا کرتے ہیں کہ خداوند عالم اپنے رسولؐ اور اسکے آلؑ کے تصدق سے اس عالی منش رئیس اعظم کی عمر و اقبال میں ترقی دے اور انھیں سرسبز رکھ اور شاد کام فرما......
ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمیں باد (آمین) (عباس حسین صاحب)

رباعی

سینہ کہ ز آب رفتن رنگین است
بت می‌شکنی کہ سنگ راہ دین است
دنیا بشکن کہ می شکستن سہل است
خود را بشکن کہ بت شکستن این است

ترانه در مدح و ثنا و دعاگوئی اعلیحضرت سلطان العلوم تاجدار دکن خلد الله ملکه و سلطنته

الهی تا بود عالم تو شاها شادمان باشی   همیشه حکم فرما بر همه خلق جهان باشی
چو خور بر آسمان سلطنت دائم عیان باشی   جهان پیر را حاکم تو با بخت جوان باشی
خدایت پاسبان و تو با عالم پاسبان باشی

زحق عمر ترا افزون تر از عمر جهان خواهم   عروج شوکتت را برتر از هفت آسمان خواهم
بفرق چرخ من حکم ترا ای شه روان خواهم   همیشه روز و شب هر دم زخلاق جهان خواهم
که در باغ جهان شاها بهار بی خزان باشی

بود تا کارپرداز جهان الطاف رحمانی   تو باشی با جمیع اقربا در ظل سبحانی
بمانی در امان و حفظ حق از شر شیطانی   چو هستی یاور و هم حامی شرع مسلمانی
همیشه بر مسلمانان امیر مومنان باشی

بود تا روشنی بخش جهان خورشید تابنده   بود تا مرخداوند جهان را انس و جان بنده
تو باشی بر سریر سلطنت ای شاه زیبنده   بفر خسروی تا حشر مانی ای ملک زنده
که تا بر خلق عالم پادشاه و حکمران باشی

به گلشن تا که اندر هر بهاران گل شود خندان   بود تا رونق باغ و چمن از سنبل و ریحان
سریر آرای تخت و سلطنت باشی تو ای عثمان   بود ورد زبان فرخ شیراز در هر آن
که دائم خرم و خندان چو گل در بوستان باشی

از

میرزا محمد رحیم خانصاحب فرخ شیرازی

ہندوستان کی عورت کا مستقبل

از جناب نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار

وہ لوگ جو جدید تعلیم اور ترقی کو مترادف سمجھتے ہیں، ان کے لئے یہ امر یقیناً باعث مسرت ہے کہ ہندوستان کی عورت میں علم کا ذوق بڑھتا جاتا ہے اور کالجوں کی کرسیوں پر وہ بھی مردوں کے دوش بدوش بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن کیا عورتوں کا یہ رجحان واقعی قابل مسرت امر ہے، کیا عورت کا تعلیم جدید حاصل کرلینا حقیقتاً ملک و قوم کے مستقبل کے لئے امید افزا بات ہے؟ اس کا جواب آسان نہیں۔

اس سے انکار ممکن نہیں کہ انسانی ترقی کا واحد ذریعہ صرف علم ہے لیکن ترقی علم کا مفہوم متعین کرنے میں اختلاف رائے ممکن ہے، پھر یہی وہ چیز تھی جس نے عرصہ تک مشرق کو مغرب سے علیحدہ رکھا اور اب یہی وہ چیز ہے جو مشرق کو مغرب کیطرف کھینچے جا رہی ہے۔ اس لئے آیئے سب سے پہلے ترقی کا مفہوم متعین کریں، یعنی سب سے پہلے "غایت و نتیجہ" کو سمجھ لیں اور پھر غور کریں کہ اس مقصود تک پہونچنے کے لئے جو ذرایع اختیار کئے جاتے ہیں وہ درست ہیں یا نہیں

ترقی سے مراد یقیناً دنیاوی ترقی ہے اور اس باب میں مذہبی نظریوں کو شامل

کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم یہ سوال بدستور اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ مادہ سے منکر کوئی مفہوم دنیاوی ترقی کا متعین نہیں ہو سکتا۔ اور کیا اخلاق انسانی کے نتائج صرف حیات بعدالموت ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس دنیا سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ ممکن ہے ایک تاریک خیال یا پنڈت اس کے جواب میں یہی کہے کہ اس دنیا کی ترقی کوئی چیز نہیں، اس عارضی زندگی کی مسرت و اذیت لایعنی بات ہے، لیکن میں، کہ میرے نزدیک انسان کو پھر دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے، یہی کہونگا کہ انسان کے تمام افعال و اخلاق اسی دنیا سے متعلق ہیں اور اُن کو کسی اور عالم سے متعلق کرنا خدا یا فطرت کی توہین ہے ——
اچھا اب اس اصول کو سامنے رکھ کر کہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے اور اس کے بعد انسان کو نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے، غور کیجئے کہ ترقی کا مفہوم کیا ہونا چاہئے۔

"آدمی" نام نہ صرف میرا ہے، نہ آپ کا، نہ مغرب کے باشندہ کا، نہ مشرق کے رہنے والے کا، نہ گاما پہلوان کا، نہ مجھ ایسے نحیف و ناتوان انسان کا، نہ ترکانِ سمرقندی و سیہ چشمانِ کشمیری" کا اور نہ حبش کی سیاہ فام بدصورت کا، اختلاف، نسل و رنگ کا امتیاز کوئی معنی نہیں رکھتا، اور اگر ہم اُس کے کسی ایک فرد کو بھی نظر انداز کر دیں تو اس کے حقیقی مفہوم کا مجروح ہو جانا یقینی ہے —— پھر "انسان و انسانیت" کے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ نوع انسانی کی موجودہ ترقیاں یا اس کے علمی اقدامات کس حد تک قابل اعتبار ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مغرب و اہل مغرب کی ترقی کا دور ہے اور اُن کے علمی اکتشافات نے انسان کی ذہنی ارتقاء کے لئے ایسی ایسی نئی راہیں پیدا کر دی ہیں جو اس سے قبل کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی تھیں، اور ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ غالباً اس لئے کہ اس نے طبیعیات کے بہت سے نوامیس کو بے نقاب کر دیا ہے "وہ عناصر پر مالکانہ تصرف حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور شاید اس لئے بھی کہ اس نے سوسائٹی کی بہت سی قیود کو کم کر کے ایسے جدید نظریئے قائم کئے ہیں جو عقل سے زیادہ جذبات کا ساتھ دینے والے ہیں۔

یقیناً اس توجیہ میں کوئی غلطی نہیں ہے اور کون ہے جو مغرب کی ترقی علم و فنون سے انکار کر سکے۔ لیکن یہ سوال بدستور اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ کیا یہ ترقی

واقعی "نوع انسانی" کی اجتماعی ترقی ہے یا انفرادی خود غرضی کی تکمیل، یعنی اس عروج عقل و فراست میں کوئی شائبہ انسانی خلوص و ہمدردی کا پایا جاتا ہے یا نہیں اور کیا یہی وہ معیار ہے جس سے ہم ترقی کے کھرے کھوٹے کو پہچان سکتے ہیں۔

بیشک آج انسان، کشش زمین کا مقابلہ کرکے اس کوشش میں کامیاب ہوگیا ہے کہ وہ فضائے بسیط میں جہاں چاہے اُڑتا پھرے، لیکن کیا یہ کیفیت پرواز اس کو "عقاب" سے زیادہ کسی اور خطاب کی مستحق قرار دے سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ پانی کے مقابلہ میں اپنے ثقل نوعی کو گھٹا کر سمندر کی تہ تک پہنچ جانے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا، لیکن کیا اس باب میں وہ مچھلیوں سے زیادہ ترقی کرسکا ہے یہ بھی غلط نہیں کہ وہ آناً فاناً اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دور و دراز ملکوں کے حالات معلوم کرلیتا ہے، مگر یہ شعور اُن تمام وحوش و طیور میں بھی پایا جاتا ہے جو روئے زمین کے مختلف حصوں کی آب و ہوا کا حال معلوم کرکے تبدیل موسم کے لئے نقل مکانی کیا کرتے ہیں ــــ یہ بھی درست ہے کہ علوم و فنون کی ترقی سے کام لیکر اس کی سرمایہ دارانہ ذہنیت نے بے شمار دولت جمع کرلی ہے لیکن کیا نوع انسانی کے کام نہ آنے والی دولت اُن کوہساروں اور معدنوں کی دولت سے زیادہ اہم ہے جو زر و جواہر سے معمور نظر آتے ہیں؟ اور پھر اگر یہ تمام ترقیاں صرف "غیر نفع بخش" حد تک قائم رہتیں تو بھی کوئی حرج نہ تھا، لیکن قہر تو یہ ہے کہ وہ بجائے نفع کے نقصان پہونچانے والی ہیں اور آج دنیا کے امن و سکون کا سب سے بڑا خطرہ انہیں ترقیوں سے متعلق ہے ــ عقاب آسمان میں اُڑتا ہے، لیکن وہ بم کے گولے برسا کر معصوم آبادی کو ہلاک تو نہیں کرسکتا، مچھلیاں سمندر کی تہ میں تیرتی پھرتی ہیں، لیکن وہ آبدوز سرنگیں بچھا کر خدا کی مخلوق کو تباہ تو نہیں کرتیں، معدنیں اپنی آغوش میں دولت کا انبار لیئے ہوئے ہیں، لیکن وہ مزدوروں کے حقوق تو پامال نہیں کرتیں۔ اس لئے محض علمی اختراعات، یا تجارتی ترقی و خوشحالی کو انسانی ترقی سمجھنا انفرادی طور پر خواہ کتنا ہی صحیح ہو، لیکن اجتماعی حیثیت اور انسان کے مفہوم کلی کے اعتبار سے یقیناً اس کو انحطاط و زوال سے تعبیر کیا جائے گا۔

اچھا اب اس تمہید کے بعد اصل مدعا کی طرف آئیے اور غور کیجئے کہ

ہندوستان کا رجحان کیا ہے اور اس پر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان بھی بیدار ہو چلا ہے اور اگر اس مختصر فقرہ کی توضیح کی جائے تو بالفاظ دیگر مفہوم یہ قرار پائے گا کہ ہندوستان بھی مغرب کے نقش قدم پر چل رہا ہے اور ترقی کی جو راہیں اس نے متعین کی ہیں، ہمارا ملک بھی آمنا وصدقنا کہہ کر انہیں پر چل کھڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وضع ومعاشرت، کردار وگفتار، اور زبان وذہنیت وغیرہ سب کچھ مغرب ہی کے ذوق میں ڈھل رہی ہے اور جس طرح یہاں کے ایک مرد کا انتہائی نقطۂ نظر انگریز بنجانا ہے، اسی طرح یہاں کی عورت کا نصب العین "میم" ہوکر رہجانا ہے۔ پھر قبل اس کے کہ یہاں کی عورت "میم" بنے، اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میم کیا چیز ہے اور حوا کی ان مغرب نژاد بیٹیوں میں جو آزادی نظر آتی ہے اس کی ترکیب میں کیا کیا اجزا ر شامل ہیں۔ یقیناً فطرت کے لحاظ سے عورت آزاد ہے، اور قدرت کے تمام عطایا سے وہ بھی فائدہ اُٹھانے کی مستحق ہے لیکن کیا اس فرق و امتیاز کو مٹایا جاسکتا ہے جو عورت و مرد کی تخلیق میں وودیعت کردیا گیا ہے اور اگر عورت بھی مردوں ہی کی سطح پر آکر تمام کام کرنے کے لیئے پیدا ہوئی ہے تو کیا قدرت پر یہ الزام عاید نہیں ہوتا کہ اس نے کیوں دونوں کی تخلیق ایک دوسرے سے مختلف رکھی اور کیوں ایک کو قوی اور دوسرے کو کمزور پیدا کیا؟ ممکن ہی بعض حضرات کو یہ اعتراض ہو کہ یورپ کی موجودہ عورت نے اس اختلاف کو مٹاکر ثابت کردیا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی طرح قوی و مضبوط ہوسکتی ہے لیکن یہاں سوال اکتساب وسعی کا نہیں بلکہ صرف فطرت و مقتضائے فطرت کا ہے، ورنہ یوں تو ہر وہ بندر اور ریچھ جو دو پاؤں پر چلنا سیکھ لے دعوے کرسکتا ہے کہ میں انسان ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ایک انسان سعی و کوشش سے بہت کچھ ترقی کرسکتا ہے، لیکن فطری اقتضاء اس کا کبھی محو نہیں ہوسکتا۔ آپ ایک شخص کو جو قدرت کی طرف سے شاعرانہ دماغ لیکر نہیں آیا ہزار کوشش کے بعد بھی شاعر نہیں بنا سکتے لاکھ تدبیریں کیجیئے مگر ایک شخص ماہر ریاضیات نہیں ہوسکتا اگر فطرت نے اس کے دماغ میں اس کی اہلیت پیدا نہیں کی، الغرض ایڈیسن پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں اور شکسپیر ماں کے پیٹ ہی سے شکسپیر بن کر آتا ہے پھر عورت لاکھ کوشش

مرد بننے کے لئے کرے۔ لیکن آخر کار وہ رہیگی۔ فطرت کے اعتبار سے عورت ہی، خواہ وہ اس سعی و اقدام میں کتنے ہی ہنگامے کیوں نہ برپا کرے۔ پھر دیکھئے کہ عورت کی فطرت کیا ہے، یعنی قدرت کا مقصود اس کی آفرینش سے کیا ہے؟ اس کے دماغ و اعضا کی ساخت سے بحث نہیں بلکہ صرف نظام تمدن کے اس تدریجی ارتقاء کو دیکھئے جس نے دنیا کو آہستہ آہستہ علم و روشنی کی اس منزل تک پہنچا دیا ہے اور سوچئے کہ تاریخ تمدن میں عورت کی خدمات کس طرح شروع ہوئیں اور اس نے تعمیر عمرانیت میں کیا حصہ لیا؟ — عہد وحشت میں بھی جب اصولاً عورت کو زیادہ قوی، زیادہ محنتی و جفاکش اور زیادہ جنگجو ہونا چاہیئے تھا، وہ مردوں کے دوش بدوش صحرائی درندوں کا مقابلہ نہیں کرتی تھی، بلکہ اُن زخموں کے اندمال میں مصروف رہتی تھی جو "تنازع للبقا" کے سخت و سنگین اصول کے ماتحت مردوں کو پہنچتے تھے درانحالیکہ یہ بات اس کو کسی نے نہ سکھائی تھی۔ اگر مرد دن بھر خاک بسر مارا مارا پھرتا تھا تو عورت کسی درخت کے نیچے خس و خاشاک مہیا کر کے اس کے لئے بستر طیار کرنے میں مصروف رہتی تھی اور اگر مرد شکار کی جستجو میں بھوکا پیاسا سرگردان رہتا تھا تو یہ اس کی فکر میں مبتلا رہتی تھی کہ شام کو جب واپس آئے تو فوراً اپنی بھوک اور خشکی کو دور کر سکے، وہ بچوں کو پالتی تھی کھانا پکاتی تھی، پانی چشموں سے لاتی تھی، ملبوس طیار کرتی تھی، سر چھپانے کے لئے مکان بناتی تھی اور اسی کے ساتھ مرد کے تھکے ہوئے خستہ اعصاب کو اپنے محبت بھرے ہاتھوں سے مس کر کے راحت و سکون پہنچایا کرتی تھی۔ پھر زمانہ گزرتا گیا اور انسان کی تمدنی ترقی وسیع ہوتی گئی، لیکن عورت کی اس خدمت کی نوعیت بدستور قائم رہی اور اس کے ان فطری مشاغل میں سوائے اس کے کوئی فرق پیدا نہ ہوا کہ اگر پہلے وہ تمام کام اپنے ہاتھوں سے بھدے طریقہ پر دیر میں انجام دیتی تھی، تو بعد کو آلات کے ذریعہ سے خوشنمائی کے ساتھ جلد انجام دینے لگی۔ اگر پہلے وہ اپنے بچہ کو صرف اپنی آغوش میں پالتی تھی تو بعد کو طرح طرح کے پالنے بنائے اور دوسری عورتوں کی خدمات حاصل کر کے اُن کی گود سے فائدہ اُٹھایا۔ الغرض تمدنی ترقی کے ساتھ عورت کی خدمت میں بھی زیادہ شائستگی پیدا ہوتی گئی لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ اس کے خدمات کی نوعیت

SAFINA-I-NISWAN
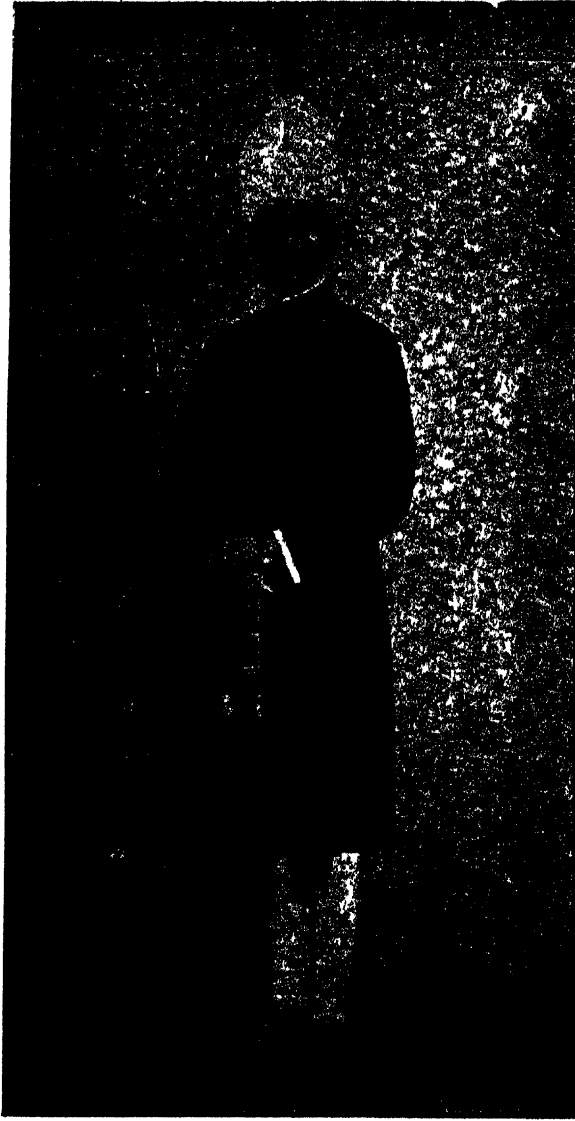
میجر جزل ہز ہائینس شہزادہ والاشان نواب اعظم جاہ بہادر
ولیعہد و سپہ سالار عساکر آصفیہ

سفینہ نسوان
حیدرآباد دکن

نواب شہید یار جنگ بہادر

سفینہ نسواں
حیدر آباد دکن

بدل گئی ہو، یا یہ کہ اس نے مردوں کے فرائض اپنے سر لینا پسند کیا ہو ــــ اسی طرح زمانہ گزرتا گیا اور انسان کی اہلی زندگی کا نظام بدستور اسی حال پر قائم رہا کہ دفعۃً جنگ عظیم کا شعلہ بھڑک اُٹھا اور مردوں کے میدان حرب میں چلے جانے اور اُن کی کثیر تعداد قتل ہو جانے سے عورت مجبور ہوئی کہ وہ بعض ان خدمات کو بھی انجام دے جو مرد کے سپرد تھیں اور اس طرح گویا یہ پہلا قدم تھا عورت کی اس آزادی کا جس نے اس کے اندر مرد کی طرف سے بعد کو بغاوت کے جذبات پیدا کر دئے۔ یہ بحث طویل ہے کہ عورت میں مرد کی طرف سے بے نیازانہ جذبۂ آزادی کیوں پیدا ہوا، لیکن مجملاً یوں سمجھئے کہ اس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ مرد کی تعلیم وہاں بالکل یکساں اُصول پر جاری تھی اور اصول تربیت میں کوئی ایسا فرق و امتیاز نہ باقی رہ گیا تھا جو مرد و عورت کے جذبات و خیالات میں حدّ فاصل قائم کر سکے۔ عورت کو سالہا سال سے یہ تعلیم دی جا رہی تھی کہ وہ مرد کے مساوی ہے لیکن اس مساوات کا یہ مفہوم نہ بتایا جاتا تھا کہ اپنی اپنی خدمات کے لحاظ سے نظام تمدن میں دونوں یکساں طور پر اہمیت رکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت، مردانہ فرائض میں بھی اپنے آپ کو اس کا مساوی سمجھنے لگی اور جب جنگ عظیم میں اس کا ایک حد تک کامیاب تجربہ بھی ہو چکا تو پھر عورت جو مرد کی ناجائز آزادی اخلاق سے پہلے ہی کافی بیزار تھی، دفعۃً تمام قیود کو توڑ کر اس میدان میں بھی آگئی جو مردوں کے لئے مخصوص تھا، یہاں تک کہ آج وہ مرد سے کلّہ بہ کلّہ لڑنے کیلئے طیار ہے اور اہلی زندگی کا وہ توازن جو صرف امتیاز خدمات اور تقسیم عمل کے احساس پر قائم رہ سکتا ہے یکسر درہم برہم نظر آتا ہے ــ اس میں شک نہیں کہ بظاہر مغرب کی موجودہ نسائی ذہنیت میں اہل ہند کو کوئی بُرائی نظر نہیں آتی اور ہر شخص اُن کے صحیح و توانا جسم اُن کے شگفتہ چہروں اور مضبوط اعصاب کو دیکھکر یہی حکم لگائے گا کہ مغربی سوسائٹی سعادت و برکت کی انتہائی حد تک پہونچ گئی ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے ان کی اندرونی زندگی و معاشرت کا مطالعہ کیا ہے اُن سے پوچھئے کہ اس کی گندگی و پریشانی کا کیا عالم ہے اور وہ حسین جمیل چہرے جو غازہ کے نیچے دوسروں کو پھول نظر آتے ہیں، مردوں کی اہلی زندگی کی راہ میں کتنے کانٹے

بچھا رہے ہیں ۔ پھر کیا ہندوستان کے ارباب تعلیم کے لئے یہ مسئلہ قابل غور نہیں ہے کہ جس نصاب اور اصول تعلیم نے مغرب کی عورت کو اس حد تک جری و بیباک بنا دیا ہے کیا وہ مشرق کی عورت میں کوئی اور ذہنیت پیدا کر سکتا ہے اور کیا یہاں کا مرد اس عذاب سے بچ رہے گا جو اسی تعلیم کے بدولت مغرب کے مرد پر مسلط ہوا ہے ؟ ۔ گزشتہ ربع صدی کے اندر ہندوستان کی عورت نے تعلیم میں کافی ترقی کی ہے اور یہ احساس کہ عورت کے لئے تعلیم ضروری ہے آج ہر گھر میں پایا جاتا ہے، لیکن عورت کی اس خواہش کو بالکل اسی غلط اصول پر پورا کیا جا رہا ہے جو مغرب میں رائج ہوا ۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے ہندوستان کی عورت بھی سوائے عورت رہنے کے اور سب کچھ ہو جانے پر مائل نظر آتی ہے ۔ پھر اس خرابی کا باعث یقیناً عورت کا رجحان تعلیم نہیں بلکہ وہ اسلوب تعلیم اس کا باعث ہے، جس نے مغرب کی تہذیب، مغرب کی معاشرت اور مغرب کی ذہنیت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے ۔ لڑکیوں کے مدارس میں نظم و نسق اور تعلیم کی ذمہ داری زیادہ تر عیسائی خواتین کے ہاتھ میں ہے یا اُن خواتین کے جو باوجود غیر عیسائی و غیر مغربی ہونے کے اپنے آپ کو اسی رنگ میں پیش کرنا پسند کرتی ہیں اور اُن سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہندوستان کی عورت میں یہیں کی ذہنیت باقی رکھیں گی، بالکل دور از کار بات ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جو انقلاب ایک لڑکی کی ذہنیت میں اسکول کی تعلیم سے پیدا ہوتا ہے، وہ آرائش و زیبائش سے وابستہ ہوتا ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے پہلا جرثومہ ہے جو آہستہ آہستہ پہلے بیجا نمود و نمائش اور پھر بیجا آزادی و بیباکی پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے ۔ یقیناً زیبائش و آرائش، تجمیل و تحسین عورت کی صفت ہے، لیکن اس کی زندگی کا حقیقی مقصود تو شاید یہ نہیں اور اس لئے اگر ثانوی حیثیت سے اس طرف توجہ کی جائے تو خیر، لیکن اس کو اصل کار کی حیثیت دیدینا یقیناً کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ اُستانیاں اکثر و بیشتر جوان اور نا کتخدا ہوتی ہیں، اور یہ دوسرا اہم سبب خرابی اخلاق کا ہے، کیونکہ خود ان کا اکثر وقت اس نمود و نمائش میں بسر ہوتا ہے جو مردوں کے سوسائٹی میں کشش قائم رکھنے کے لئے ضرور ہے اور ان کا

دماغ کسی وقت اس خیال سے خالی نہیں رہتا کہ' وہ جوان ہیں' دلکش اداؤں کی مالک ہیں اور انھیں جذبات کو ساتھ لے کر وہ کلاس روم میں لڑکیوں کے سامنے آتی ہیں۔ وہ ملازمت اس لئے نہیں کرتیں کہ لڑکیوں کو پڑھائیں یا اُن کے اخلاق کو سدھاریں بلکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ روپیہ حاصل کر کے عطر و غازہ کے فضول مصارف کو پورا کر سکیں اور تختۂ رقص پر وہ بہترین وضع و ملبوس کے ساتھ جلوہ آرا ہوں — پھر اس کے ساتھ تعلیمی نصاب کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں بھی کوئی بات ایسی نہیں جو عورت کو اس کے حقیقی نسائی خدمات کی طرف متوجہ کرنے والی ہو' وہی نصاب جو لڑکوں کے لئے مقرر ہے' لڑکیوں کو بھی پڑھایا جاتا ہے اور سوائے اس کے کہ کبھی کبھی (اور وہ بھی بطور تفنن) سینے یا پرونے کھانا پکانے کا بھی درس دیدیا جاتا ہے' کوئی اور فرق لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب یا طریق تعلیم میں نہیں ہے — تعلیم کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہر فرد میں اس کے فرائض کا احساس پیدا ہو جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اگر یہ صحیح ہے کہ دونوں کے فرائض علٰحدہ علٰحدہ ہیں تو اصولاً ان کی تعلیم کا معیار بھی علٰحدہ علٰحدہ قائم ہونا چاہیئے' ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت میں رفتہ رفتہ خود سری و آزادی پیدا ہو جائیگی۔ جو اُسے مرد تو نہیں بنا سکتی' لیکن مرد کے لئے اُسے بسیرالحصول ضرور کر دینے والی ہے یہی وہ عذاب ہے جس میں آج یورپ کا مرد مبتلا ہے اور ہندوستان کے مرد کے سامنے بھی ہے اگر اس نے اس کا سد باب نہ کیا اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی عورت کو یہ بدنصیبی کہ اگر آج اس کا شوہر مر جائے تو کل سے اسے فاقہ کرنا گزیر ہے اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ وہ معاش کی طرف سے خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کی اہل بنائی جائے' لیکن اس کا علاج اسکول کی تعلیم نہیں۔ کیونکہ اس حیثیت سے یہ تعلیم خود مردوں کے لئے بھی مفید و کارآمد ثابت نہیں ہوئی' چہ جائیکہ عورتیں جو نسبتاً کم تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اور شدائد کا مقابلہ کرنے کی زیادہ ضعیف اہلیت رکھتی ہیں۔ اس لحاظ سے عورت کی تعلیم تو ضروری ہے' لیکن وہی تعلیم جو اُسے کسب معاش میں مدد دے نہ کہ اُسے بہترین آلہ تفریح بنادے۔ اس راز کو اگر ایشیا کے کسی ملک نے سمجھا ہے تو وہ صرف جاپان ہے کہ وہاں آپ کو ایک عورت بھی

غیر تعلیم یافتہ نہ ملے گی، لیکن یہ تعلیم وہ نہ ہوگی جو اُسے مرغ زرّین بنا دیتی ہے۔
لیکن سوائے اترا کر چلنے کے اور کسی کام کی نہیں رکھتی اُس کو سب سے پہلے یہ
بتایا جاتا ہے کہ نسائی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے، بلکہ خارزار حیات میں مردوں
کے ساتھ چلکر اس کے پاؤں کے کانٹے بھی نکالنا پڑتے ہیں یعنی اگر جوے کا ایک
سرا مرد کے شانہ پر رکھا ہوا ہے تو دوسرا اس کے شانہ پر بھی ہے وہ گھر کی ملکہ
ہے اور ایک ملکہ ہی کی طرح اس کا انتظام کرتی ہے، شوہر کو وہ اپنا سچا رفیق جانتی
ہے اور کشاکش حیات میں وہ پوری طرح اس کا ہاتھ بٹاتی ہے وہ اپنے بچوں کو
خود دودھ پلاتی ہے، خود ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ہے اور بیکار وقت
ضایع کرنا اس کے مذہب میں جرم عظیم ہے۔ وہ خود بھی ہر وقت کام میں مصروف
رہتی ہے، یہاں تک کہ جب شام کو مرد گھر واپس آتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اگر دن
رات محنت کر کے اس نے اپنے متعلقین کے خور و نوش کا سامان فراہم کیا ہے
تو انھوں نے بھی اس کی راحت و آسایش کے اسباب فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ
کوشش کا اٹھا نہیں رکھا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اسی تربیت نے وہاں خانگی
صنعت (Home Industry) کو اتنا عام و وسیع کر دیا ہے کہ گھر کا
کوئی فرد کسی وقت بیکار نہیں رہتا اور ہر عورت میں اتنی اہلیت پیدا ہو گئی ہے کہ
ضرورت کے وقت وہ اپنے اور بچوں کے لئے کسب معاش کر سکے۔ برخلاف
اس کے ہمارے یہاں کی عورت کو دیکھئے کہ تعلیم نے ان کے اندر کیا انقلاب کیا
ہے۔ بچوں کو دودھ پلانا اُن کے نزدیک معیوب، گھر کا کام کرنا خلاف شان، اور مرد
کے جذبات کی رعایت نسائیت کی توہین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ آرایش
وضع و ملبوس میں کافی مہارت رکھتی ہیں، لیکن اس تحسین و تجمیل کا ہدف گھر سے باہر
ڈھونڈھا جاتا ہے، یہ بالکل صحیح ہے کہ ان کی رفتار و گفتار میں کافی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے
مگر ان کے لبوں کی مسیحائی اور ان کے خرام ناز کی جان بخشیاں ان کے شوہروں
کا مقسوم نہیں۔ وہ اپنے آپ کو مردوں سے علیحدہ ایک مستقل چیز ثابت کرنے کی
تو کوشش کرتی ہیں لیکن حال یہ ہے کہ اگر آج اُن کے شوہر مر جائیں یا چھوڑ دیں تو
عشوہ فروشی کے سوا کوئی اور ذریعہ اُن کے پاس کسب معاش کا نہیں رہجاتا۔ پھر

بتائیے کہ یہ تعلیم ملک و قوم کے لئے کیا خاک مفید ہوسکتی ہے اور ہم ایسی تعلیم یافتہ عورتوں کو کیا کریں جو "مال عرب" کے بجائے "مال یغما" بنجانا پسند کرتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ملک کے ارباب فہم نے تعلیم نسواں کی طرف تو پوری پوری توجہ کی، لیکن اس وقت تک یہ نہ معلوم کرسکے کہ جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہ "کعبہ" کی طرف جاتی ہے یا "ترکستان" کی طرف!

نیاز

رباعیات حکیم خیام

(مترجمہ)

جناب رائے گورسرن بلی صاحب آزاد

نوٹ:۔ رباعیات عمر خیام کے متعلق خیام کی فلسفیانہ دماغ کی مدح سرائی اس وقت میں ایک بے ضرورت سی بات سمجھتا ہوں چونکہ تمام ایشیا و یورپ اُس کے باثر رنگ و طرز فلسفہ کا قایل نظر آتا ہے یورپ ایشیا ہندمیں اکثر اِس کے ترجمہ ہو چکے ہیں۔ میرے جذبات نے مجھ کو ابھار کہ اگر اس کا اردو میں ترجمہ کروں تو ممکن ہے میری یہ ناچیز سعی ادب اردو کے لئے اضافہ کا باعث ہو۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت میں نے تقریباً چیدہ چیدہ ایکسو (۱۰۰) رباعیوں کا ترجمہ کیا۔ مجھے میرے ایک عزیز کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دہلی میں افسر الشعرا جناب مولانا آغا شاعر صاحب نے رباعیات خیام کا اردو ترجمہ کیا اور وہ طبع بھی ہو چکا ہے۔ تاہم اپنی کی ہوئی محنت کے مدنظر اور میرے عنایت فرما مولانا اختر قریشی مدیر سفینہ نسوان کے ارشاد پر میں اپنی مترجمہ رباعیات قسط واری سفینہ نسوان میں

پبلک کی دلچسپی کے لئے پیش کرتا رہونگا اس توقع پر کہ اگر میرا ترجمہ پسندیدہ عوام ہو تو بقیہ رباعیات کا ترجمہ انشاء اللہ مکمل کر کے کتابی شکل میں پیش کرونگا۔

آزاد

(۲)

خیام		آزاد	
آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما	کے رند خراباتی دیوانۂ ما	آئی یہ ندا سحر کو میخانہ سے	اور تھا یہ خطاب اپنے دیوانے سے
برخیز کہ پر کنیم پیمانۂ زمے	زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما	اٹھ جام کریں پر اپنا پہلے کہ یہاں	چھلکے مئے عمر اپنے پیمانے سے
ہر چند کہ رنگ و بوئے زیباست مرا	چوں لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا	ہر رنگ سے بو سے سجایا مجھ کو	اور سرو کی طرح سے اٹھایا مجھ کو
معلوم نشد کہ در طربخانۂ خاک	نقاش من از بہر چہ آراست مرا	معلوم نہیں ہوا کہ اس دنیا میں	نقاش نے کس لئے بنایا مجھ کو
مے قوت جسم و قوت جانست مرا	مے کاشف اسرار نہانست مرا	مے قوت جسم و قوت جان ہے مرا	مے کاشف اسرار نہاں ہے مری
دیگر طلب دنیا و عقبےٰ نکنم	یک جرعہ پر از ہر دو جہانست مرا	پوچھو نہ کبھی دین سے اور دنیا سے	مے راز نمائے دو جہاں ہے مری

حیدرآباد

ریاست حیدرآباد پر ایک طائرانہ نظر

(از جناب محمود اختر صاحب)

ریاست حیدرآباد کا جائے وقوع

ریاست حیدرآباد جزیرہ نما ہندوستان کے جنوب میں ایک تکونی شکل کی ریاست ہے

جو سطح مرتفع دکن کے وسط میں واقع ہے اس کے شمال میں ملک برار۔ اور ضلع خاندیس ہیں۔ مشرق میں دریائے وردہا اور دریائے گوداوری جنوب میں دریائے کرشنا اور دریائے تنگ بھدرا۔ اور احاطہ مدراس۔ مغرب میں احاطہ بمبئی ہے۔

ریاست کی وسعت۔

ریاست حیدرآباد سیاہی مائل بھورے پتھر اور بھر بھرے پتھر اور چونے کی زمین کا علاقہ کہلاتا ہے۔ بعض حصے بہت زرخیز ہیں۔

ریاست حیدرآباد میں پہاڑوں کے کئی مشہور سلسلے ہیں۔ مثلاً سلسلہ سیاودری پربت یہ سلسلہ نرل ضلع عادل آباد سے شروع ہو کر ضلع پربھنی میں سے پھیلا ہوا اجنٹا تک چلا گیا ہے وہاں اس کا نام اجنٹا گھاٹ ہے اس کا طول ملک سرکار عالی میں ۲۵۰ میل ہے۔

سلسلہ بالا گھاٹ۔

یہ تعلقہ بلولی سے شروع ہو کر ضلع پربھنی میں سے گذرتا ہوا تعلقہ آشٹی میں جا کر ختم ہوا ہے اس کا طول ۲۰۰ میل ہے۔ اس کی اور چند شاخیں بھی ہیں ....

جالنہ کی پہاڑیاں

یہ دولت آباد سے شروع اور جالنہ میں سے گزر کر برار جا پہنچا ہے اس کا طول ۱۲۰ میل ہے۔

کنڈیل گٹہ۔

یہ ورنگل کے شمال مشرق میں سے گذرتا ہوا تعلقہ چنور ضلع عادل آباد میں جا کر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کا طول ۵۰ میل ہے۔

ریاست حیدرآباد میں ۵۰ کے قریب دریا اور ندیاں ہیں۔ جن میں سے گوداوری ۶۷۰ میل طویل ہے۔ کرشنا ۴۰۰ میل۔ مانجرا ۳۸۰ میل بائیں گنگا ۲۰۰ میل۔ بھیما ۱۷۵ میل۔ تنگ بھدرا ۱۷۵ میل ہیں۔

ریاست کی آب و ہوا۔

ریاست کے جو متعلقات خط استوا کے نزدیک ہیں۔ وہاں سال بھر شدت کی گرمی ہوتی ہے اور قطبین کے قریب کے مقامات میں ہمیشہ سخت سردی پڑتی ہے عام طور پر ریاست میں نہ تو بہت سردی پڑتی ہے۔ نہ بہت گرمی۔

موسمی ہوائیں۔

ملک سرکار عالی میں موسمی ہوائیں جنوب مغرب کی طرف سے آتی ہیں۔ عام طور پر بارش کم ہوتی ہے۔ علاقہ تلنگانہ میں اوسط ۳۲ انچ۔ اور مرہٹواڑہ میں اوسط ۲۸۔ انچ ہے موسم تین ہیں۔ برسات۔ جاڑہ۔ گرمی۔

آبپاشی کے ذرائع

مرہٹواڑہ میں زیادہ زراعت بارش سے ہوتی ہے۔ مرہٹواڑہ میں پانی کی باؤلیاں ہیں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یا نہروں اور نالوں سے چمڑے کے ڈول کے ذریعہ آبپاشی کی جاتی ہے۔ اس غرض کے لئے بہت سے تالاب بھی بنائے گئے ہیں۔ ایسے تالاب تلنگانہ کے علاقہ میں زیادہ ہیں۔

چھوٹے بڑے تالابوں کی تعداد ۱۷ ہزار ہے لیکن مشہور تالاب حسب ذیل ہیں

عثمان ساگر۔ حیدرآباد سے ۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا پختہ بند ۴۰۰۰ فٹ لمبا ہے تالاب ۶ میل لمبا ہے۔ اور ۳ میل چوڑا اور ۲ ۵ فٹ گہرا ہے۔

حمایت ساگر۔ یہ حیدرآباد سے ½۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا بند پختہ ۷۰۰۰ فٹ لمبا۔ اور گہرائی ۳ ۹ فٹ ہے۔

نظام ساگر۔ ضلع نظام آباد سے ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کا بند پختہ ۱۱۷۰۰ فٹ بنا ہے۔ گہرائی ۱۱۱ فٹ ہے۔ یہ اوپر کے دونوں تالابوں سے بہت بڑا ہے۔

پالیر۔ ۴۷۰۰ فٹ طول۔ ۶۲ فٹ گہرا ہے اس سے دو چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں۔

ویرا۔ طول ۹ ۵۸ ۳ فٹ گہرائی ۹ ۵ فٹ اس سے ۱۶ ہزار ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔

راشن پلی۔ کچا بند ہے۔ طول ۴۰، ۲۸ ۲ فٹ گہرا ½ ۵ ۵ فٹ ہے۔

بانڈ مرچڈ۔ موضع مرچڈ میں ہے۔ بند کچا۔ ۶۰۰ ۲ فٹ طول ۹ ۳ فٹ گہرائی۔

اس کے علاوہ سنگر۔ بھوپالہ۔ پوچارام۔ پاکھال۔ رامپا لکنا درم۔ حسین ساگر میر عالم وغیرہ مشہور تالاب ہیں۔

ان تالابوں کے علاوہ ملک کی آبپاشی کے لئے نہریں بھی موجود ہیں۔

نظام ساگر۔ ۷۳ میل لمبی۔ عریض ۱۰۰ فٹ گہری۔ ۷ فٹ اس کی ایک شاخ ۴۲ میل لمبی ہے اس نہر سے پونے تین لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔

ماخذ از تازیانہ

ہِز. ائی. ہیچ. دلہن شہزادی علیہ حضرتہ دردانہ بیگم صاحبہ
وشہزادۂ والا شان نواب مکرم جاہ بہادر

سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن

بمطبع کیسری برابر الملک و رکس حیدرآباد دکن

محبوب نہر ۴۲ میل لمبی ہے۔
فتح نہر۔ قریباً ۴۴ میل دو شاخوں میں ہے۔
آصف نہر۔ ۷۰ میل لمبی ہے۔ گنگا وتی نہر ۱۶ میل۔ بیچل نہر۔ ۸۴ میل لمبی ہے۔

زراعت۔ ریاست حیدرآباد ایک زراعتی ملک ہے۔ اور آبادی کا بڑا حصہ زراعت پر ہی زندگی بسر کرتا ہے حکومت کی طرف سے ترقی زراعت کے لئے کوشش کی جارہی ہے نہروں اور تالابوں کے علاوہ روئی کی کاشت کے کمیت نیشکر کی کاشت۔ تمباکو۔ ارنڈ۔ روئی وغیرہ بوئی گئی ہے۔

محبوب نگر میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کا انتظام کیا گیا ہے۔ اویل میں ہڈیوں کی کھاد کے فوائد دکھلائے جارہے ہیں۔ سنگاریڈی میں میووں اور ترکاریوں کی کاشت نمونے کی طور پر کی جارہی ہے ہر قسم کے اناج اور پھل۔ ترکاریاں ریاست میں پیدا ہوتی ہیں۔

جنگلات۔ جنگلوں میں ہر قسم کے درخت موجود ہیں۔ ساگوان۔ بیجا سال۔ ابنوس شیشم۔ سانن۔ ہلدادہ۔ کھیر۔ وغیرہ رنگ نکالنے والے درخت مثلاً سیاہ ہلیلہ۔ ترٹوڑ۔ املتاس بھی موجود ہیں۔ بعض جنگلوں میں طباشیر۔ لنٹر۔ شہد۔ موم۔ لاکھ۔ گوند۔ اور روسا پیدا ہوتے ہیں۔ ریاست کا محکمہ جنگلات خوب کام کر رہا ہے

معدنیات۔ ملک سرکار عالی میں کئی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ بہت سی کانیں ابھی تک کھودی ہی نہیں گئی ہیں۔ البتہ کوئلہ اور چونے کے پتھر کی کانیں کامیابی سے چل رہی ہیں۔

سونا ہٹی تعلقہ میں ملتا ہے سیلو کا پتھر جو سمنٹ بنانے کے کام آتا ہے بکثرت ملتا ہے گرافائٹ پنسل بنانے کے کام آتا ہے۔ تانبے کی کان جنتر یلہ میں پائی جاتی ہے۔ لوہے کی کانیں گلبرگہ۔ ورنگل۔ عادل آباد اور کریم نگر میں ہیں ابرک کی کانیں بھی ہیں۔ پوٹاس۔ اور سفید کھریا۔ گیرو اور سنگ ریزہ بھی موجود ہیں۔

حیوانات۔ ہر قسم کے جانور ریاست میں پائے جاتے ہیں۔ شیر۔ چیتا۔ تیندوا۔ سارس۔ لگڑبگڑ۔ بھیڑ۔ جنگلی بکری۔ بندر۔ ریچھ۔ گیدڑ

ارنا بھینسا۔ نیل گائے۔ سانبھر۔ چیتل۔ ہرن۔ بارہ سنگھا موجود ہیں۔
پرندے بھی ہر قسم کے موجود ہیں۔ چونکہ حکومت سے مویشیوں کی پرورش
کے لیے گھوڑ سال قائم ہیں جن میں گھوڑے کی پرورش اور افزائش نسل کا
کام کیا جاتا ہے۔

صنعت و حرفت اس کی دو شاخیں ہیں۔ دستکاری جو ہاتھ سے کی جاتی ہے۔
دوسری کلکاری جو کلوں کے ذریعہ سے سرانجام ہو۔
صنعت و حرفت کے لئے خام پیداوار کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ
حیدرآباد میں اس کی کمی نہیں۔
مشہور دستکاریاں ہیں۔
ضلع میدک میں سنہری کور کی ساڑیاں اور ریشمی کپڑے۔
اورنگ آباد میں کمخواب کے تھان۔ نارائن پیٹ کی ریشمی ساڑیاں ضلع گلبرگہ کی
سوتی ساڑیاں۔ ورنگل۔ گلبرگہ۔ محبوب نگر۔ اور کریم نگر کے اضلاع میں ٹسر کے کپڑے
عمدہ تیار ہوتے ہیں۔
ملایم کمبل۔ امرآباد میں کھال وغیرہ کے قالین مٹھواڑہ میں۔
چاندی کے تار کا کام۔ کریم نگر میں۔ بیدر میں خاصدان۔ حقے۔ سلابچی۔
اور بٹن کا کام بے مثل تیار ہوتا ہے۔
سدی پیٹھ میں پیتل کے برتن بہت اعلیٰ تیار ہوتے ہیں۔

مشہور کارخانے حیدرآباد میں روئی کے ۲۹ کارخانے ہیں جن میں روئی صاف
کرنا۔ دبانا۔ کپڑے بننے کا کام ہوتا ہے۔ کپڑا بننے کے کارخانے
کل ریاست میں ہیں۔ ایک بڑا کارخانہ عثمان شاہی ملز کے نام سے ناندیڑ میں ہے
جس میں بڑے پیمانہ پر کپڑا تیار ہوتا ہے۔
محکمہ صنعت و حرفت کی نگرانی میں بھی کئی کارخانے
ہیں۔
ان کے علاوہ لوہے لکڑی۔ تیل نکالنے سگریٹ بنانے۔ کانچ کا کام
سینٹ۔ اور دیا سلائی کے کارخانے بھی موجود ہیں۔

آمد و رفت کے ذریعے ملک میں کچی اور پختہ سڑکوں کے علاوہ ریلوے لائینس بھی بکثرت ہیں

(۱) جی۔ آئی۔ پی ریلوے۔ (چوڑی پٹڑی)

(۲) ایم اینڈ ایس۔ ایم ریلوے۔ "

(۳) بارسی لائٹ ریلوے۔ (اتنگ پٹڑی)

(۴) این۔ ایس ریلوے۔ (چوڑی پٹڑی)

(۵) حیدرآباد گوداوری ویالی ریلوے (چھوٹی پٹڑی)

(۶) پورنا ہنگولی ریلوے۔ "

(۷) سکندرآباد کرنول ریلوے۔ "

(۸) قاضی پیٹھ بلہارشاہ ریلوے۔ (چوڑی پٹڑی)

(۹) کے کسارکارے پلی کوتھام گوڈم ریلوے "

۳ سے ۹ نمبر تک سرکاری (نظام) ریلوے ہیں باقی کمپنی کی ہیں جو اب خرید لی گئیں۔

آبادی۔ ملک سرکار عالی کی آبادی۔ ایک کروڑ ۴۴ لاکھ ۱۷ ہزار، سوستر ہے۔
قوموں کا تناسب حسب ذیل ہیں:۔

ہندو (۶۶) فیصدی۔ مسلمان (۱۰) فیصدی۔ بھیل گونڈ کویا۔ لباڑا۔ یرکلہ قومیں (۳) فیصدی۔ عیسائی (۶۲) ہزار۔ جین (۸) ہزار۔ سکھ دو ہزار۔ پارسی ایک ہزار
ملکوں میں (۱۲) زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سرکاری زبان اردو ہے۔

حکومت۔ ریاست پر اعلحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ حکمراں ہیں لیکن ملک کے معاملات میں صلاح مشورہ دینے کے لئے مجلس مقرر ہے۔
ایک ملک کے انتظام میں مدد دیتی ہے۔ اسے باب حکومت کہتے ہیں۔ دوسری ملک کا قانون بناتی ہے۔ اسے مجلس واضع قوانین کہتے ہیں۔

باب حکومت میں اور سات اراکین ہیں میر مجلس کو صدر اعظم کہتے ہیں۔ اور اراکین صدر صدر المہام۔

ہر صدر المہام کے ماتحت معتمد ہے اور ہر معتمد کے ماتحت کئی ناظم ہر ایک سمت کے اعلے حاکم کو صدر ناظم مال اور ہر ضلع کے حاکم اعلےٰ کو تعلقدار کہتے ہیں۔ ضلع بھر میں جس قدر تعلقے ہوں ان کے حاکموں کو تحصیلدار کہتے ہیں۔

پبلک حقوق کی حفاظت کے لئے ہر ایک سمت میں صدر ناظم عدالت سیشن جج متقرر ہیں ہر ایک ضلع میں ناظم عدالت اور ہر تعلقہ میں ایک منصف ان کے علاوہ پولیس مڈیکل ۔ ڈاک (محکمہ ٹپہ) سررشتہ تعلیم محکمہ حفظان صحت ۔ سررشتہ تعمیرات وغیرہ ہر ایک شعبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ محکمہ ہے ۔

ملک سولہ ضلعوں پر منقسم ہے :-

حیدرآباد	آبادی	چار لاکھ	چار ہزار
نظام آباد	"	"	۹۹ ہزار
محبوب نگر	"	سات لاکھ	۵ ہزار
نلگنڈہ	"	۹ لاکھ	۸۴ ہزار
اورنگ آباد	"	سات لاکھ	۱۴ ہزار
اطراف بلدہ	"	چار لاکھ	۹۷ ہزار
ورنگل	"	۹ لاکھ	۲۵ ہزار
کریم نگر	"	دس لاکھ	۹۵ ہزار
عادل آباد	"	۶ لاکھ	۵۵ ہزار
میدک	"	۶ لاکھ	۲۴ ہزار
ضلع بیڑ	"	۴ لاکھ	۶۷ ہزار
ناندیڑ	"	۶ لاکھ	۱۷ ہزار
پربھنی	"	۷ لاکھ	۶۵ ہزار
گلبرگہ	"	۱۰ لاکھ	۹۵ ہزار
عثمان آباد	"	۶ لاکھ	۱۵ ہزار
بیدر	"	۸ لاکھ	
رائچور	"	۹ لاکھ	۴۲ ہزار

حیدرآباد ریاست کے دار الخلافہ کا نام بھی حیدرآباد ہے ۔ حکومت اور تمام محکموں کا مرکز یہی ہے ۔ جغرافیہ ریاست میں حیدرآباد کا تذکرہ یوں درج ہے ۔

حیدر آباد ایک قدیم شہر ہے۔ جس کی بنیاد قطب شاہی کے پانچویں پشت والے محمد قلی قطب شاہ نے ۱۵۹۱ء میں ڈالی تھی۔ یہ شہر موسیٰ ندی کے کنارے ملک سرکار عالی کا پایۂ تخت ہے۔ ملک کے بڑے بڑے دفتر اور تعلیم گاہیں ہیں اس لئے اس کی آبادی بڑی گنجان ہے چار لاکھ سے زیادہ آدمی بستے ہیں۔ یہ آبادی کے لحاظ سے ہندوستان میں چوتھے درجے کا شہر ہے دن بدن شہر کے باہر آبادی پھیلتی جارہی ہے۔ شہر میں آنے جانے کے لئے موسیٰ ندی پر چار پل بنے ہوئے ہیں سو پرانا پل۔ مسلم پل۔ اور چادر گھاٹ پل ان میں سب سے زیادہ آمدورفت نئے پل پر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس پل سے جو سڑک جاتی ہے وہ شہر کے بیچوں بیچ میں سے ہوکر گذرتی ہے روزانہ ہزاروں آدمی سیکڑوں چھکڑے۔ تانگے۔ بگھیاں موٹریں۔ سائکلیں۔ چلتی رہتی ہیں۔ جانے والے اس پل سے شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر جہاں انہیں جانا ہو گھوم جاتے ہیں شہر کے اندر بڑا بازار پتھر گٹی ہے۔ جہاں سڑک کے دائیں بائیں ولایتی اور دیسی سامان کی مختلف دوکانیں لگی ہوئی ہیں۔

آج کل شہر کی آبادی کی اصلاح و آرائش ہو رہی ہے۔ سڑکیں چوڑی چکلی سڑکوں کے دونو جانب پختہ مکانات اور دوکانیں اور راستوں میں مناسب مناسب موقعوں پر چمن لگا رہے ہیں۔ جن کی وجہ شہر کی رونق دوبالا ہو رہی ہے۔

لوگوں کی تفریح کے لئے نئے پل کے پاس موسیٰ ندی کے کنارے ایک بڑا پارک (رمنا) بنایا گیا ہے۔ جس میں شام کے وقت لوگ جاکر ہرے بھرے سبزے پر بیٹھتے ہیں۔ اور پارک اور پل کے سیر کا لطف اٹھاتے ہیں۔

اس کے علاوہ باغ عامہ بڑی تفریح گاہ ہے۔ جس میں بہت سے پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہیں۔ اور ان پودوں میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں جابجا روشیں بنی ہوئی ہیں۔ روشوں کے کنارے پھول کے گملے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں۔ موقعہ موقعہ پر پانی کے حوض ہیں۔

ان میں فوارے چھوٹتے ہیں۔ جگہ جگہ لوگوں کے بیٹھنے کے لئے لوہے کی بنچیں بچھی ہوئی ہیں۔ ہفتہ میں ایک بار شام کو بینڈ بجتا ہے۔ اس باغ میں ایک چڑیا گھر اور ایک نمائش گاہ ہے۔

چڑیاگھر میں مختلف قسم کے پرندے اور درندے ہیں۔ نمائش گاہ میں ملک سرکار عالی کی صنعت و حرفت کے نمونے رکھے ہوئے ہیں۔

اس باغ میں ایک بڑا ٹاؤن ہال۔ (دارالبلد) ہے۔ جس میں پبلک جلسے ہوتے ہیں حال میں ایک مجسمہ اعلیحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر بنی ہے۔ جو اپنی آپ نظیر ہے۔ یہاں ایک اڈریس ہال بھی ہے۔ جس میں سرکاری تقریبیں ہوا کرتی ہیں۔ روزانہ اس باغ میں ہواخوری کے لئے شوقینوں کا جمگھٹ رہتا ہے۔

طلبہ کی اعلےٰ تعلیم کے لئے بلدۂ حیدرآباد میں بڑی بڑی تعلیم گاہیں ہیں عثمانیہ کالج سٹی کالج۔ میڈیکل کالج۔ انجینرنگ کالج۔ ٹرینینگ کالج ہیں۔ ان میں سے صرف نظام کالج کا تعلق مدراس یونیورسٹی سے ہے۔ اور باقی کالجوں (یعنی عثمانیہ کالج اور سٹی کالج) کا جامعہ عثمانیہ سے ہے۔

سلطنت آصفیہ کے خوبصورت سکے

اعلیحضرت حضور نظام کے دور حکومت میں ایسے خوبصورت سکے اور نوٹ جاری ہوئے ہیں کہ دنیا میں کسی بڑی سے بڑی سلطنت کے سکے اور نوٹ اتنے خوبصورت نہ ہوں گے۔ پہلے زمانہ میں اس سلطنت کا سکہ بہت بھدا اور بدصورت تھا۔ اور اب روپیہ اور اشرفی پر چارمینار کی تصویر بنائی گئی ہے۔ اور دوسری طرف عربی خط کی عبارت ہے۔ ۱۱۵ ریاستی روپے ۱۰۰ انگریزی روپے کے برابر ہیں۔ اور نوٹ تو ہندوستانی ریاستوں میں سوائے سلطنت آصفیہ کے غالباً اور کسی ریاست میں نہیں ہیں۔ اور حضرت بندگان اقدس سے پہلے زمانہ میں یہاں بھی نوٹ رائج نہیں تھے۔ ان نوٹوں کا کاغذ نہایت دبیز اور مضبوط اور چکنا ہوتا ہے۔ اور ان کی چھپائی رنگین۔ اور نہایت ہی خوشنما ہوتی ہے۔ عبارت اس نوٹ پر اردو زبان میں بھی ہے۔ اور نوٹ کی پشت پر بھی نہایت خوبصورت پھول اور خط خاص میں نوٹ کی رقم چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

دنیا میں صرف دولت آصفیہ کا نوٹ ایسا لاجواب بنا ہے جس میں جعلسازی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ایسی حکمت کے ساتھ چھپائے گئے ہیں کہ جعلسازی کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا۔

ڈاک خانے کے ٹکٹ

سلطنت آصفیہ عثمانیہ کے ڈاک خانہ میں جو ٹکٹ اور کارڈ لفافے مروج ہیں وہ بھی نہایت خوبصورت ہیں اور عربی حروف ان پر نقش ہیں۔ ڈاک خانہ کی مہریں بھی اردو زبان میں ہیں۔ لیٹر بکس اور ڈاک خانے کے بورڈ وغیرہ انگریزی ڈاک خانوں کی طرح سرخ نہیں بلکہ زرد رنگ کے ہیں۔ جو سلطنت عثمانیہ کے دربار کا شاہی رنگ ہے۔ جب سلطنت آصفیہ کے زرد لیٹر بکس پر نظر پڑتی ہے تو جی خوش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سرخ رنگ کے مقابلہ میں زرد رنگ آنکھوں کو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ریل گاڑیوں پر ہلال

جب کسی برطانوی باشندے کی نظر پہلی بار حضور نظام کی ریل پر پڑتی ہے تو اس کا دل جوش قومی سے اچھل پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کو دور سے گاڑی کے اوپر نہایت خوبصورت سنہری ہلال چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھو میں اسلامی سلطنت کی ریل پہ نشان اسلامیت بنا ہوا ہوں۔ اعلیحضرت کے دور حکومت کے قبل سلطنت آصفیہ میں ریلوں کی اتنی کثرت نہ تھی اور نظامیہ ریل کی حالت بالکل ہندی ریاستوں کی ریل کی سی تھی۔ جیسے کاٹھیاواڑ وغیرہ ریاستوں کی ریلیں بری حالت میں پائی جاتی ہیں۔ مگر اعلیحضرت نے اپنے ملک میں نہ صرف ریلوے کی اعلےٰ اصلاحات کیں۔ بلکہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی کے ضروری حصوں میں ریلوے جاری کرادی۔ اور بقیہ مقامات پر جاری ہو رہے ہیں ریاست کی کانوں سے کئی لاکھ ٹن کوئلہ ہر سال نکلتا ہے اس لئے ملازم ریلوے سستے داموں کام کرسکتی ہے

ریلوے کی کثرت کی وجہ سے کارخانے بن رہے ہیں اور ملک ترقی کر رہا ہے۔

سرکار آصفیہ کا جھنڈا

اپنا جھنڈا ہے۔ جس کا رنگ زرد ہے اور وسط میں ایک خوبصورت نشان بنا ہوا ہے۔ یہ جھنڈا حیدرآباد کے تمام فوجی قلعوں۔ اور سرکاری عمارتوں پر لہراتا ہے۔ اس جھنڈے کے متعلق "ٹائمز آف انڈیا" لکھتا ہے کہ سرکار آصفیہ کے زرد رنگ اور شاہی جھنڈے کے بنانے کی وجہ تسمیہ معلوم کرنے کی ہر شخص کو خواہش ہے۔ حضور نظام کا نشان ایک زرد جھنڈا ہے جس پر ایک نیلا نشان بیچ میں بنا رہتا ہے۔ اور اس رنگ اور اس نشان علم سے ایک قصہ وابستہ ہے۔ روایت ہے کہ مرحوم نظام الملک جو ایک بہت بڑے عالم اور مدبر اور جنرل تھے۔ ایک مرتبہ کسی مہم پر جا رہے تھے۔ ایک فقیر نے آپ کو اس مہم کے سر ہونے کی دعا کی۔ اور اپنے بادشاہ کو ایک تعویذ کی طرح دیا جو ایک پیلے کپڑے میں بندھی ہوئی تھی۔ مہم سر ہونے پر یہ ہدایت دی گئی۔ کہ حیدرآباد کا زرد جھنڈا ہو اور علمی نشان ویسا ہی بنایا جائے جیسا اس پیر مرد نے دیا تھا۔

ریاست حیدرآباد کی فوج

ریاست حیدرآباد کی تربیت یافتہ افواج کی تعداد بیس ہزار ہے۔ کسی ہندوستانی ریاست میں اتنی فوج موجود نہیں۔ اس فوج کا سالانہ خرچ ۱۷ لاکھ روپیہ ہے۔ ایک فوجی کالج بھی عنقریب کھلنے والا ہے۔ جس میں فوجی افسروں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔ اس فوج کے سپہ سالار ہر دلعزیز شہزادہ حضرت ولیعہد نواب اعظم جاہ بہادر حال میں اس عہدے کو عزت بخشتے ہیں۔

تاجدار دکن کا محکمہ تعلیمات

SAFINA-I-NISWAN

حضرت شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر
صدر مجلس آرایش بلدہ حیدرآباد دکن

سفینہ نسوان
حیدرآباد دکن

پنچاکھسری پرنٹنگ ورکس حیدرآباد دکن

SAFINA-I-NISWAN

علیہ حضرتہ دلہن شہزادی فرحت بیگم صاحبہ

سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن

پنچا کھسری پرنٹنگ ورکس حیدر آباد دکن

دولت آصفیہ میں تعلیم کے باقاعدہ انتظام کا آغاز ۱۸۵۴ء میں ہوا لیکن اس وقت حالت بہت معمولی تھی ۱۸۶۸ء ورنیکلر تعلیم کے لئے ایک ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ لیکن عام انتظام عملاً افسران مال کے ہاتھ میں رہا۔ ۱۸۷۰ء میں ہر ضلع میں ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں چادر گھاٹ اسکول کو دوسرے درجہ کا کالج بنا کر مدراس یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں اول درجے کا کالج بنا دیا گیا۔ اس طرح ترقی کا سلسلہ آہستہ قائم رہا۔ مگر اس کی عام رفتار بے حد سست تھی چنانچہ مختلف اعداد و شمار سامنے رکھے جائیں تو اس بیان کی پوری تائید ہوتی ہے۔

تیس سال کا نقشہ تعلیم

مثلاً ذیل میں ایک عام نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اعلیحضرت کے عہد میمنت سے تیس سال قبل کی کیفیت معلوم ہو سکے گی۔

سال	قابل تعلیم بچے	مدارس	طلباء
۱۸۸۱ء	۱۴ لاکھ	دو ہزار	۸۷ ہزار
۱۸۹۷ء	½۱۵ لاکھ	۲۱۴۰	۴۷ ہزار
۱۹۰۱ء	½۱۵ لاکھ	۲۶۸۷	۹۷ ہزار
۱۹۱۱ء	½۱۷ لاکھ	۲۶۹۵	۹۵ ہزار

اعلیحضرت کا عہد

اعلیحضرت کے عہد میمنت کے ابتدائی دس سال کی کیفیت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر اعتبار سے ترقی شاندار رہی مثلاً مدرسے ۴۶۵ تھے۔ تقریباً ڈھائی لاکھ طلباء تفصیل کے لئے ذیل کا نقشہ دیکھئے۔ (فی ہزار)

درجہ تعلیم	طلبہ ۱۹۱۱ء میں	طلبہ ۱۹۲۱ء میں
کالج	۱۳۶	۴۹۴
ہائی اسکول	۷۲۶۲	۲۲۸۰

ذریعہ تعلیم	طلبہ ۱۹۱۱ء میں	طلبہ ۱۹۲۱ء میں
مڈل اسکول	۳۹۲۳	۹۵۹۷
پرائمری	۵۸۷۲۰	۲۳۲۰۱۹
خاص مدارس	۱۵۳۹	۲۸۳۳

دوسرا دور

۱۹۱۱ء کے بعد ترقی کا دور بھی تیز ہوگیا۔ نظام کالج بدستور سابق مدراس یونیورسٹی سے ملحق رہا۔ اب سکنڈ گریڈ زنانہ کالج بن گیا جس کی طالبات کی تعداد ۱۳ تھی بقیہ کالجوں کے طلبا کی ۱۹۲۵ء میں کالجوں میں تعلیم پانے والوں کی تعداد صرف ۴۹۴ تھی ۱۹۲۵ء میں ۱۰۳۱ ہوگئی (زنانہ و مردانہ)

ہائی اسکول

۱۹۱۱ء میں ہائی اسکول ۲۷ تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ۳۱ ہو گئے۔ اور ۱۹۲۵ء میں ۴۰ تک پہنچ گئے ہیں ۱۹۱۱ء میں ان مدارس میں ۵۷۴۶ بچے تعلیم پاتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ۱۱۳۸۱۔ اور ۱۹۲۵ء میں ۱۵۰۲۹ ان میں سے ۱۳۹۷۸ لڑکے تھے اور ۱۰۵۱ لڑکیاں

مڈل پرائمری اسکول

اسی طرح مڈل و پرائمری اسکولوں نے ترقی کی علی الخصوص پرائمری اسکولوں کا تو سارے ملک میں جال بچھ گیا۔ اور یہ سلسلہ روزانہ وسعت پذیر ہے۔ ریاست کی آمدنی میں سے ہر سال تعلیم کے خرچ کے لئے زیادہ رقمیں منظور کی جارہی ہیں۔ اور عوام کو نور علم سے منور کیا جارہا ہے ۱۹۱۱ء میں محکمۂ تعلیمات کا خرچ ۹۹۷۲۰۶ روپے تھا۔ ۱۹۲۱ء میں ۱۹۸۴۶۴۶ روپے اور اب غالباً ایک کروڑ سے بھی متجاوز ہے کیا کوئی حکومت ہے جو اپنی آمدنی کا ۱/۸ حصہ تعلیمات پر صرف کر رہی ہو۔

اس وقت نظامت کے عہدے پر مولوی خان فضل محمد خان صاحب رینگلر فائز ہیں۔ جن کی کارگزاری تفصیل کی محتاج ہے۔

رضیہ سلطانہ

از جناب محمد بشیر الدین صاحب

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں جہاں اور مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں۔ جن کی بہادری شجاعت اولوالعزمی۔ مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر کم ثابت نہیں ہوتی ہے۔ ان میں سے سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی بلقیس جہاں رضیہ سلطانہ بھی ہندوستان کی عورتوں کے لئے مایۂ ناز و فخر تھی۔ جس نے اپنی لیاقت، متانت، ہمت و مردانگی۔ رحم و انصاف۔ عقل و فہم، عادات و اخلاق کی وجہ سے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی، مگر سب سے بہتر کی۔

یہ خاتون عقل و فراست اور فہم و سیاست میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ اکثر علوم سے کمال واقفیت رکھتی اور امور سلطنت میں بچپن سے ہی نہایت دلچسپی لیتی تھی بسا اوقات اپنے باپ کے زمانہ میں بعض اہم کاموں کو خود انجام دیتی تھی۔ باپ بھی اس کو دل سے چاہتا تھا اور اپنی سلطنت کا بہترین جانشین اپنے بعد رضیہ ہی کو تصور کرتا تھا۔

امرا نے جب یہ ارادہ بادشاہ کا دیکھا تو عرض کیا کہ جہاں پناہ۔ لڑکوں کی موجودگی میں ایک لڑکی کو تخت شاہی پر بٹھانا کسی طرح مناسب نہ ہوگا بادشاہ نے فرمایا کہ میں اپنے لڑکوں کو شراب خواری میں مبتلا دیکھتا ہوں اور کوئی مجھے ان میں سے اس قابل نظر نہیں آتا ہے کہ سلطنت کا بوجھ اٹھا سکے۔ رضیہ اگرچہ ظاہر میں عورت ہے۔ مگر اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک

سلہ ماخذ از تازیانہ

بہادر اور دلیر آدمی میں ہونی چاہئیں۔
الغرض ۱۲۳۶ء میں رضیہ تخت نشیں ہوئی۔ اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔
رضیہ سلطنت کے کاروبار کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہی۔ شجاعت اور بہادری کے دامن کو مرتے دم تک ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور اپنے آپ کو مردانہ ثابت کیا۔ مردانہ لباس پہنتی اور اپنی فوج کا خود معائنہ کیا کرتی تھی۔
ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا۔ لکھتا ہے "کہ رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔ شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا ہوا تھا۔ بیگمات پیچھے تھیں۔ ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا۔ اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی۔ تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا۔ لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے وار کیئے کہ شیر نیم جاں ہو کر گر پڑا۔
اگرچہ عورت ذات تھی، مگر تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیان دولت تک کانپتے تھے وہ شاہی لباس پہنکر دربار میں آتی تھی اُس نے آئین و قوانین سلطنت کو جو سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں متروک ہو چکے تھے۔ پھر نئے سرے سے جاری کیا اور کرم و عدالت کا دستر خوان بچھا دیا۔
مگر چند امرا و ارکین سلطنت ایک عورت کو تخت شاہی پر بیٹھے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔ حسد کی آگ نے اُن کو بھڑکایا اور یہ دیکھکر کہ اب انکا کوئی زور نہیں چلتا۔ مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔
انتظام الملک محمد جنیدی وزیر سلطنت ملک علاء الدین۔ ملک سیف الدین ملک اعزالدین۔ بغاوت کا جھنڈا بلند کیئے ہوئے اپنی فوجوں سمیت دہلی کے باہر پڑے ہوئے تھے۔ جو کوئی رضیہ کی مدد کے لیئے باہر سے آتا تھا۔ اسکو بھی اپنی طرف ملا لیتے تھے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں رضیہ نے اپنی بہادری، اور حسن تدبیر سے اُن کو ایسا پریشان کیا کہ بھرا گتے ہی بن پڑی اور کہیں پر

اُن کو پناہ نہ ملی آخر کار ہر ایک نے اپنے کیئے کی سزا پائی۔

۶۳۷ھ ہجری میں جب حاکم لاہور ملک اعزالدین نے رضیہ کی اطاعت سے منہ موڑا۔ اور باغی ہوگیا۔ تو خود فوج لیکر پہنچی۔ ملک اعزالدین نے چارناچار رضیہ کی اطاعت قبول کی اور شاہی امرا میں داخل ہوگیا۔ لاہور کی بغاوت کے بعد ہی بھٹنڈہ کے گورنر التونیہ نے جب سرکشی کی تو پھر ایک فوج کثیر لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہوئی۔ لیکن اس مرتبہ اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہوگئی اور قید کرکے قلعہ بھٹنڈہ میں بھیجدی گئی اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معزالدین بہرام شاہ کو لوگوں نے تخت شاہی پر بٹھا دیا۔

چند ایام قید میں گذار کر رضیہ نے التونیہ کو اپنے عقد میں قبول کیا اس کی مدد سے ایک فوج جرار لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوئی معزالدین نے بھی ایک لشکر انبوہ سلطان رضیہ کے مقابلہ میں بھیجا۔ مگر اب اس کا ستارہ گردش میں آچکا تھا۔ فتح و نصرت نے بھی رضیہ کا ساتھ چھوڑا۔ اور آخر کار شکست کھاکر بھٹنڈہ کو لوٹ گئی۔ غرضیکہ دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لئے لڑی۔ مگر چونکہ رضیہ کی کل فوج نئی بھرتی ہوئی تھی۔ متواتر شکست کھاتی رہی۔ زندگی کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ فتح ہوتی تو کیسے۔ آخر کار مقام کیتھلی کے گرد و نواح میں گرفتار ہوئی۔ اور اپنا نام ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں کندہ کرکے ۶۳۸ھ؁ میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ اور داعی اجل کو لبیک کہا۔

ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامیہ یونیورسٹی

از جناب حمید احمد صاحب انصاری رجسٹرار جامعہ عثمانیہ

یہ شرف جامعہ عثمانیہ ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ہند کی ایک مقبول اور

عام فہم زبان کو اعلیٰ ترین مدارج کی تعلیم کا ذریعہ بنایا ابتک کسی ذمہ دار اور ذی اقتدار جماعت نے اس بارے میں کوئی باقاعدہ اور مسلسل کوشش نہیں کی تھی گو اس میں شک نہیں کہ بعض ہمدرد اور پرجوش افراد نے وقتاً فوقتاً اس قسم کی کوششیں کیں مگر وہ بارآور نہ ہونے پائیں۔ اس لئے کہ کسی حکومت نے ان کی دستگیری نہ کی تھی۔ اور ان سہولتوں اور بے شمار ذرایع سے محروم رہے۔ جو صرف حکومت ہی کے اثر اور حمایت سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ حیدرآباد کا سب سے پہلے اس میدان میں قدم رکھنا محل تعجب نہیں۔ کیونکہ اس سلطنت ابدمدت کی تاریخی خصوصیات کچھ ایسی ہیں کہ اس کے ارباب حل وعقد یہ فضا محسوس کرسکتے تھے۔ کہ کسی ایسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا بیکار محض ہے جو اس کی تہذیب وتمدن اور روایات سے بالکل مغائر ہو۔

ڈیڑھ سو سال تک ہندوستان اس میں مبتلا رہا ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیمی روش کا یقین ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ جن کی نظروں میں اس کی دیرینہ تہذیب وتمدن کی بہت کم وقعت تھی۔ اور جن کا اعتقاد یہ تھا کہ اس کی نجات کا یہی ذریعہ ہے کہ عہد ماضی کی بالکل پروا نہ کی جائے۔ اور یورپی تمدن اور اہل یورپ کے معیار نیک دبد اختیار کرلئے جائیں۔ لہذا انگریزی نہ صرف اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بن گئی۔ بلکہ معمولی مدرسوں میں بھی ہمارے بچوں کو جانکاہی کے ساتھ رٹ رٹ کر وہ سب کچھ بیکار کرنا پڑا جسے وہ اپنی مادری زبانوں میں نہایت آسانی سے سیکھ سکتے تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں ہوسکتا کہ۔ یہ نظام تعلیم خواہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو مگر ہندوستانیوں کی ذہانت اور طباعی کے طفیل سے اس ناقص نظام سے بھی ملک کی ترقی پر عظیم الشان اثر پڑا ہے۔ اور اس تعلیم نے ایسے افراد پیدا کیئے ہیں۔ جن پر ہر ایک ملک فخر کرسکتا ہے۔ اور جو تحریکات اس سے وجود پذیر ہوئیں ان کا تو کوئی ذکر نہیں بایں ہمہ ایک غیر ملکی زبان کو اس بے دردانہ طریقہ پر کم عمر بچوں کے لئے بے حد ہولناک اتلاف ونقصان کا باعث ہوا ہے۔ شمار واعداد سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کہ جو لڑکے اینگلو ورنیکولر مدراس میں داخل

ہونے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ثانوی درجہ تک پہنچتے ہیں۔ اور ثانوی درجہ تک پہنچنے والوں میں سے یونیورسٹی کے نصاب کو کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچانے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔ پھر یہ چند خوش نصیب بھی اس اعتراض سے مبرا نہیں ہوتے کہ ان میں جدت وندرت مفقود ہوتی ہے۔ اور جو کچھ سیکھتے ہیں اسے جذب نہیں کر سکتے۔ پس سوچنا چاہئیے کہ اگر یورپ کے علوم وفنون ہندوستانی زبانوں میں قابل الحصول ہوتے اور ملک کے علوم قدیمہ کے ساتھ اس طرح آمیز کر دئیے جاتے کہ ان کے مفید اثرات عامتہ الناس تک پہنچ جاتے تو ترقی کی رفتار کتنی زیادہ تیز ہو جاتی۔

ہندوستانی ریاستیں حکومت ہند کی تعلیمی نظام کی حدود سے خارج تھیں اور وہ تعلیم کے ایسے نظم اختیار کر سکتی تھیں۔ جو ان کی ضرورتوں کے لئے زیادہ موزوں ہو سکتے مگر وہ اپنے نظم ونسق کی جملہ جزئیات میں برطانوی ہند کے طریقوں کی نقل کر رہی تھیں۔ اس لئے انہوں نے برطانوی مدارس کے نظم کو بھی اختیار کر لیا۔ حیدرآباد اس خصوص میں مستثنیٰ نہیں رہا۔ اور اپنے ملکی مدارس اور کالجوں میں نئی روح قوت پیدا کرنے کے بجائے حکام نے برطانی ہند کے طریق پر اینگلو ورنیکولر مدرسوں کا ایک جال ملک میں پھیلا دیا۔ اور یہ مدارس دارالسلطنت کے ایک کالج کے لئے طلبا مہیا کرنے کا کام دینے لگے جو جو اپنی جگہ پر مدراس یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا تھا۔ آگے بڑھنے کے قبل اتنا عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ حیدرآباد ایک خصوص میں برطانی ہند اور جنوبی ہند کی ہندوستانی ریاستوں سے مختلف ہے۔ یعنی یہاں سرکاری زبان انگریزی کی بجائے اردو ہے اور اس لئے جو لوگ اس سلطنت میں انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ تعلیم ملازمت سرکاری میں داخل ہونے کے لئے اس درجہ باعث ترغیب نہیں تھی۔ جیسی برطانی ہند میں تھی یہ تو ذیل نظم یہاں عرصہ تک قائم رہا۔ مگر اس سے کوئی نمایاں وہمت افزا نتیجہ نہ نکلا۔ کیونکہ ڈگری حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور ان میں سے شاید کسی نے بھی دنیائے علم وادب اور مملکت کے نظم ونسق میں کوئی نام

نمود حاصل نہیں کیا۔ جس زمانہ میں سلطنت کی تعلیمی حالت اسقدر پست تھی۔ خوش قسمتی سے سر اکبر حیدری
کی خدمات اسے حاصل ہوگئیں۔ آپ کا تعلق اگرچہ براہ راست تعلیم سے کبھی نہیں رہا۔ مگر آپ کو
قومی ترقی کے لئے تعلیم کے امکانات پر قوی یقین تھا اور ہمیشہ اپنا اثر تعلیم کو آگے بڑھانے میں
صرف کرتے تھے۔ معتمد فینانس کی حیثیت سے آپ وسعت تعلیم کی تجاویز کے لئے ضروری مالی مدد
کا ہمیشہ سامان کرتے رہے۔ بعد میں آپ سرکار عالی کے محکمہ عدالت و امور عامہ کے معتمد
مقرر ہو گئے اور چونکہ تعلیمات کی نگرانی بھی اس محکمہ سے متعلق تھی اس لئے اس حیثیت
سے آپ کو تعلیمی مسائل سے براہ راست تعلق ہو گیا۔ حکومت ہند کے سابق کمشنر تعلیمات
مسٹر اے جے ہیو کی مدد سے آپنے اس سلطنت ابد قرار کی تعلیمی حالت کی پوری پوری
تحقیقات کرائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محکمہ تعلیمات کی بالکل از سر نو تنظیم ہوئی۔ اور اس کی
خوبی کار میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کی طرف جس کی حالت
کیفیت و کمیت دونوں کے اعتبار سے ابتر تھی۔ اپنی توجہ منعطف کی اور بہت غور و فکر
کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حیدر آباد کی خاص سیاسی و تمدنی حالت کے اعتبار سے
اس سلطنت میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم نہ ہونا چاہئے۔ اور آیندہ یہاں کے تعلیمی نظام پر مدراس
یونیورسٹی کی سی بیرونی جماعت کا اقتدار قائم نہ رہنا چاہئے۔ بنا ءً علیہ آپ نے اس موضوع پر
ایک یادداشت پیش کی۔ اور یہ سفارش کی کہ اس سلطنت میں ایک تعلیم دینے والی یونیورسٹی
قائم کی جائے۔ جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو اس وقت یعنی ۱۹۱۷ء میں انگریزی کے بجائے
اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دینا ایک انقلاب آفریں خیال تھا۔ ہمارے روشن خیال فرمانروا
اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ نے اپنی مدبرانہ دور اندیشی سے بلا تامل و توقف اس تجویز کی سودمندی
کا ادراک فرما لیا۔ اور ایک ایسے جامعہ کے معرض وجود میں لانے کے لئے فرمان واجب الاذعان
صادر فرما دیا۔ جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو۔ مگر انگریزی بہ حیثیت زبان ثانی کے لازمی ہو
اور انگریزی کا معیار تقریباً وہی ہو جو دوسری یونیورسٹیوں میں ہے۔

اس سلطنت ابد قرار میں متعدد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مگر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے
کی وجہ یہ تھی کہ صرف یہی ایک زبان ایسی ہے جو اعلیٰ و اوسط طبقات میں زیادہ تر
مروج ہے۔ تقریباً تمام خواندہ اشخاص اردو سہولت کے ساتھ لکھ پڑھ سکتے
ہیں اردو اور فارسی ادب ہندو اہل علم بھی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور ان زبانوں کے نامی
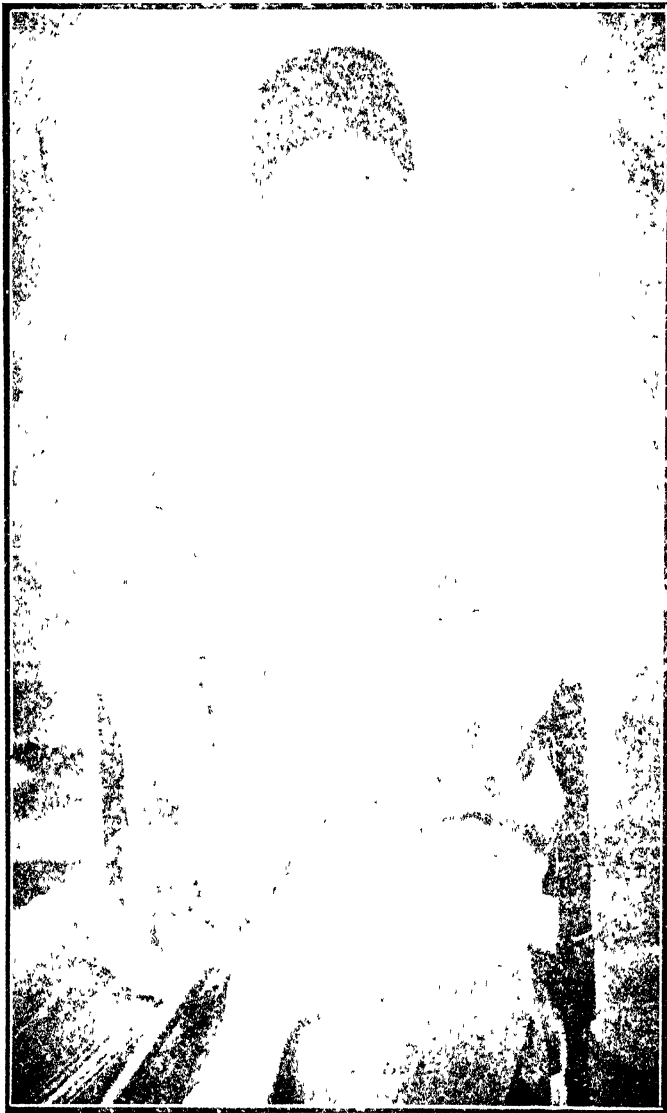
نواب امامت جنگ معز الدولہ بہادر

شعرا میں ان کی معقول تعداد ہے۔ اب حکومت سرکار عالی کے موجودہ صدر اعظم اور ہمارے امیر جامعہ مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر جی سی۔ آئی۔ ای کی ذات سے اس علمی روایت کو اب بھی شرف امتیاز حاصل ہے اور جناب ممدوح کا شمار ہندوستان کے موجود الوقت اردو شعراء کی صف اول میں ہے۔

مصلح کی راہ میں ہمیشہ دشواریاں درپیش رہتی ہیں۔ خاص کر اس وقت جب کہ اس کے پیش کردہ اصلاح جدت آمیز یا انقلابی نوعیت کی ہو کیونکہ جن لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ نفع اٹھانے کی توقع ہوتی ہے۔ وہی اس مجوزہ تغیر کے سب سے شدید مخالف ہوتے ہیں سر اکبر حیدری ہی کے تیقن۔ تحمل اور جرأت کے شخص کا کام تھا۔ کہ مخالفت کے تموج کو پلٹ دیا۔ اور اتمام کار اس کو رانہ اور گونہ خود غرضانہ مخالفت پر حق و انصاف غالب آگیا۔ اس جدوجہد میں سر اکبر حیدری کو دو ایسے اصحاب کی سرگرم تائید حاصل تھی جو اسلامی تعلیمی حلقوں میں کافی واقعی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک ان میں سے نواب مسعود جنگ بہادر تھے۔ جو ایک مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے نائب امیر جامعہ رہے۔ اور دوسرے نواب صدر یار جنگ بہادر تھے۔ جو عرصہ دراز سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے معتمد اور اس کی روح رواں ہیں۔

جامعہ نے اپنا کام ۱۹۱۸ء میں اس طرح شروع کیا کہ اولاً شعبہ تالیف و ترجمہ قائم کیا جس میں مولوی عبدالحق صاحب کے تحت جن سے اردو ادبیات کے تمام شیدا واقف ہیں مختلف مضامین کے لئے آٹھ قابل مترجم مقرر ہوئے اس شعبہ کا کام یہ ہے کہ تمام جامعات میں عام طور پر جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان کے لئے اردو میں کتب نصاب مہیا کرے۔ پہلے انٹرمیڈیٹ کی کتابوں کا کام شروع ہوا اور ایک برس کے اندر یہ مکمل ہو گیا۔ کہ اگست ۱۹۱۹ء میں فنون اور سائنس کی سال اول کی تعلیم کا افتتاح ہو جائے۔ ترجمہ کا کام اب بھی جاری ہے اور جن مستند کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ یا ہو رہے ہیں۔ یا زیر طبع ہیں۔ ان کی تعداد ۲۱۸ ہے۔ اعداد ذیل سے یہ معلوم ہو سکے گا۔ کہ کس مضمون پر کتنی جلدیں ہیں۔

تاریخ ہند۔ ۲۴۔ تاریخ یورپ۔ ۳۵۔ تاریخ اسلامی۔ ۲۵۔ جغرافیہ۔ ۵ علم السیاست و تاریخ دستوری۔ ۱۷۔ معاشیات۔ ۱۳۔ فلسفہ۔ ۴۱۔ قانون۔ ۱۲۔ ریاضی۔ ۲۵۔ طبیعیات ۲۱۔ کیمیا۔ ۱۷۔ حیاتیات۔ ۷۔ طب۔ ۲۱۔ انجنیری ۲۳۔ مصطلحات جلد ۲ = ۲۱۸

اردو میں متعدد بلند پایہ اور مختلف النوع کتابیں موجود ہیں۔ مگر چونکہ اس سے

قبل کبھی باقاعدہ طور پر اس زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ اس لئے یونیورسٹیوں میں
جس قدر مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان سب کے لئے کتابیں ترجمہ کرنی پڑیں۔ اس سے قبل
صرف قدیم دہلی کالج میں جو ۱۸۵۷ء کے دور تک واقعات کے بعد بند کر دیا گیا۔ اردو کے ذریعہ
سے مغربی علوم کی تعلیم کی کوشش کی گئی تھی۔ اور بعض طبی مدارس میں ابتدائی تعلیم اردو میں ہوتی تھی
ترجمے کے کام میں پہلا مرحلہ ان اصطلاحات کا پیش آیا جن کے مرادف الفاظ اس وقت تک اردو
میں موجود نہ تھے کچھ ترغیب یہ ہوئی۔ کہ انگریزی کتابوں میں جو اصطلاحات مستعمل ہیں انھیں بجنسہ
اختیار کر لیا جائے۔ مگر طولانی بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ علمی اصطلاحات اردو
میں وضع کئے جائیں۔ اس میں صرف ایک استثنا رکیمیا کے معاملہ میں ہوا۔ یعنی اس مضمون کے
میں بین الاقوامی الفاظ مصطلحہ برقرار رکھے گئے۔ مختلف مضامین کے لئے مجالس وضع اصطلاحات
مقرر کی گئیں۔ جن میں ان مضامین کے ماہرین اور ایسے قدیم تعلیم یافتہ اشخاص شامل
تھے جنھوں نے عربی علوم کا مطالعہ کیا تھا اور جو انگریزی علمی اصطلاحات کے لئے موزوں و مناسب
عربی و فارسی یا ہندی مرادف الفاظ تجویز کر سکتے تھے۔ کام کی کثرت تھی اس لئے بہت
سی اہم کتابیں اجرت پر ترجمہ کے لئے دیدی گئیں۔ جامعہ اپنے اس شعبہ پر اب ڈھائی
لاکھ سالانہ سے زیادہ صرف کر رہا ہے اور وہ نہ صرف اپنے طلبہ کو کتب نصاب مہیا
کر سکتا ہے بلکہ اس نے جدید علوم و فنون میں مستند کتابوں کا اضافہ کرکے اردو علم و ادب
کو مالا مال کر دیا ہے۔ اس سے پنجاب صوبجات متحدہ۔ بہار۔ وسط ہند اور حیدرآباد کے
اردو بولنے والوں کے لئے علوم کا ایک نیا راستہ کھل گیا ہے۔ اور یہ پہلا موقعہ ہے کہ ان
اردو بولنے والوں کو تاریخ علم السیاست دستوری تاریخ اور قانون کی اعلیٰ کتابوں پر براہ
راست دسترس حاصل ہوا ہے۔ ملک کی موجودہ حالت میں جبکہ وہ ایک عظیم الشان دستوری
تغیر کے زینہ پر قدم رکھنا چاہتا ہے۔ ان کتابوں کی اہمیت میں مبالغہ کو دخل نہیں ہو سکتا گو
تمام افراد قوم کو حق رائے دہی ہماری زندگی میں حاصل نہ ہو۔ لیکن اگر حکومت ہند کے مراسلہ
در بارہ مسئلہ دستوری کی سفارشوں کے بموجب دس فیصدی آبادی کو حق رائے دہی عطا کیا جائے
تو ان کی تعداد برطانوی ہند میں ڈھائی کروڑ کے قریب ہوگی ان انتخاب کنندگان کو جو آئندہ
ہمارے آقا ہونے والے ہیں۔ تعلیم دینا ہمارا فرض ہے اور جب تک کہ ہم خود اپنی زبانوں
میں ان کے لئے تاریخ و سیاست کی کتابیں نہ مہیا کریں گے۔ اس وقت تک ان سے

یہ توقع دشوار ہے کہ وہ اپنے فرائض موثر طریق پر انجام دے سکیں گے۔ کیونکہ ان انتخاب کنندگان میں انگریزی داں بہت کم ہوں گے۔ اس بارے میں ہماری ساعی ان صوبوں کے تعلیمی حکام کے لئے بھی مدد ومعاون ثابت ہونگی۔ جن میں یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ اردو یا ہندی کو ذریعہ تعلیم بنادیا جائے۔ کیونکہ وہ ہماری اردو کتابوں کو استعمال کرسکیں گے اور اگر وہ اصطلاحات کے استعمال سے متفق ہوجائیں۔ تو بادنیٰ تغیر یہ کتابیں ہندی میں مبدل ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان ہوچکا ہے جامعہ نے حقیقی تعلیمی کام کا آغاز اگست ۱۹۱۹ء میں فنون سائنس اور دینیات کی سال اول کی جماعتوں سے کیا۔ جن میں تقریباً سَو طالب علم تھے اعلےٰ جماعتوں کا اضافہ سال بسال ہوتا رہا تاآنکہ ۱۹۲۳ء میں پہلی مرتبہ بی اے کا اور ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ ایم اے۔ اور ایل ایل بی کے امتحانات ہوئے۔ طلبا کا داخلہ برابر بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس وقت جامعہ کے مختلف کلیات میں تقریباً نو سو طالب علم ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے علاوہ جس میں ایم اے تک فنون اور دینیات میں اور ایم ایس سی تک سائنس میں اور ایل ایل بی تک قانون میں تعلیم ہوتی ہے۔

میڈیکل کالج اور انجنیرنگ کالج بھی ہیں۔ جن میں بلند ترین درجوں تک اردو میں تعلیم ہوتی ہے۔ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک زنانہ کالج قائم کیا گیا ہے۔ جس کا کل عملہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ اور جس میں انٹرمیڈیٹ اور بی اے تک تعلیم ہوتی ہے۔ ٹیکنالوجی کے لئے حال ہی میں ایک مجلس شعبہ قائم ہوئی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہی کہ دارالضرب اور محکمہ برقی کے وسیع کارخانوں کے سلسلہ میں ٹیکنالوجی کل کالج قائم ہوجائے۔

۔ زراعت کے ایک کالج کے قائم کرنے کی تجویز بھی زیر غور ہے اور امید ہے کہ محکمہ زراعت کے اتحاد عمل کے ساتھ کالج عنقریب وجود میں آجائیگا۔

ایک کالج گریجویٹ معلین کے لئے ہے اور تین انٹرمیڈیٹ کالج ہیں جو عثمانیہ یونیورسٹی کالج اور فنی اوادارات کے لئے طلبا کے مہیا کرنے کا کام دیتے ہیں جامعہ کے زیر نگرانی دو اور قابل امتیاز ادارات ہیں جن کا ذکر بھی یہاں ہونا ضروری ہے۔ ایک ان میں سے دائرۃ المعارف ہے۔ جس کا خاص کام یہ ہے کہ قدیم عربی کتابوں کو طبع کرے۔ یورپ اور ممالک اسلامیہ کے علما اس کی ثناو توصیف میں رطب اللسان ہیں کہ اس نے وہ اہم عربی کتابیں چھاپ کر شایع کردی ہیں۔ جو اب تک کہیں طبع نہیں ہوئی تھیں۔

دوسرا ادارہ رصدخانہ نظامیہ ہے جسے سیاحان حیدرآباد ہمیشہ قابل دید سمجھتے ہیں یہ رصدخانہ اس عظیم الشان بین الاقوامی خدمت میں شریک عمل ہے جو .... کے نام سے مشہور ہے۔

ذیل میں وہ رقوم درج ہیں۔ جو سرکاری سال رواں کے اخراجات کے لئے موازنہ میں منظور ہوئی ہیں۔ ان رقوم سے جامعہ کے کام اور اس کی وسعت عمل کا اندازہ ہوسکے گا۔

دفتر مجلس (رجسٹرار)	۱۰۸۴۵۵	؍؍	عثمانیہ یونیورسٹی کالج	۶۶۷۵۲۱
شعبہ تالیف و ترجمہ	۲۶۰۱۹۰	؍؍	مطبع جامعہ	۱۱۹۹۰۹
انٹرمیڈیٹ کالج حیدرآباد	۵۰۵۹۲	؍؍	انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد	۴۷۶۳۰
میڈیکل کالج	۱۳۶۶۴۵	؍؍	انجنیرنگ کالج	۱۷۲۶۸۴
زنانہ کالج	۲۷۲۹۵	؍؍	انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل	۲۵۹۴۶
ٹریننگ کالج	۱۹۳۱۲	؍؍	رصدخانہ نظامیہ	۳۹۶۷۵
			سکہ عثمانیہ	۱۶۷۵۸۵۴
			معادل سکہ انگریزی	۱۴۳۶۴۲۶

جامعہ اپنے طلبا کی روحانی و جسمانی ترقی و اصلاح کی طرف غافل نہیں رہی ہے دینیات اور اخلاقیات کے مضامین بی اے تک کے تمام طلبہ کے لئے لازمی ہیں ورزش اور جسمانی تربیت کا خاص لحاظ ہے اور ہر طرح کے مردانہ کھیلوں کے لئے وسیع پیمانہ پر معقول انتظامات کئے گئے ہیں۔ ایک امریکی ماہر فن جسمانی تربیت کے لئے مقرر کیا گیا ہے جو کشتی بازی کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جامعہ کی سفارش پر اس کے ایک طالب علم مسٹر شفیع کو انگلستان جانے میں مدد دی گئی ہے اور انھوں نے دیر تک پانی میں رہنے کے متعلق دنیا کے تمام سابقہ کارناموں کو شکست دے کر امتیاز حاصل کیا ہے۔ جامعہ کی ایک ترقی پذیر یونیورسٹی ٹیری ٹوریل کور بھی ہے۔ جو اس وقت ڈیڑھ سو طلبہ پر مشتمل ہے۔

آخر میں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ اس جامعہ میں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ اور انگریزی کو ثانوی حیثیت حاصل ہے مگر اس کی اسناد کو حکومت ہند نے انڈین سول سروس اور دوسرے امتحانات مقابلہ کے لئے تسلیم کر لیا ہے اکثر ہندوستانی و برطانی جامعات نے ان اسناد کو باضابطہ تسلیم کیا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا ہے۔

تو اس جامعہ کے طلبار کو خود ان طلبار کی قابلیت کے لحاظ سے اعلے جامعتوں میں داخل کیا ہے۔ ان طلبار میں اکثر نے ان جامعات میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔
آخری مثال سائنس کے ایک گریجویٹ کی ہے جس نے لندن یونیورسٹی میں اول درجہ کے اعزاز کے ساتھ بی۔ ایس۔ سی کی سند انجنیرنگ میں حاصل کی ہے ۔

مراسم آداب

(از جنابہ بیگم سید ذوالفقار علی خانصاحب الوری)

(ہماری خواتین کے آداب پر ایک غیر ملکی خاتون کا تبصرہ)

شنبہ ۱۰ آبان سنہ حال کو میں زنانہ کالج میں جہاں مجھے اپنے لڑکیوں کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ سیل ہونے والا ہے گئی تھی۔ اس لئے نہیں کہ مجھے کچھ خریدنا تھا۔ یا عورتوں کے زرق برق پوشاکوں کو دیکھنا۔ یا ان میں سے کسی سے ملنا مقصود تھا۔ نہیں بلکہ شہزادی صاحبہ درشہوار کی دیدار سے مشرف ہونا مقصود تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ سابقہ خلیفۃ المسلمین سلطان ٹرکی کی صاحبزادی ہیں اور دوسری طرف وہ تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی بہو بیگم ہیں۔ میں اپنی لڑکیوں کے ساتھ جہاں تمام عورتیں صف باندھے کھڑی ہوئی تھیں خیر مقدم کے لئے کھڑی ہوگئی۔ اتنے بڑے مجمع میں جو خاص بات مجھے نظر آئی یہ تھی کہ کسی بیوی کا سر ڈھکا ہوا نہیں تھا۔ حالانکہ ہندوستان میں یہ عام بات ہے مردوں کا ٹوپی پہن لینا اور عورتوں کا سر ڈھانک لینا کسی بزرگ یا بڑے آدمی کی موجودگی میں اظہار عقیدت کے طور پر ہوا کرتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں تو عام محفلوں میں بھی کھلے سر رہنا معیوب خیال کیا جاتا ہے اور بہو بیٹیاں میکے سسرال میں ہر بزرگ کے

اور صاحب اخلاق و تمیز بی بیاں ہر بڑے جلسوں میں بھی سر پر آنچل رکھتی ہیں۔ مگر معلوم نہیں دکن میں کیوں سر ڈھانکنے کا رواج اس قدر کم ہے۔ حالانکہ تین گز کے بجائے چھ گز کا دوپٹہ اوڑھا جاتا ہے۔ یہ یقیناً مغربی طرز کی تعلیم کا باعث ہوگا یہ موقع یعنی حضرتہ شہزادی صاحبہ کے استقبال کا ایسا تھا کہ ہر بی بی کو تعظیماً سر ڈھانک لینا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہہ نہیں سکتی کہ سب نے لاپروائی سے کام لیا سوائے اس کے کسی کا اس طرف خیال ہی نہ گیا کہ عام وقت اور خاص وقت میں کچھ تخصیص ہونی چاہئے۔

لطف یہ ہے کہ حضرتہ شہزادی صاحبہ کا سر بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ اور تمام جسم اس طرح ساری میں ملبوس تھا۔ میں یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ وہ کانوں گلے اور ہاتھوں میں کیا زیورات پہنی ہوئی ہیں۔ حالانکہ چار یا پانچ گھنٹے قیام رہا قابل غور یہ امر ہے کہ باوجود اس مجمع میں ان کی شخصیت سب سے ارفع و اعلےٰ تھی۔ اور سر ڈھکا رکھنا ان کے لئے کوئی ضروری نہ تھا۔ دوسرے یورپین ممالک میں وہ قیام بھی فرما چکی ہیں۔ نئی روشنی اور انگریزی تہذیب سے بھی خوب واقف ہیں۔ پھر بھی شہزادی صاحبہ نے اسلامی آداب محفل کا اتنا خیال رکھا۔ جو بالکل غیر معمولی بات تھی دوسری بات یہ کہ رخصت ہوتے وقت میں صف میں کھڑی ہوئی تھی جبکہ شہزادی صاحبہ کو سینکڑوں عورتوں میں سے دو چار نے سیدھے کھڑے سلام کیا۔ حالانکہ سارا مجمع سلام کرتے وقت تعظیماً اگر جھک جاتا تو یہ علیہ محترمہ کے شایاں تھا بہرحال شہزادی صاحبہ نہایت خندہ پیشانی سے جس نے سلام کیا اس کا جواب دیتے ہوئے رخصت ہوئیں اگرچہ گرمی اور عورتوں کی کثرت تھی اور وقت بھی کافی ہو چکا تھا۔ مگر انھوں نے شرماتی مسکراتی مطئین اور پر وقار نظروں سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ بلحاظ اعلیٰ صفات شاہزادی ہیں، پروردگار ایسی نمونہ روزگار ہستیوں کو خوش و خرم اور تا دیر سلامت رکھے ؎

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

آخر میں میری استدعا ہے کہ ایسے موقعوں پر منتظمان جلسہ کی طرف سے فہمائش ہونی چاہیئے کہ سب عورتیں سر ڈھانک لیں۔ یا سلام کرتے وقت تعظیماً جھک جائیں فقط

مجموعہ غزلیاتِ فارسی

کہ بہ سرپرستی ہز اکسیلنسی جی آر اجایاں سرکشن پرشاہ بہادر آبہادر ﷲ یمین السلطنت و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
در مشاعرۂ خصوصی منعقدۂ ایوانِ شاد

خوانده شد

بحکم ہز اکسیلنسی صدر اعظم بہادر

باہتمام

اختر قریشی مدیر مجلہ علمیہ سفینۂ نسوان حیدرآباد دکن

در

شمس المطابع مشین پریس طبع شد

غزل

نتیجہ فکر ہز اکسلینسی راجہ راجایانِ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

در شب ہجر چہ اندیشۂ محشر دارم ⁂ شور فریاد ہمان است کہ در سر دارم

سوز پنہان کہ بسودائے تو در سر دارم ⁂ سینہ آتشکدہ و دل چو سمندر دارم

محتسب بر در میخانہ نشست ست چہ باک ⁂ بشکنم توبہ و مہر از سر خم بردارم

آنکہ منصور سرافرازی و خوش بختی بود ⁂ بر سر خویش ز الطاف پیمبر دارم

بچہ کارست ندانم نہ خط آورد نبرد ⁂ چند امید ز پروانہ کبوتر دارم

جلوۂ روئے دل افروز ترا می بینیم ⁂ روز و شب در بر خود ماہ منور دارم

اندرین بزم چسان بذلہ فشان ست آتش ⁂ جام مے از لب آن قند مکرر دارم

مدح ابروئے تو گویم صفت چشم کنم ⁂ من ہمانم بزبان دشنہ و خنجر دارم

طالعم بین کہ نشستم بدر خلوت دوست ⁂ تخت جم دارم و ہم بخت سکندر دارم

پاسبان را نشناسم نہ کسے دیگر را ⁂ بر در دیر و حرم بالش و بستر دارم

در شب ہجر خیال مژہ ات پیکانند ⁂ بر سر سوز جگر منت نشتر دارم

باب علم نبوی ہست علی عالی ⁂ اے خوش آندم کہ ہوائے در حیدر دارم

مشکلے نیست رسیدن بحقیقت شاد

گر سر صحبت سلمان و ابوذر دارم

آلمؔ - جناب ڈاکٹر مہدی حسین صاحب

رنج بیحد ز فراق بت دلبر دارم — بہتر آنست کزیں تبکدہ دلبر دارم

جز ہو الحق نہ صدائی ز گلویم خیزد — ہمچو منصور اگر عشق کشد بر دارم

حاش للہ خبرم نیست ز دنیا و ز دیں — بارک اللہ چہ سودائے تو در سر دارم

رفعت چرخ بریں در نظرم چیزی نیست — طائر سدرہ صفت بازو و شہپر دارم

گردشی حسب مرادم ننمودی ہرگز — شکوہ اے بخت ز تو بیحد و بے مر دارم

اے برہمن بہ بتانت نہ برم سجدہ کہ من — از ازل بہر پرستش بت دیگر دارم

مشربم را چہ کنی فحص کہ من اے زاہد — بیعت پیر خم و ساقی کوثر دارم

سالکان رہ مقصود سر راہ طلب — پیرو من ہمہ ہستند کہ من سر دارم

گوشۂ چشم سوختہ دلاں گاہ نہ کرد — من چہ امید از اں چشم فسونگر دارم

شب تاریک من از روز بود روشن تر — متصور رخ آں رشک مہ و خور دارم

در برم ہست بت گلبدن نورس و شوخ — شیشہ و جام پر از بادۂ احمر دارم

اے آلمؔ نغز و پسندیدہ کلامم گردید
صحبت شعر چو با شاہ سخن ور دارم

داعیؔ - جناب آقائی سید محمد علی صاحب مؤلف فرہنگ نظام

با مداوان ہوس کوچۂ دلبر دارم — باز امروز خدایا چہ مقدر دارم

تا چہ رنگ دگر ایں چرخ کبود آمیزد — بار رخ رز دو بکف بادۂ احمر دارم

پردہ از راز بر افتاد کجائی منصور — در دو دار تو کنون بر سر منبر دارم

خوشدلی مایۂ عمر است و غم از خود خواہی است — ہر چہ در میکدہ خواندم ہمہ از بر دارم

گفتی آزار رقیباں ز تو نبود بنشین — از تو اے عہد شکن شکوۂ دیگر دارم

دستگیری نہ پسندم ز کس و دلجوئی | باشم افتادہ ۔ دل و دست توانگر دارم
حال ماضی سراسر غم من روشن کرد | کہ چہ مستقبل تاریک ز اختر دارم
دل ز عشق تو کنوں حاکم ہر عضو تن است | چوں توانم نگہ چشم ز تو بر دارم

مقطع
आस नारिमन् देखो पराश्चपाःदाड़ी
अध आदीकुस्लेराक्ष सा हास्म॥

ذکی :۔ جناب محمد عبد السلام صاحب

داغ دل خنداں زناں بر شہ خاور دارم | سکۂ عشق فسوں ساز تو بر زر دارم
گر دہد دست مرا نقد وصال تو شبے | دست از سود و زیان دو جہاں بر دارم
مور بودم شدم از عشق سلیمان جہاں | گرچہ بر فرق نہ اکلیل نہ افسر دارم
می پرم ہمچو کبوتر بہ ہوائے رخ تو | گرچہ در بازوئے پرواز نہ شہپر دارم
ہست تخریب بہ تعمیر جہان گزراں | برق در خرمن جان است کہ مضمر دارم
کیف مستی نہ دہد جام بہ ہر جا زاہد | کہ من ایں جام پُر از بادۂ کوثر دارم
بیکسی من بے چارہ رسانید بہ شاہ | چشم بد دور بہ بینید چہ اختر دارم
گرچہ من نابلد از غفلت خویشم لیکن | خندہ بر غفلت درویش و توانگر دارم
ہمہ جا پرتوے یار است چہ مسجد چہ کنشت | گفتگوئے مے و معشوق بہ منبر دارم
قطرہائے عرق شرم گنہ بہ جبیں | از گہرہائے گرانمایہ نہ کمتر دارم
من نہ کردم بجہاں ہیچ گناہے از خود | بس ہمیں معذرت آدا ور محشر دارم
رندیم گرچہ شعار است و شارات ایماں | جامۂ صوف نہ دامنِ دیگر دارم
گاہ چوں شمع بہ ہجران تو سوزم ہمہ شب | گہہ چو پروانہ سر باختنِ سر دارم

اے ذکی بر در آں شوخ ستمگر ۔ سیما
در خور شان جبیں سائی ایں در دارم

طلعت: جناب طلعت یزدی صاحب

عاشقِ عشقم و دل در کفِ دلبر دارم — عقل از این پیشه و اندیشه که دلبر دارم

نه سرِ واعظ شهر و سرِ منبر دارم — نه مجالی که سر از پای تو من بر دارم

باغبان فصل بهار آمد و بیحد هوسی — به تماشای گل و سرو و صنوبر دارم

یک بغل سنبل و یک خرمن گل زان رخ و زلف — هم از آن قدّ رسا نخل ثمرور دارم

ای رقیبی که نصیبی ز خور و نیست ترا — دل چو آئینه ز روی تو مکدر دارم

هردم ای دیده چه بینی تو لب خشک مرا — دامنم بین که بخوناب جگر تر دارم

جرات آنگونه رسیده است بسر حد کمال — کز لبانت هوس بوسه مکرّر دارم

گوش جان تا صدفِ گوهرِ گفتار تو شد — طبعی آزاد و دلی شاد و توانگر دارم

فتنهٔ چشم و بلای سر زلف و غم دل — این همه بار از آن دار ثمرور دارم

مطرب از گفته شادار دل من شاد کنی — گوش جان وقت سماع از دگران کر دارم

حق گواه است که از دیدنش شادم و دلشاد — هم ز گفتار خوشش قند مکرر دارم

طالب یارم و چون طلعت یزدی بدکن
سالها دست دعا بر در داور دارم !

فخر: جناب میرزا محمد رحیم خان صاحب شیرازی

دیده از نرگس چشم تو چسان بردارم — که دل و روح بدستِ تو فسونگر دارم

با چنین حال که از دوری دلبر دارم — باید امید از این بعد ز دل بر دارم

بت پرستی نبود شیوهٔ مرضیه، ولی — چکنم دل بکف آن بت کافر دارم

پشتم از بار غم هجر شکستی و هنوز — آرزو میکنم این بار بسر بر دارم

دستم از بر سر زلفت نرسد غم نبود — که گرفتار کمندت دل و هم سر دارم

آه و زاری نکنم گر ز فراقت چکنم — به چه مصروف ز هجرت دل مضطر دارم

منکه در عشق تو رسوائے جهانی شده ام — چه غم از طعنهٔ درویش و توانگر دارم

پیش لعل لب چوں آب حیاتت جانا — ابلهم گر هوس زمزم و کوثر دارم

مژده زاں طرهٔ طرار ده اے باد صبا — تا مشام دل ازاں مژده معطر دارم

سجده بر قبلهٔ ابروے تو کردم اے دوست — تا نگویند که من قبلهٔ دیگر دارم!

کشتن عاشق بیچاره حلال است اگر — بکش اینک که بخاک قدمت سر دارم

سرخ رو در نظر اہل نظر خواهم شد — چهرهٔ خویش گر از خون گلو تر دارم

همچو منصور زنم بانگ اناالحق ای دوست — گر بجرمانهٔ عشقت بکشی بر دارم!!

فرخ از تشنگی روز قیامت غم نیست
زانکه چشم کرم از ساقیِ کوثر دارم

کامل: جناب محمد عبد اللہ خاں صاحب

من نه آنم که سر از سنگ درش بردارم — کز پئے آرزوے خویش همیں در دارم

تیغ بر کش که سر از دوش رهائی یابد — سالها رفت که ایں ولوله در سر دارم

آب در دیده آتش بجگر آه بلب — ایں همه فیض از آں چشم فسونگر دارم

نیش بر نیش بزخم دل بیتاب شکست — منت تازه ز بشکستن نشتر دارم

من ز جور تو به پیچم سر تسلیم و رضا — حیف گر شکوهٔ از داور محشر دارم

با من اے ترک پریچهره میامیز که من — از مژه تیر و از ابروے تو خنجر دارم

نگه از جلوهٔ حسن تو چناں ذوق برد — خیرگی از نظر مهر منور دارم

هر نفس از نگه مست تو میخانه بدل — هردم از یاد تو بر لب لب ساغر دارم

منت چرخ نه دارم چو مه من بمنت — میل من سوے صدف نیست که گوهر دارم

شکوه از باد صبای نه کنم بهر شمیم — منکه جا در شکن زلف معنبر دارم

زہدِ چل سالہ بہ یک شیوہ بتاراج برود | کافرم گر ہوس آں بتِ کافر دارم
بینوا باشم و با برگ و نوا کارم نیست | مفلسم لیک دل خویش توانگر دارم
در جہانِ سخن امروز تمام سخنم" | خوش خطابیست کہ از شاہ (خلد اللہ ملکہ) سخنور دارم

کاملؔ ایں کیف فزوں است ز اندازہ مئے
سرخوشی از قدحِ ساقیٔ کوثر دارم

مفتونؔ :۔ جنابِ فصیح اللہ صاحب یزدی

خون دل در عوض راح بساغر دارم | بخیال تو کہ من بادۂ احمر دارم!
اگر از پردہ برون دختر از می آمد | عرق خوی میشد از ایں ملکہ بساغر دارم
تو پس پردہ نہانی و جہانی حیراں | کہ شب تار چساں خانہ منور دارم
بزلیخا نتواں گفت کہ از یوسف تو | من تہی سیمبر از ماہ نکوتر دارم
من کیم ہیچ ندانستہ ام از جہل دریغ | روز و شب لافِ من و مائی بہر در دارم
گر ندارم کلہ و کفش و زر و سیم چہ باک | دل چوں بحر بہر کار توانگر دارم
ظلم بر من کند از چرخ جوی چہ باک | داورس شاہ ہمین صد ہنر و در دارم
شاد اگر گوشۂ چشمی بہ نماید از مہر | چہ غم از طعنۂ اغیار ستمگر دارم

از تو ای چرخ گہی شکوہ ندارد مفتونؔ
کی پس از ترک بسر فکر مقدر دارم

سعیدیہ ہوٹل
نامپلی اسٹیشن روڈ (حیدرآباد دکن)
ہمارا ہوٹل مملکت آصفیہ حیدرآباد دکن میں ایک عرصۂ دراز سے
قائم ہے اور لذیذ انواع و اقسام کے کھانوں کی وجہ سے مشہور
مقبول عام ہو چکا ہے کیک۔ بسکٹ۔ پیسٹری اور کرسمس کیک
اور وٹرنگ وغیرہ کا معقول انتظام کیا گیا ہے۔ ایک وقت آرڈر دیکر
پروپرائٹر کو ممنون فرمائیں اور ہر قسم کے کھانے۔ مغلائی اور انگریزی
خاص اہتمام اور نہایت صفائی کے ساتھ تیار کئے جاتے ہیں اور آرڈر پر
انگریزی ڈنر و ایٹ ہوم کا بھی انتظام کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی تقاریب
کے پخت و پز کا صرف تین ۳ گھنٹے قبل آرڈر دینے پر مقام مقررہ پر نہایت
کفایت اور اہتمام کے ساتھ اشیا آرڈر پہنچا دیئے جائیں گے۔ مسافروں کیلئے
رہائش کا بھی معقول انتظام ہے حیدرآباد نامپلی ریلوے اسٹیشن کے بالکل
قریب کمرے ہوادار صاف ستھرے عمدہ فرنیچر اور برقی لائٹ اور پنکھوں سے آراستہ
بہر خوبی کرایہ بھی نہایت ارزاں ہے ہوٹل سے باسلیقہ ملازمین مسافرین کی خدمت
کے لئے ہر وقت حاضر رہتے ہیں مسافرین کی آرام و آسائش کا کافی انتظام کیا جاتا ہے
احمد میر پروپرائٹر

بزمِ شادؔ

یعنی

مجموعۂ کلام اردو بر طرح

ع گلشن میں آج آمدِ فصلِ بہار ہے

جو

ف۱ ۔ مشاعرہ خاص میں زیر سرپرستی ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شادؔ مدظلہ پڑھی گئیں

ف۲ ۔ و نیز بسلسلہ سالگرہ ہمایونی نمبر راست دفتر سفینۂ نسواں وصول ہوئیں

نوٹ

شریک مدیرہ و معاون سفینۂ نسواں جنابہ محمودہ اختر صاحبہ نے مذکورہ بالا طرح مصرع کو سالگرہ ہمایونی نمبر کے لئے پیش کیا تھا، اس کو اتفاق کہیے کہ ہز اکسلینسی مدظلہ نے بھی اپنے مشاعرہ خاص کے لئے اسی طرح کو پسند فرما کر اپنے تازہ افکار عالیہ سے عزت افزائی فرمایا ہے، بدیں وجہ۔

ف۲ ۔ مندرجہ بالا غزلیات بھی "بزمِ شادؔ" کے تحت شریک کر دی گئیں۔

اختر

1934 A.D

M. Gauhar

مندرجات

غزل :- ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

SAFINA-I-NISWAN

ہزاکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت
و صدر اعظم دولت آصفیہ (کے سی آئی ای جی سی آئی ای) حیدرآباد دکن

سفینہ نسوان

سٹا کھسری پرنٹنگ ورکس حیدراباد دکن

SAFINA-I-NISWAN

راجہ خواجہ پرشاد بہادر

جنکو حضرت بندگان اقدس نے از راہ نوازش خسروانہ حال میں
راجہ بہادر کے معزز خطاب سے دراز اہے

سفینۂ نسواں
حیدرآباد دکن

پیچاکھسری برنٹنگ ورکس حیدرآباد دکن

غزل

ہز ایکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کا

نظارہ سوز جلوہ رخسار یار ہے ٭ اس پر بھی کوئی دید کا امیدوار ہے

مانند برق شعلہ فگن شعلہ بار ہے ٭ کہئے یہ کس کے خون کی خنجر میں دھار ہے

گل ہر طرف کھلے ہیں چمن لالہ زار ہے ٭ جوبن پہ آج حسن عروس بہار ہے

دل دیکے تم کو جرم خیانت میں کیوں کروں ٭ سینے میں یہ امانت پروردگار ہے

آہ شرر فشاں سے مری بزم یار میں ٭ یہ خوف ہے کہ شمع کی لو رعشہ دار ہے

کیف آفریں ہے غصے میں انکا کلام تند ٭ مے ہے اگرچہ تلخ مگر خوشگوار ہے

منہ موتیوں سے گل کا بھرا ہے بہار نے ٭ شبنم کا قطرہ قطرہ در شاہوار ہے

کلیاں دلوں کی کھل گئیں کسند جوشن ٭ موج ہوائے رحمت پروردگار ہے

گلشن سے دور ہے قفس بلبل اسیر ٭ کیا جانے وہ خزاں ہے کہ فصل بہار ہے

کیا پوچھتے ہو عاشق بیکس کی بیکسی ٭ ہمدرد ہے کوئی نہ کوئی غمگسار ہے

حق کہنے پر زبان بھی جگو کی کٹتی ہے ٭ چڑھتا ہے دار پر وہی جو رازدار ہے

فصل بہار میں ہے یہ دیوانگی کا جوش ٭ دست صبا سے دامن گل تار تار ہے

بیگانہ ہوں خودی سے کہ ہوں مست بیخودی ٭ جام مئے الست کا اب تک خمار ہے

ق

پوشیدہ جو ہے اپنے ارادہ کی طرح سے ٭ خود آئینہ ہے اور خود آئینہ دار ہے

پنہاں بھی آشکار بھی یہ بھی ہی ایک شان ٭ پردہ اٹھا دیا ہے گر پردہ دار ہے

اکرمؔ ۔ انتخاب جناب نواب محمد اکرم الدین خان بہادر

آمادۂ وفا نگہ چشم یار ہے
آغاز کس بلا کا یہ پروردگار ہے

دونوں کے طول میں نہیں اک بال بھر فرق
زلف سیہ جواب شب انتظار ہے

عشق جنوں اثر میں گریباں کی کیا خبر
خود جسم زار پیرہن تار تار ہے

میری نگاہ شوق نے کیا اس سے کہدیا
آنکھوں میں جھپتی نگۂ شرمسار ہے

برباد ہو کے بن گئے ہم شکل آسمان!
باد صبا کے دوش پہ اپنا غبار ہے

اک دل کو میرے پیچ میں کیا اس نے لے لیا
کونین پر حکومت گیسوئے یار ہے

محبوب جب نہیں ہے تو تیرا وصال ہو
اے موت آ کہ آج شب انتظار ہے

کس طرح وصل میں ہوں عیاں بے حجابیاں
عاشق ترے حجاب کا خود پردہ دار ہے

مصحف کی بھی قسم کو کوئی مانتا نہیں
قرآن اٹھا رہا ہوں کہ یہ روئے یار ہے

شاہ جہاں پناہ سے کن کان علم ہے
سلطان ملک علم مرا شہریار ہے

اس زہد پر ہے اکرمؔ دیندار کا یہ حال
رخ سوئے قبلہ پیش نظر روئے یار ہے

المؔ ۔ جناب ڈاکٹر میر مہدی حسین صاحب

دل اک نگاہ مہر کا امیدوار ہے
اتنی سی بات بھی تجھے بیدید بار ہے

کیا جانے تو سے وہ کہ نہ آئے پیامبر
جھوٹے کے قول و فعل کا کیا اعتبار ہے

یہ خوف ہے فریب میں دشمن کے آ نہ جاؤ
تم بھولے بھالے ہو وہ بڑا ہوشیار ہے

وقت سوال میں نے نکیرین سے کہا
بخشو مجھے کہ بندہ غریب الدیار ہے

ہم صاف صاف کہتے ہیں منہ پر بھلی بری
مانو نہ مانو اس کا تمہیں اختیار ہے

گن گن کے دم مریض ترا لے رہا ہے آج
شام فراق کاہے کو روز شمار ہے

اللہ نے دیا ہے وہ سلطان دادگر — دل اپنا لاکھ جان سے اس پہ نثار ہے

ہم کیا ثنائے آصف ہفتم کریں الم
کافی ہے یہ کہ سایۂ پروردگار ہے

اجلال:۔ جناب سید علی محمد صاحب

میں ہوں شب فراق ہے اور انتظار ہے — اب جیسی زندگی ہے یہی خوشگوار ہے
بے اعتبار ہستی ناپائیدار ہے! — کر اعتبار دل پہ جو بے اختیار ہے
وہ دن گئے کہ ضبط فغاں پر تھا اختیار — اب میں ہوں اور نالۂ بے اختیار ہے
سیراب آبلوں سے ہوئے خار تشنہ لب — ممنون میرا وحشت میں ایک ایک خار ہے
پامال حسرتوں کی طرح قبر بھی ہوئی — بعد فنا مزار سر رہگذار ہے
افسانۂ درد عشق کا کہنے تو دے کوئی — معلوم ہے مجھے کہ وہ غفلت شعار ہے
بے وجہ ذوق وحشت نوردی نہیں مجھے — رسوائیوں کا در وہی خود پردہ دار ہے

ہے کارساز عالم اسباب پر نظر
اجلال اپنا بخت جو ناسازگار ہے

آزاد:۔ جناب رائے گوبرن بلی صاحب

گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے — سبزہ ہے گل ہے مے ہے لب جوئبار ہے
ہے یاسمن کہیں پہ کہیں زلف ضیمران — نسریں ہے نسترن ہے گل کوکنار ہے
صحن چمن میں شور عنادل ہے لوٹ لو — دامان گل میں گوہر و زر بے شمار ہے
مجمع ہے طائروں کا گلستاں میں اس طرح — لچکی ہوئی چمن کی ہر اک شاخسار ہے
مداحی حضور پہ مائل ہے دل مرا! — ساقی پلا کے فکر شکست خمار ہے
اقبال و جاہ حضرت سلطاں کو دیکھ کر — شل کتاں عدو کا جگر تار تار ہے

جم جاہ شاہ آصف سابع کے فیض سے
ملک دکن ہر اک طرح کامگار ہے
ہے سالگرہ آج جو ظلِ الہ کی
ہر اک خوشی سے مست اطاعت گزار ہے

آزاد اپنے شہ کو مبارک ہو سال نو
دل سے دعا یہ اپنی ہزاروں ہزار ہے

اسد :- جناب میر صدیق علی صاحب

نہ ساتھ ہو تو سمجھئے لطف بہار ہے
ورنہ چمن کی ہر کلی ہر پھول خار ہے
بس ایک کج ادائی تری ناگوار ہے
کہ مجھ غریب سے تجھے ملنا بھی عار ہے
وہ اپنی بزم میں مجھے کس طرح دے جگہ
میری طرف سے اس کے تو دل میں غبار ہے
فکر کشود کار سے ہوتا ہے فائدہ
تقدیر کے لکھے کا مگر اعتبار ہے
لائیں گی رنگ کچھ تو مری بیقراریاں
مانا مری دعا سے اثر کو بھی عار ہے
لغزش نہ آنے دے کبھی پائے ثبات میں
دنیا اگرچہ معرکہ کارزار ہے
نا آشنائے عشق پہ ہو کس طرح عیاں
حاصل جو مجھ کو لطف لب کوہسار ہے
خودداریاں خدا کرے میری رہیں مدام
ان ہی کے دم سے میرا جہاں میں وقار ہے

مرنے کے بعد قدر اسد ہو تو ہو مگر
دنیا میں تو ذلیل ہے رسوا ہے خوار ہے

از :- جنابہ بیگم اسحاق احمد صاحب احمد

فخر جہاں ہمارا شہنشہ وقار ہے !
یکتائے روزگار یہی شہریار ہے
گلشن مہک رہا ہے دکن میں بہار ہے
بلبل چہک رہے ہیں کھلا لالہ زار ہے
جشن گرہ میں غنچے چٹکتے ہیں جا بجا
گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے
ہیں سرو قد جہاں کے حسینان گلبدن
جنت نشاں بنا چمن روزگار ہے

ہر نخل باغ جھوم رہا ہے خوشی سے آج — رنگت گلوں کی آج گلوں پر نثار ہے
بلبل چہک رہے ہیں مسرت کے جوش میں — ہر گل وفور عیش سے بے اختیار ہے
رنگینیوں کو محفل عشرت کی دیکھ کر — صبح بہار باغ بھی کچھ شرمسار ہے
یارب دکن میں یونہی رہے دور عیش کا — جب تک کہ روئے مہر پہ رنگ بہار ہے
شہزادگان و شاہ کو آباد رکھ مدام — یارب انہیں کے دم سے دکن میں بہار ہے
عثمان علی کے سایہ میں پھولے پھلے دکن — تجھ سے دعا یہی مرے پروردگار ہے

جشن گرہ کی دیکھ کے رنگینیاں ادا
قدموں پہ شہ کے صدقے عروس بہار ہے

غزل

سو آفتیں ہیں اور مری جان زار ہے — بہتر ہے موت گر یہی لیل و نہار ہے
کیا پوچھتے ہو موت کا کیوں انتظار ہے — کیا اس جہاں میں مجھ سا کوئی دل فگار ہے
جینے کا لطف پوچھئے اُس بد نصیب سے — جسکو قدم قدم پہ غم روزگار ہے
نکلی ہوئی ہوں بعد فنا سرفرازیاں — اب تو مرا وجود زمانے پہ بار ہے
رسوا کیا، ذلیل کیا، دربدر کیا — جانے فلک کے دل میں یہ کب کا غبار ہے
تا کئے یہ بے نیازیاں اے ساقی اجل — میں منتظر ہوں دل مرا امیدوار ہے
جز تیرے اے فلک میں کہوں کس سے حال دل — تجھ سا بھی، میرا اور کوئی، غمگسار ہے
ساقی کے چشم مست کی اللہ رے مستیاں — یک جام کیا پیا کہ ابھی تک خمار ہے
ایسے میں تو نہ روک مرے محتسب روک — گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے
آمادۂ سفر ہوں، میں سر چلتا جاؤں گا — شاہ نجف کی یاد کا، بس انتظار ہے

نا آشنائے عیش و مسرت ہوں آج تک
اختر بہار اپنی بھی کیسی بہار ہے؟

اختر قریشی

بسمل ۔ جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضا (ناظم تعلیمات گلبرگہ)

ہاں اے نقاب کس کا تجھے انتظار ہے
میری نگاہ شوق بہت بیقرار ہے

اب آنسوؤں کی روک نہیں انتہا نہیں
حاصل جو ہمنشینیٔ دامان یار ہے

ساقی بغیر کالی گھٹائیں ہیں بے مزہ
گویا خزاں کے روپ میں آئی بہار ہے

سب جانتے ہیں خوب پس پردہ کون ہے
ناکردہ بدنصیب فلک پردہ دار ہے

جب سے سنے ہیں طور پہ جلوہ نمائیاں
دل بھی نگاہ لطف کا امیدوار ہے

کیا دوں میں رونمائی میں اے جبین تجھے
لے دے کے بس یہ ایک دل وفادار ہے

بسمل کو میکدہ سے سبکسار کر دیا
ساقی کی چشم مست بڑی ہوشیار ہے

ایاغ ۔ جناب سید کاظم علی صاحب رضا جعفری

ہر وقت میرے سامنے تصویر یار ہے
یہ وہ چمن ہے جس میں ہمیشہ بہار ہے

مضطر نہ ہو خلاف اگر روزگار ہے
اس میں بھی کچھ مشیت پروردگار ہے

ہستی تمام نذر ستم کر چکا ہوں میں
جو جبر اختیار کرو اختیار ہے

آنکھیں کھلی ہیں بعد فنا شوق دید میں
مرنے کے بعد بھی اثر انتظار ہے

لینا ہے آج جذب محبت کا امتحاں
یہ دیکھنا ہے مجھ سا کوئی بیقرار ہے

بھولے سے تیری یاد بھلائی نہ جائیگی
ہمدم ہے یہ رفیق ہے یہ غمگسار ہے

دل تھا وہ تیرے غم میں لہو ہو کے بہہ گیا
اس کی گواہی دیدۂ خوننابہ بار ہے

کس طرح سے کہوں کہ مری زندگی ہے تم
بے اعتبار زندگی مستعار ہے

قسمت خلاف آپ خفا تاک میں عدو
پھر اس پہ یہ ستم ستم روزگار ہے

میں حال دل کہوں تو سنا داستان گل
آ عندلیب آ کہ ترا انتظار ہے

تم سے علاجِ دردِ جگر ہو بجا درست — وعدہ بھی تم کروگے وفا اعتبار ہے
آباد و شاد ہم سے ہے تا بدورِ چرخ — اس ایک دم سے سارے دکن میں بہار ہے
شاہِ دکن کا عہد ہے یا دورِ امن ہے — ہم پر نزولِ رحمتِ پروردگار ہے

نذرِ فراق تاب و تواں ہو چکی ہے باغ
دھوکا سا جسمِ زار میں جانِ نزار ہے

ذکی:- جناب محمد عبدالسلام صاحب

ہم کو فراقِ یار میں وہ اضطرار ہے — کروٹ بدلتے جاتے ہیں دل بیقرار ہے
فرقت میں تیری موت کا بھی انتظار ہے — پھر جامۂ حیات مرا تار تار ہے
نکلی نہ جان اک ترے آنے کی آس میں — عالم میں نزع کے بھی مجھے انتظار ہے
مدت ہوئی ہے دیکھے ہوئے اس کی چشم — اب تک وہی نشہ وہی کیف و خمار ہے
امید اپنے جلوے دکھاتی ہے نت نئے — جس پر کہ کائنات کا دار و مدار ہے
وہ دن گئے اسیرِ خمِ زلف تھا نہ دل — کم بخت اب تو دامِ بلا کا شکار ہے
کایا پلٹ دی عشق نے میری حیات کی — اب اپنی ضو میں ذرہ بھی خورشید وار ہے
اترا نہ اتنا اپنی بساطِ حیات پر — ناداں یہ شمع شمعِ سرِ رہ گزار ہے

کھائی ہے دل پہ چوٹ ذکی نے کہیں ضرور
نالے کبھی ہیں اور کبھی اشکبار ہے

رعد:- جناب حکیم میر نادر علی صاحب

تختِ دکن پہ خسروِ علم تاجدار ہے — بختِ دکن کا شاہِ دکن بختیار ہے
شاہِ دکن کی سالگرہ کا یہ جشن ہے — گلشن میں آج آمدِ فصلِ بہار ہے
سلطانِ علم آصفِ سابع شہِ دکن — ہے نامدار نامور و کامگار ہے

ملکی و غیر کو نہیں زحمت یہاں کبھی
شاہ دکن پہ رحمت پروردگار ہے

مسرور اور شاد دعا گو ہیں مرد و زن
انعام عام شاہ دکن بے شمار ہے

اے رحمتؔ خاص مصرع تاریخ ہے یہی
مجموع عمر سالگرہ بے شمار ہے (۱۳۵۴ھ)

سعیدؔ عالیجناب نواب تراب یار جنگ بہادر

وہ دن بھی تھے کہ کہتے تھے دل بیقرار ہے
اب وہ سکون ہے کہ طبیعت پہ بار ہے

وہ تو کہو کہ جذبۂ دل کا ہے یہ اثر
ورنہ تمہارے وعدوں کا کیا اعتبار ہے

نقش قدم ہمارے ہیں گلشن میں دشت میں
فیض جنوں سے رونق فصل بہار ہے

تکلیف میں بھی آئے نہ لب پر کوئی گلہ
سمجھو یہی مشیت پروردگار ہے

دیکھا جو میری شمع لحد کو تو یہ کہا
تھا جس کے دل میں سوز اسی کا مزار ہے

موقوف کیا بہار پہ ہے انبساط دل
جس باغ میں ہو تم وہیں فصل بہار ہے

دامن نہ چھٹنے پائے صداقت کا ہاتھ سے
یہ اے سعیدؔ اہل وفا کا شعار ہے

صمصامؔ جناب سید عباس حسین صاحب شیرازی

ہر شاخ گل پہ نغمہ سرا یوں ہزار ہے
روز ولادت شہ جم اقتدار ہے

فرط خوشی سے باغ دکن لالہ زار ہے
گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے

اس شاہ ذی وقار کی میلاد کا ہے دن
جس کے قدم سے باغ دکن پر بہار ہے

ملک دکن کے شہ کی ولادت کی وجہ سے
مسرور و شاد ہر کوئی بے اختیار ہے

کہتا ہوں صاف صاف میں انصاف و عدل میں
عالم میں آج ایک یہی تاجدار ہے

رستم بھی آئے فرق اطاعت کو خم کرے
فرماں روا ہمارا وہ خسرو وقار ہے

علم و کمال و فضل و ہنر عدل و داد کو — شاہ دکن کی ذات سے کیا افتخار ہے
اے خسرو دکن شہ فیروز زندہ باش — عالم کے گوشے گوشے میں بس یہ پکار ہے
اس کے سرور و کیف کا کیا حال ہو بیاں — دل سے غم غدیر کا جو بادہ خوار ہے
جاری تمام فیض یہ ہے جس کا فیض عام — عثمان ذی حشم وہ شہ نامدار ہے

صمصام آج جس کی ولادت کا دن ہے وہ
ظلِ خدا ہے رحمتِ پروردگار ہے

صیفی۔ جناب شاہ محمد عبدالرزاق صاحب

کیا کہیے ہجر یار میں کیا حال زار ہے — فرقت کی شب ہے میں ہوں دل بیقرار ہے
کرنا ہو قتل کیجیے سر تن پہ بار ہے — مدت سے یہ امید دل خاکسار ہے
چھلنی ہے سینہ اور جگر داغ دار ہے — ظلم و ستم کا آپ کے کوئی شمار ہے
ساقی ہے فصل گل ہے مئے خوشگوار ہے — ق سارنگ ہے سرود ہے طبلہ ستار ہے
اور طرفہ اس پہ یہ کہ لب جوئبار ہے — دریا بہا دے ساقیا کیا انتظار ہے
کوچہ میں ماہرو کے یہ کس کا مزار ہے — ہر وقت جس پہ رحمت پروردگار ہے
حسن و شباب کا بھی کہیں اعتبار ہے — آخر خزاں ضرور ہے گو اب بہار ہے

حالت یہ ہے کہ بیٹھ کے اٹھنا بھی بار ہے
صیفی نہیں ہے نقشِ کفِ پائے یار ہے

صابر۔ جناب عبدالوکیل صاحب

جس کا نفس کی آمد و شد پر مدار ہے — وہ اختصار طول شب انتظار ہے
حیرت فضا تحیر لیل و نہار ہے — ہر ذرہ ذرہ آج بہ رقص غبار ہے
افسانہ ہائے زیست کا یہ اختصار ہے — تھوڑی سی خاک وہ بھی بشکل غبار ہے

کوسوں چلا گیا ہوں تصور کے ساتھ تھا
یہ انتہا ہے جذبۂ بے اختیار ہے

چھیڑا ہے پھر کسی کے تصور نے غم کا راگ
پھر دل کو شوق جذبۂ بے اختیار ہے

سعی وصال ہجر کا دھڑکا ترا خیال
اک جان ناتواں پہ زمانہ کا بار ہے

نظریں جدھر گئیں وہ ادھر ہی کی ہو گئیں
ہر ایک شئے مرقع تصویر یار ہے

مانا کہ میری ذات نہیں لائق کرم
لیکن تمہاری شان تو آمرزگار ہے

جب درد ہی نہیں ہے تو کیا لطف زندگی
کچھ بیقراریوں ہی سے دل کو قرار ہے

اعمال خواہ کیسے سہی یہ تو دیکھ لے
تھما تری جناب میں اب شرمسار ہے

عالیؔ:- عالیجناب راجہ نرسنگ راج بہادر

حامی جہاں میں کون مرا کردگار ہے
ہو مہر کی نظر تو مرا بیڑا پار ہے

کہئے کسی کا آپ کو کیا انتظار ہے
اٹھتی جو آنکھ جانب دربار بار ہے

یہ سچ ہے ہم سے وصل کا قول و قرار ہے
پر کیا کریں کہ اس پہ بھی دل بیقرار ہے

کیسا پلایا ساقی نے تند و تیز مے
کچھ سوجھتا نہیں ہے غضب کا خمار ہے

آئے نہ وہ دوا نہ دعا کام آئی کچھ
اب کیا دھرا ہے موت کا بس انتظار ہے

یہ تھا طفیل تیرے دل پاک کا اثر
یہ نور کا ظہور ہے گلشن جو نار ہے

ادنی کرشمہ مستی و غفلت کا چاہئے
ہر جیت ہے نہ جیت نہ ہر ہار ہار ہے

اہل دول کی تندی خو سے پتہ چلا
بیکس غریب کا تو ہی پروردگار ہے

دیکھا تھا اس کو آنکھ نے دل ہو گیا نثار
کس کی خطا تھی اور چلا کس پہ وار ہے

آنکھیں ادھر کھلیں اور ادھر بند ہو گئیں
موہوم زندگی کا یہی اختصار ہے

سب کو بنائے شیفتہ اور خود نظر نہ آئے
یہ ہے کمال یار یہی شان یار ہے

رکھے خدا تو شاد کو مقبول بامراد
خلق دکن کا شاد ہی پر انحصار ہے

مالک ہیں اپنے آصف سابع نہے نصیب
صد شکر ہے کہ عالیؔ بھی ان پہ نثار ہے

عابدؔ جناب سید محمد عابد صاحب

غم میں بھی باغ باغ دل وفدار ہے — میری خزاں بھی رشک فصل بہار ہے
آے جو لب تک آہ تو کیا اختیار ہے — میں کیا کروں کہ سینے میں دل بیقرار ہے
وہ زندگی کے نام پہ مرتے ہیں جیسے لوگ — ہم اس کو کیا کریں کہ ہمیں ناگوار ہے
یہ آہ اور یہ نالہ دل اور یہ فغاں — کس کو امید صبح شب انتظار ہے
بیمار شام غم تو جہاں سے گزر گیا — اب آؤ یا نہ آؤ تمھیں اختیار ہے
معلوم اب تو ہو گی انہیں شان بیکسی — اچھا ہے گر خموش چراغ مزار ہے
او جانے والے پھیر کے بسمل سے اپنا منہ — دل ایک اور وار کا امیدوار ہے

عابدؔ تو ہے خدا کی قسم رند بادہ کش
وہ کوئی اور ہوگا جو شب زندہ دار ہے

فانیؔ۔ جناب شوکت علیخانصاحب بدایونی

اے موت تجھ پہ عمر ابد کا مدار ہے — تو اعتبار ہستی بے اعتبار ہے
ذرات چشم شوق ہے آمادۂ نگاہ — محرومیوں کو اب بھی ترا انتظار ہے
بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں — یہ کیسے امتحان وفا ناگوار ہے
اک یہ وفا کے تنگ غم دوست ہے ہنوز — اک وہ ستم کے حسن کا آئینہ دار ہے
تمیز حسن وعشق نہ عرفان غم مگر — اک تیر بے پناہ کلیجے کے پار ہے
دیکھیں خرام ناز کی محشر طرازیاں — ہر ذرے پہ سکون فنا بیقرار ہے
مختار ہوں کہ معترف جبر دوست ہوں — مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

اب کس کو اعتبار کہ تو بیوفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہے

آداب عاشقی کا تقاضا ہے اور آہ
تو ورنہ دل کی آہ میں خود بیقرار ہے

باقی نہیں کسی کو نشاط جنوں کا ہوش
کس جوش پر شباب غم روزگار ہے

ہوگی کسی کو فرصت نظارۂ جمال
فانی خراب حسن تماشائے یار ہے

فروغ: جناب سید اختر علی صاحب

اس جبر پہ کہ ہر رگ دل بیقرار ہے
مجکو گماں یہ ہے کہ مجھے اختیار ہے

او محو خوش خرام کچھ اس کا بھی ہے خیال
پامال ٹھوکروں میں کسی کا مزار ہے

بیمار غم تو راہی ملک عدم ہوا
تیرا کدھر کو عزم شب انتظار ہے

اے بے جانے والے جانا مگر پڑھ کے فاتحہ
رستے میں اک شہید وفا کا مزار ہے

مدت ہوئی کہ قلب و جگر خون ہوگئے
اب بھی مجھے کسی پہ وہی اعتبار ہے

میں تو بقول آپ کے بے اعتبار ہوں
وعدوں کا اپنے آپ کو کیا اعتبار ہے

پرساں نہیں ہے کوئی دل دردمند کا!
میں ہوں ہجوم غم ہے شب انتظار ہے

اپنا مکاں وہاں ہو جہاں آسمان نہو
اس سقف بے ستوں کا کسے اعتبار ہے

مرنے کے بعد بھی نہ گئیں دل کی دھڑکنیں
لرزش میں آج تک مری لوح مزار ہے

عثماں سا بادشاہ ملا ہے ہمیں فروغ
اہل دکن پہ رحمت پروردگار ہے

معین :- عالیجناب نواب اعانت جنگ معین الدولہ بہادر

پہلو میں میرے یہ جو دلِ وفادار ہے
رونق فروز انجمن ہجر یار ہے

اس کے بغیر سیرِ چمن ناگوار ہے
گویا ہر ایک پہلو مرے حق میں خار ہے

غیروں کی دوستی پہ عبث اعتبار ہے
یہ رنگ کیا سمجھتے ہو تم پائیدار ہے

وہ ہیں عدو کی بزم ہے اور نئے طرح کے رنگ
میں ہوں سکوت شب ہے غمِ انتظار ہے

سمجھا چکے بس آپ مجھے میں سمجھ چکا
دشمن کی بات خاطر نازک پہ بار ہے

چاہا جو مجھ کو اس نے عدو کٹ کے مر گئے
تلوار ہے کوئی کہ ستمگر کا پیار ہے

ہے داغ عشق ہی سے مرے دل کی حیر میں
یہ ایک پھول لاکھ چمن کی بہار ہے

میرا کوئی رفیق نہیں شام ہجر میں
دل ہے تو وہ بھی اس کے لئے بیقرار ہے

تو ہی نہ ہو جو پاس تو میں جی کے کیا کروں
یہ زندگی بغیر ترے ناگوار ہے

حاسد کی نظر میں کھٹکتا ہوں رات دن
میرا وجود ان کے لئے نوک خار ہے

میری ہی جان پہ ہے زمانے کی آفتیں
میری ہی جان پر ستم روزگار ہے

اے چارہ گر خدا کے لئے دل پہ ہاتھ رکھ
بس اک یہی علاج دل بیقرار ہے

دل جس کا خوش ہو اس کو ہی ہر حال میں خوشی
باد خزاں بھی رشک نسیم بہار ہے

اب تو جناب شیخ کی حالت نہ پوچھئے
کہتے تھے ابتدا میں مزہ ناگوار ہے

کیا غم ہے اے معین مجھے میزان حشر کا
پلّے پہ میرے رحمت پروردگار ہے

منظومہ جناب سید علی صاحب

مقصد مشاہدات کا روئے نگار ہے
شرمندہ جس سے جلوۂ صبح بہار ہے

اس ماہوش سے چشم فلک شرمسار ہے
یہ جلوہ در خورِ نگہ اعتبار ہے

بر آئے یا نہ آئے کوئی آرزو مگر
مجبور آرزو دل بے اختیار ہے

اے راز اشتراک سپید و سیاہ دہر
قابو میں کس کے ابلق لیل و نہار ہے

تعریف چشم ساقی خوددار کیا کروں
مستی فروش جام مئے خوشگوار ہے

دل ہے ہمارا یا غ تو اس باغ کیلئے
لطف تصور شہ عشاں بہار ہے

ہے اپنی بادشاہ پرستی پہ اس کو ناز
منظور بیوقوف نہیں ہوشیار ہے

مجید :- جناب ابوالاشرف مجید صاحب تمنا آغائی

ہر چند بیخودی سے کوئی ہمکنار ہے
لیکن نظر میں آئینۂ روئے یار ہے

کیا رنگ غازۂ چمن روزگار ہے
عالم فریب خوردۂ حسن بہار ہے

دنیائے درد دل میں یہاں لگ گئی تو کیا
ہم سے پھری ہوئی نگہ اعتبار ہے

واقف نہیں ہے آپ تو پامال شوق سے
ہر نقش پا سے پوچھئے کس کا مزار ہے

تہا کون آنے والا مرے بعد اے اجل
اب انتظار ہے نہ غم انتظار ہے

ہر چند زندگی ہے فنا آشنا مگر
ہر سانس زندگی کے لئے بیقرار ہے

اس فتنہ گر سے کوئی سبب پوچھتا نہیں
میں بیقرار ہوں تو جہاں بیقرار ہے

سہتے تو ہیں کسی کے ستم عشق میں مگر
کھلتا نہیں یہ جبر ہے یا اختیار ہے

ہاں جذب اضطراب محبت ترے نثار
دل پر نگاہ یار کبھی دست یار ہے

نیرنگیاں نہ پوچھئے کچھ درد عشق کی
ہے جان بیقرار تو دل کو قرار ہے

اس بیخودی میں بھی ترے قربان ہے مجید
ساقی یہ مست تیرا بڑا ہوشیار ہے

محمودہ جنابہ محمودہ اختر صاحبہ

موسم بہار کا ہے چمن پر بہار ہے — بلبل فدائے گل ہے گلوں پر نکھار ہے

پھولوں نہیں تل رہی ہیں سبھی گل کی ڈالیاں — ہر نخل باغ ، روکش صد لالہ زار ہے

میلاد شہ کا دن ہے کہ یہ روز عید ہے — اک بادہ خوار کا سا صبا میں خمار ہے

بلبل چہک کے کہتی ہے "مدت کے بعد پھر — گلشن میں آج آمد فصل بہار ہے"

شاہ دکن کی سالگرہ کا یہ جشن ہے — وہ شاہ جو کہ ثانیٔ خسرو وقار ہے

وہ شاہ جن پہ اہل دکن کو بجا ہے ناز — وہ شاہ جن سے آج دکن کامگار ہے

شاہی دکھا دی جنکی ، ہمیں دور اکبری — شاہ جہان کے عہد کی جو یادگار ہے

آئے زبان پہ نام تو تہرا اٹھے فلک — تخت دکن پہ آج وہ عالی وقار ہے

محمودہ شاہ کامراں رہیں شاہ دیں پناہ

دارائے — حق سے مری دعا یہی لیل و نہار ہے

نجیب عالیجناب نواب محمد نجیب الدین خان صاحب

میں ہوں شب فراق ہے تصویر یار ہے — گویا کہ میرے گھر میں خزاں ہے بہار ہے

روز الست پی تھی مئے الفت صنم — اب تک اسی کا نشہ اسی کا خمار ہے

ڈرتا ہے کون فصل بہاری سے پہلے ہی — یہ جیب و آستیں مری سب تار تار ہے

اچھا کرو برا کرو تم میرے واسطے — جو چاہو تم کرو تمہیں سب اختیار ہے

دنیا کو اعتبار نہ ہو قول و فعل کا ! — ہر بات کا تمہاری مجھے اعتبار ہے

اے موت ٹھیر جا ذرا قاصد کے آنے تک — اپنے جواب خط کا مجھے انتظار ہے

میں کیا زباں سے کیفیت دل بیاں کروں — صورت سے صاف حال جو ہے آشکار ہے

اب تاب صدمے سہنے کی باقی نہیں رہی — یہ قصۂ الم کا مرے اختصار ہے

دارالسلطنت دکن کا کثیر الاشاعت اور مقبول عام
روزنامہ
رہبر دکن
قیمت
رہبر میں اشتہار دینا کامیابی کی دلیل ہے
تفصیل کیلئے پتہ ذیل پر مہتمم کو مخاطب کیجئے
روزنامہ
رہبر دکن
افضل گنج
حیدرآباد دکن

دوا چاہے کیسی ہی
کڑوی اور بدمزہ
کیون نہ ہو
اگر آپ بچون سے کہدین کہ
" دوا پی لو تو تمہین حافظ محمد میان کے یہان کی شیرینی دیجائے گی "
تو یقین رکھیے
وہ کبھی ضد یا ہٹ نہ کرین گے، اس لئے کہ ہمارے پاس کی مٹھائیان
خالص گھی کی تازہ اور بامزہ ہوتی ہین
مینیجر
پتھرگٹی
دوکان حافظ محمد میان شیرینی فروش
حیدرآباد دکن

TAJ
Hasina
Hair
Oil
رجسٹرڈ نمبر (۱۵)

شکار
محمد سلامت اللہ اینڈ برادرس
لارڈ بازار حیدرآباد دکن
سے متعلق ہر قسم کا سامان ہمارے پاس سے
خرید فرمائیے
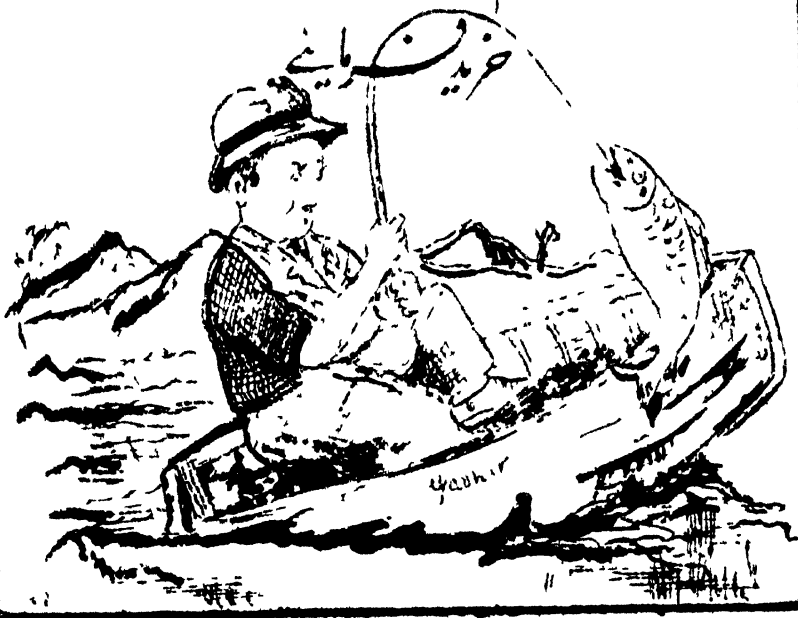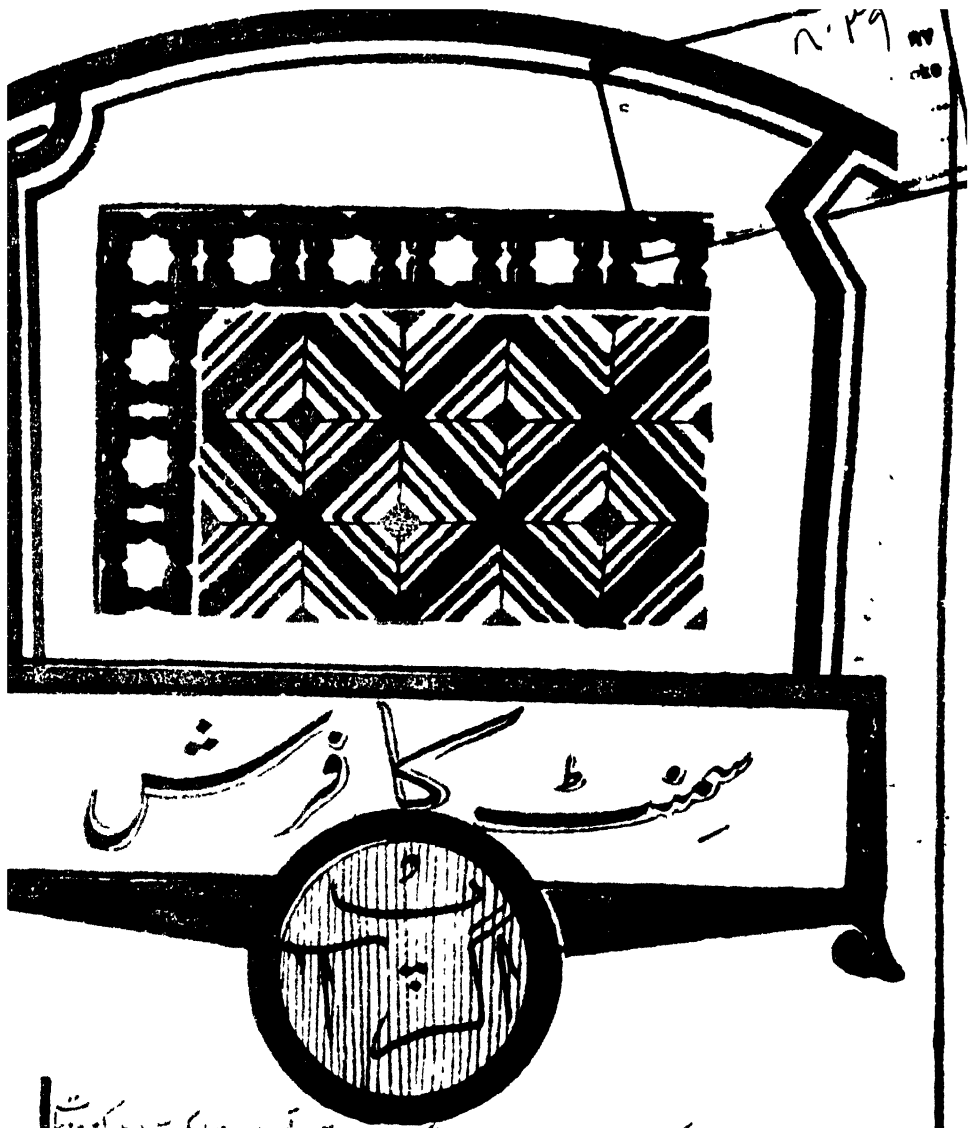
سمنٹ کا فرش
اپنے شاندار مکان کو دیدہ زیب اور دلفریب بنگلہ بنانا چاہتے ہیں تو بازی تیار کر کے سمنٹ کی خوشنما
کا فرش بچھائیے باغیچہ کی خوبصورتی کے لئے کونڈے نصب کرائیے۔ حمام وغیرہ کی صفائی کا اور چیونٹی دیمک
وغیرہ سے بچنے کے لئے سمنٹ کا فرش کرائیے ہمارے پاس۔
ہر قسم ہر رنگ ہر نمونے
کے نقشی پتھر دستیاب ہوسکتے ہیں۔ ایک بار کا تجربہ امتحان کے لئے کافی ہے
دی ریلائنس سمنٹ فلورنگ ٹائیل ورکس قریب حسین ساگر حیدرآباد دکن

ماہنامہ سفینہ
لکی نمبر اسکیم — انگریزی کراس ورڈز پزل
مبلغ ۲۰۰ روپیہ انعامات کی تقسیم
(تفصیل اندر دیکھئے)
مضامین خاص
ترانہ کلام حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ
شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر
ہز اکسلنسی مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر
مولوی سید امین الحسن صاحب سشن جج
عورت اور مولانا نیاز (تنقید)
سانحہ جانگداز
حسینؑ کا سلوک دشمنوں کے ساتھ
کون ہو؟
افسانہ یا حقیقت
خاص تصاویر
کلام مجید کا ایک صفحہ جو سیدنا حضرت علیؑ کے دست مبارک سے لکھا گیا۔
نجف اشرف
ساحل دجلہ پر بغداد کا منظر
روضہ حضرت ذوالکفل
شہر بغداد کا ہوائی منظر
SAFINA
LUCKY
NUMBER
Rs. 200

۱۲ ۵۹ء

جنوبی اور وسطی ہندوستان کا واحد نسائی مجلہ علمیہ

ماہنامہ

سفینۂ نسواں

حیدرآباد دکن

ادارہ

صادقہ قریشی — محمودہ اختر — اختر قریشی

زرِ معاوضہ سالانہ للعہ ششماہی عہ معہ محصول ڈاک

جملہ ارسالت دفتر ماہنامہ سفینۂ نسواں حیدرآباد دکن سے ہونی چاہئیے

صرف مقالات اور مضامین ایڈیٹر کے نام ارسال ہوں

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

ماہنامہ "سفینۂ نسواں" قریباً پانچ سال سے جاری اور طبقۂ نسواں کی ہر ممکنہ خدمت بجا لا رہا ہے دکن، ہندوستان اور بیرون ہند حتیٰ کہ یورپی ممالک کے جلیل القدر اخبارات و رسائل سفینہ کی تعریف کر چکے ہیں، ہم خود اپنے طور پر اس سلسلہ میں کچھ کہنے سے یہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ اخبارات و رسائل کے ہزاروں میں سے صرف چند تبصرے پیش کریں۔ جس سے سفینہ کی مقبولیت اور اس کے مقاصد سے ہمہ گیر ہمدردی کا ثبوت ملیگا۔

یہ سفینہ کی خوش نصیبی ہے کہ اس کو ہر امپیریل ہائینس دُرِّ شہوار شہزادی حضرت دُردانہ بیگم صاحبہ ہز ہائی نس میجر جنرل شہزادہ والا شان حضرت نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد دولت آصفیہ اور والا شان شہزادہ حضرت نواب معظم جاہ بہادر (صدر نشین مجلس آرائش بلدہ سرکار عالی) نے نہ صرف شرف قبولیت بخشا بلکہ شاہانہ سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔

علم دوست اور علم پرور رئیس اعظم حضرت نواب میر یوسف علیخاں سالار جنگ بہادر کی شاہانہ سرپرستی قدر افزائی اور ذرہ نوازی نے بارہا اس نونہال کو تباہی سے بچا لیا۔

ہز اکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کے عواطف ہمیشہ اس کے شریک حال رہتے ہیں، ہز اکسلنسی کے گرانقدر افکار کے شائع کرنے کا فخر بیشتر اسی ماہنامہ کو حاصل ہے۔

امیر پائیگاہ نواب امانت جنگ معین الدولہ بہادر اپنے جلیل القدر کلام سے اکثر سفینہ کو اعزاز بخشتے ہیں سفینہ کے صفحات بعض اوقات اپنے بخت کی رسائی پر ناز کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ اس کو حضرت بندگان اقدس سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی آل سیح حضرت شہزادی صاحبہ، ہز ہائینس نواب بیگم صاحبہ ملکۂ رامپور و نیز آنریبل لیڈی کینز سابق رزیڈنٹ حیدرآباد کے عالی قدر افکار گہربار شائع کرنے کی عزت حاصل ہوتی ہے۔ سفینہ کامل تین سال سے مدارس نسواں دولت آصفیہ کے نام جاری ہے

جس سے اس امر کا ثبوت مل سکتا ہے کہ یہ رسالہ ہماری خواتین اور لڑکیوں کیلئے مفید ہے۔ ملک کے بعض مشہور رسالوں نے سفینہ کی عزت افزائی کی اور قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اختتام سے پہلے ہم معزز معاصر موقر ناظم بحری کی رائے کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ اس سے مختصر اور اس سے جامع تعریف شاید کسی اور سے ممکن نہ ہو جلیل القدر رہبر دکن کی رائے ہے کہ

ادارت سفینہ نسوانی ترقی کو مشرقی قابل غور روایات نسائی کے ساتھ وابستہ دیکھنا چاہتی ہے اس لئے یہ پرچہ ہماری لڑکیوں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا۔ ایسے پرچوں کی ناقدری قومی خودکشی کے مرادف ہوگی۔ رسالہ سفینۂ نسوان کی سرپرستی ہماری حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی

نیازمند۔ اختر

سفینۂ نسوان

دکنی، ہندی، اور یورپی اخبارات و رسائل کی نظر میں

مسلم یونیورسٹی "علیگڈھ کالج میگزین" علیگڈھ

یہ مصور ماہنامہ (معہ ۱۰۰) صفحات پر طبقۂ نسوان کی صلاح و فلاح اور قومی خدمت کا مقدس جذبہ لئے ہوئے کچھ عرصے سے حیدرآباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے مقصد کی بجا آوری میں بڑی محنت اور جانکاہی سے کام لے رہا ہے۔ عملۂ ادارت کا مقصد یہ ہے کہ جدید فیشن کے طوفان کے خطروں سے طبقۂ نسوان کو آگاہ کیا جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ حقیقی ترقی مغرب کی کورانہ تقلید میں مضمر نہیں، بلکہ مشرقی روایتوں کے قیام اور استحکام پر مبنی ہے۔

بہرحال وہ جس مقصد کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں، اس کی مخالفت کرنے والے بھی موجود ہیں، اور تسلیم کرنے والے بھی کم نہیں۔ اب بھی ہمارے ملک میں ان کے خیال کے قدردانوں کی تعداد زیادہ ہے اس لئے ہمیں رسالے کی کامیابی کی پوری امید ہے۔ بہرحال رسالہ بہت مفید اور کارآمد ہے اور قدر کے قابل ہے۔

(جلیل القدر رسالہ) ہمایوں (لاہور)

یہ نسوانی رسالہ حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ہے۔ اس وقت تک اس کے کئی نمبر نکل چکے ہیں

ملاحظہ ہو نمبر ۔۔۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء

ہمارے خیال میں یہ بہترین ماہنامہ رسائل میں سے ہے [illegible] حضرت [illegible]
ہیں خلد اللہ اعلیٰ حضرت خسرو دکن کا کلام فصاحت التیام شائع کرنے کا فخر اس رسالہ کو حاصل ہے
نسوانی موضوعات پر مفید مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بہترین خوبصورت تصاویر رسالے کی زینت
کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔

ماہوار "حریم" لکھنؤ

یہ نسوانی ماہوار رسالہ حال ہی میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے جو بہ لحاظ مضامین
ترتیب عمدہ ہے ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ ہماری صحافت میں ایک معقول اضافہ ہوا۔ خدا اس سفینہ
کو پار لگائے اور باد مخالف کے حوادث سے بچائے۔

ماہوار "نسوانہ" لاہور

کتابت و طباعت کے علاوہ مضامین بھی اچھے ہیں، تصاویر بھی ہوتی ہیں امید کہ یہ رسالہ
صنف نازک میں علمی و اخلاقی معیار قائم کرنے میں کامیاب ہوگا۔

جلیل القدر روزنامہ "رہبر دکن" حیدرآباد دکن

ماہنامہ سفینۂ نسواں کے محرم نمبر ادارت نے جو جناب صادقہ قریشی صاحبہ
محمودہ اختر صاحبہ اور اختر قریشی صاحبہ پر مشتمل ہے نہایت مرتب محرم نمبر نکالنے میں خوب اہتمام کیا ہے
اور اس نمبر سے یہی کام لیا ہے کہ اس کا ایک حصہ اردو زبان کے مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہے
اور دوسرا انگریزی زبان کے مضامین پر چند تصاویر بھی دی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر روضۂ
مبارک سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام اور روضۂ حضرت عباس علیہ السلام اور بندگان اقدس
خلد اللہ ملکہ اور والا شان حضرت ولیعہد بہادر کی تصاویر ہیں۔
سلام، رباعیاں، نوحے اور پر اثر مضامین جن میں واقعات کربلا مختلف نقاط نگاہ سے
روشنی ڈالی گئی ہے پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس حصہ انگریزی کے مضامین نگار [illegible]

۶

(روزنامہ) مشیرِ دکن (حیدرآباد دکن)

"اس کی ترتیب و تدوین میں جو کد و کاوش عمل میں لائی گئی ہے وہ لائق تحسین ہے کربلا کے سانحہ فاجعہ کی مناسبت سے اس نمبر میں کوئی ۳۱ مضامین نظم و نثر ایسے فراہم کئے گئے ہیں جن کو دیکھ کر دل میں سوز و گداز پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

رسالہ کی اس خصوصی اشاعت کے لحاظ سے ادارہ کی جانب سے گورنمنٹ کو یہاں کے جرائد کی امداد بند کرنے کا مشورہ دے کر مظلومین کربلا پر پانی بند کئے جانے کا روح فرسا نظارہ پیش کرنے کی بھی کوشش کیگئی ہے۔ ؎۱

واقعہ کربلا سے تعلق رکھنے والی بعض عمارات کے نقشے بھی دئے گئے ہیں۔ بہرحال بحیثیت مجموعی سفینۂ نسواں کا محرم نمبر نہایت دلکش اور سبق آموز ہے۔ ہم پبلک کو اسکی معنوی اور صوری خوبیوں کی بنا پر اس کی سرپرستی کرنے کیجانب توجہ دلاتے ہیں، اور رسالہ سفینۂ نسواں کے اس خصوصی نمبر کو مقبولیت عام حاصل ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

ہفتہ وار "نظام گزٹ" حیدرآباد دکن

"سفینۂ نسواں" ہمارے ہاں اس نام کا ایک ماہوار رسالہ تنقید کے لئے وصول ہوا ہے اس رسالہ کے مضامین میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے طبقۂ نسواں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کیا جائے۔ حیدرآباد میں آئے دن نئے نئے جرائد نکل رہے ہیں جس سے یہاں کی علمی ذہنیت کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔

؎۱۔ گورنمنٹ کو سفینہ کا یہ مشورہ جس خلوص اور نیک نیتی پر مبنی تھی اس کی وضاحت خود سفینہ کے ذریعہ ہو چکی ہے اب غالباً معزز مشیر کو ہمارے مشورہ سے اختلاف نہ رہا ہوگا، جبھی تو وہ جوابی تحریر کی زحمت گوارا نہ کیا۔

(سفینہ)

ہمیں اس نئے رسالہ کو دیکھنے سے مسرت ہوئی۔ یہ رسالہ شکل و صورت میں ہمایون لاہور کی سائز پر ہے۔ اس کے مضامین زیادہ تر طبقہ نسوان کے ہیں اور اس میں تصاویر کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت دولہن دردانہ بیگم صاحبہ اور حضرت دلہن فرحت بیگم صاحبہ کے تصاویر خاص ہیں۔ جو ابتک کسی ہندوستانی جریدے میں شایع نہیں ہوئے۔

موقر انگریزی ماہنامہ "دی پیس میکر" مدراس

سفینۂ نسوان ایک علمی و ادبی ماہوار رسالہ ہے۔ جو طبقہ نسوان کی فلاح و بہبودی کیلئے حیدرآباد سے جاری کیا گیا ہے۔ رسالہ مذکور طبقۂ نسوان کی مذہبی، اخلاقی اور سماجی زندگی کی رہبری کرنے میں ایک مفید ترین ماہنامہ ثابت ہو رہا ہے۔ اس رسالہ کا اہم ترین مقصد مظلوم طبقہ کی حمایت اور اس میں جذبہ علم و عمل پیدا کرنا ہے تاکہ وہ ملک و قوم کیلئے مفید ترین معاون ثابت ہوں۔ عصر جدید کا یہی وہ واحد رسالہ ہے۔ جو اسلامی تہذیب و تمدن و علم و آداب کو اہل ملک کے روبرو پیش کر رہا ہے تاکہ صنف نازک اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ انہماک سے حصہ لے سکیں۔ رسالہ مذکور میں ملک کے مایہ ناز اہل قلم کے شاہکار شایع ہوا کرتے ہیں اور صنفی دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کیلئے آب حیات کا کام کر رہے ہیں۔

یہ بات نہایت مسرت سے دیکھی جا رہی ہے کہ وہ مغربی تہذیب و تمدن و آزادی نسوان کا دلدادہ نہیں ہے۔ یہی وہ جراثیم تھے جنہوں نے اہل مغرب کو نیچا دکھایا اور یہی چیزیں رہنمائی زندگی کے شیرازہ کو بکھیر رہی ہیں۔ اور مغربی دنیا میں ہر شخص کو اس سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ ہزارہا طلاقوں کی داستانیں۔ گھریلو زندگی سے بیزارگی توانین فطرت کے خلاف عملی زندگی۔ شوہروں کی مساری شراب و سگریٹ نوشی تہذیب جدید کے جز لائیفک ہیں اور یہ آئے دن کے حیرتناک داستانیں اہل مشرق کو درس عبرت دیرہے ہیں۔ اور یہ نتایج ان اہل قلم حضرات کے رہین منت ہیں جنہوں نے انکی آزادی کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ اور یہی لوگ آج کف افسوس مل رہے ہیں۔ کوئی مسلم خاتون اس قسم کی طرز زندگی کو پسند نہیں کرتی۔ اسلامی تواریخ میں صدہا مثالیں ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ جبکہ عورتوں نے مردوں کے دوش

بدوش زندگی کے کارناموں میں حصہ لیا ہے۔ بعض اوقات انہوں نے مردوں سے بھی زیادہ زندگی کے ہر شعبہ میں حصہ لیا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ شوہر اور والدین کی فرض شناس اور محبت کی دیوی ثابت ہوتی رہی ہیں صنف نازک کی ایک مکمل و لاثانی قابل تقلید مثال سرتاج نسوان حضرت فاطمہ الزہرا کی ہے۔

اگر سفینہ کا یہی معیار رہا تو ہمیں قوی اُمید ہے کہ یہ علمی و ادبی دنیا میں ایک خاص امتیاز اور وقار حاصل کرے گا۔ ہم اپنی مسلم بہنوں سے اسکی سرپرستی کی پر زور سفارش کرتے ہیں۔

انگریزی روزنامہ "حیدر آباد بلیٹن" سکندر آباد

رسالہ سفینۂ نسوان کی حالیہ اشاعت نے ادبی دنیا میں ایک ہلچل مچادی، یہ معتور پرچہ ہر ماہ حیدر آباد سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، جس کا واحد مقصد طبقۂ نسوان کی اصلاح اور تعلیم نسوان کی حمایت ہے، رسالہ مذکور کی مدیرہ فخر نساء ان بیگم صادقہ قریشی ہیں جنہوں نے ملک کی اہم ترین خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے رسالہ کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم و ادب کے میدان میں دکھنی خواتین بھی اپنی ہندی بہنوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ عہد زرین کا یہ رسالہ ہمیشہ کیلئے یادگار رہے گا۔

سفینہ کے کئی نمبر ہماری نظر سے گذرے اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس رسالہ کا مستقبل نہایت ہی درخشاں ہوگا۔ ہم رسالہ مذکور کے ادارہ کو مبارکباد دیتے ہیں جنہوں نے تمام مشکلات پر عبور حاصل کر کے رسالہ کو کامیاب کرنے کی سعی کی ہے۔ مضامین علاوہ دلچسپ ہونے کے طبقۂ نسوان کی سماجی اخلاقی اور ادبی نشو و نما کیلئے ایک بہترین ہتھیار ہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ حفظان صحت، پکوان سوزنکاری اور امور خانہ داری کے متعلق مفید معلومات جمع کئے گئے ہیں، جو اس طبقہ کیلئے نہایت ضروری و اہم ہیں

مدیرہ موصوفہ اور ان کے رفقائے کار پیش نظر ایک اہم ترین کام ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد جلیلہ میں ضرور کامیاب ہونگے بشرطیکہ ملک کے اہل قلم اور علم دوست حضرات کی ہمدردی حاصل رہے ہم ملک کے ہر اس شخص سے جو تعلیم نسوان کا حامی ہے پر جوش اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس نونہال کو اپنی سرپرستی میں پروان چڑھائیں۔

۸۰۳۹

گذارش

ماہنامہ "سفینۂ نسواں" نہ صرف دکن بلکہ تمام جنوبی اور وسطی ہندوستان میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے۔ جس میں علمی، ادبی، اصلاحی اور سماجی مضامین (نظم و نثر) شریک رہتے ہوا کرتے ہیں، سفینہ تقریباً پانچ سال سے جاری اور طبقۂ نسواں کی ہر ممکنہ خدمت بجالا رہا ہے، اسکی امداد گویا آپ اپنی مدد کرنا ہے۔ اس کے جاری کرنے کا مقصد مشرقی تہذیب کی حمایت اور بگڑے ہوئے "سماج" کی درستگی ہے، سفینہ کے پیش نظر صنف نازک کی صلاح و فلاح اور ملک و قوم کی خدمت بجالاتے ہوئے دنیائے نسواں میں صحیح علمی ذوق پیدا کرنا ہے، معزز ہمعصر روزنامہ "رہبر دکن" ادارہ سفینہ کی پالیسی کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ:

"ادارتِ سفینہ" نسوانی ترقی کو، مشرقی قابل غور روایاتِ نسائی کے ساتھ وابستہ رکھنا چاہتی ہے، اس لئے یہ پرچہ ہماری لڑکیوں کیلئے ضرور مفید ثابت ہوگا، ایسے پرچوں کی ناقدری قومی خودکشی کے مرادف ہوگی"۔

(رہبر دکن ۱۶ ار تیر ۱۳۴۱ف)

ادارہ آپ کی سرپرستی او اعانت کا منتظر ہے، امید کہ نہ صرف آپ اسکی امداد فرمائیں گے۔ بلکہ توسیع اشاعت میں حصہ لیکر ہمکو اپنے مقصد جلیل میں کامیاب بنائیں گے

نیازمند

غنچہ

نشان —

بخدمت جناب منیجر صاحب
ماہنامہ "سفینۂ نسوان" چھتہ بازار حیدرآباد دکن

تسلیم۔ براہِ نوازش رسالہ سفینۂ نسوان ایکسال / چھ ماہ کیلئے پتہ ذیل پر جاری فرما دیجئے جس کا

زرِ معاوضہ { نقد / ذریعہ وی، پی / ذریعہ منی آرڈر } قبول فرمایئے

سفینہ کے مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہوئے حسب ذیل نام پیش کئے جارہے ہیں آپ رسالہ ان کے نام جاری فرما دیجئے یقین ہے کہ وہ ضرور اسکی اعانت کو قبول فرمائیں گے

پتہ — دستخط

نام

(۱) .... پتہ —

(۲) ....

(۳) ....

(۴) ....

(۵) ....

اُجرت اشتہار

	سالم صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک سال کیلئے	فـه ۵۰	نـه ۳۰	عنه ۲۰
چھ ماہ کیلئے	نـه ۳۰	صـه ۲۵	صـه ۱۵
ایک ماہ کیلئے	لـے ۶	سـے ۳	عا ۲

ضوابط و قواعد

(۱) اُجرت اشتہار ہر حالت میں پیشگی لیجائیگی۔

(۲) ہر اشتہار خواہش پر بلا کسی مزید اضافہ معاوضہ کے مصوّر کیا جائے گا۔

(۳) اشتہار کا مضمون بالکل واضح اور صاف لکھنا ہوگا ورنہ رسالہ کسی غلطی کا ذمہ دار نہ ہوگا

(۴) ہر زبان کا ترجمہ شستہ اور سلیس اُردو میں بلا معاوضہ کیا جائے گا۔

(۵) بلاک اگر طبع کرانے ہوں تو ۲۵ فی صد اضافہ کے ساتھ قبول کئے جائیں گے۔

(۶) وہ اشتہار جو "ریڈنگ میاٹر" (کسی مضمون کے ختم پر) شریک ہو معاوضہ میں ۲۵ فی صد کا اضافہ ہوگا۔

(۷) ٹائیٹل کی شرح اُجرت حسب ذیل رہیگی

صفحہ ۲ ۵۰ روپیہ		ٹائیٹل ہمیشہ
" ۳ ۶۰ روپیہ		آرٹ پیپر پر
" ۴ ۷۰ روپیہ		رنگین طبع ہوگا۔

(۸) جب تک ایڈیٹر صاحب کی مطبوعہ دستخطی رسید نہ پیش کیجائے کوئی رقم ادا نہ کیجئے۔ ورنہ دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۹) بسلسلۂ اشتہار ایک دفعہ اگر معاہدہ ہو جائے تو ختم مدت تک وہ فسخ نہ ہو سکے گا۔

(۱۰) اشتہار دفتر میں وصول ہو چکنے کے بعد کوئی ترمیم یا اضافہ ممکن نہ ہوگا۔

(۱۱) چک یا منی آرڈر صرف بنام مولوی ماہر قریشی ایڈیٹر سفینۂ نسواں وصول ہوں۔

اعظم سٹیم پریس

نشان سلسلہ   مورخہ ـــــــ

بخدمت جناب منیجر صاحب

ماہ نامہ "سفینۂ نسواں" چھتہ بازار حیدرآباد دکن

تسلیم۔ براہ کرم ہمارا اشتہار (جسکی صراحت ذیل میں کیجارہی ہے) شریک فرماکر ممنون فرمائیے۔

(۱) مدت ....

(۲) ایک صفحہ۔ نصف صفحہ۔ ربع صفحہ۔

(۳) کوئی خاص ہدایات ....

(۴) مضمون اشتہار۔

(۲) کچھ تصاویر کی صفحات

پورا نام و پتہ :-   دستخط

ماہ نامہ

"سفینۂ نسواں"
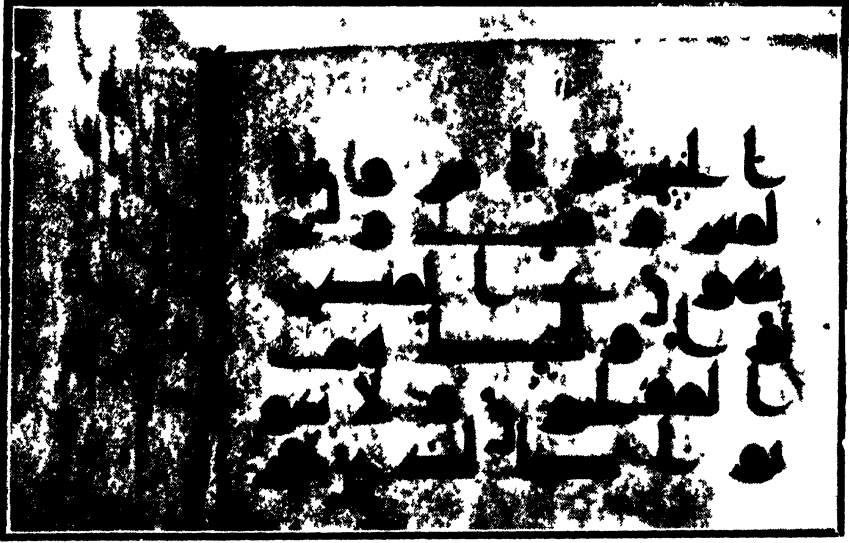
حیدرآباد دکن

قرآن مجید کا ایک صفحہ

جو حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا گیا
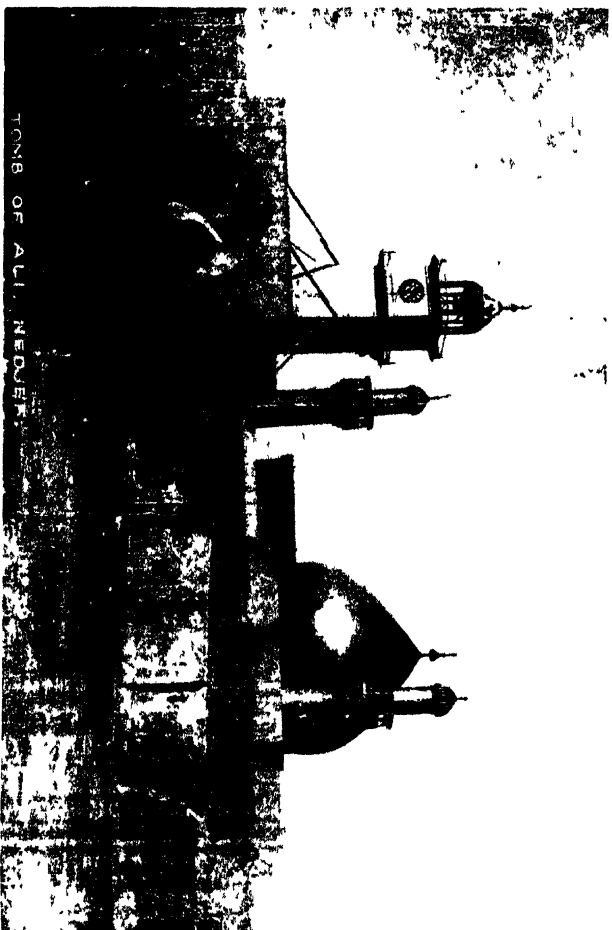
(بابل میوزیم)

PRINTED AT THE ALAMGIR TAHREEK E QURAN MAJEED PRESS

نجف اشرف

از کلکِ گہر بار خسروِ شیریں سخن اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

قطعۂ اربعین ۲۰ صفر

حسینؑ ابنِ علیؑ کو فخرِ دین است
بر او صد رحمت و صد آفرین است
بہ ہر کوچہ بہ ہر بازار عثمان
بدان امروز سوگِ اربعین است

(ص ع د)

در شانِ اِمامَینؑ باعث ایجادِ کونین

کلام فصاحت التیام حضرت سلطان العلوم تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

تو شوقِ گل چو داری از چمن گیر
چو خواہی بوے جانان از سمن گیر

نظر بر راحت و امن و فراغت
تو اے غافل قرار اندر وطن گیر

چو اے پروانہ خواہی وصل با شمع
پرِ خود در ہوائے سوختن گیر

مآلِ عاقبت را در نظر دار
تولائے حسینؑ و ہم حسنؑ گیر

ہمین مسکن بہ شاہانِ سلف بود
مقامِ خود تو عثمان در دکن گیر

نتیجہ افکار گہربار عالی شان نواب معظم جاہ بہادر

سلام بہ پیشگاہ امام ذی ہمام

متقابلِ رخِ شہؑ آفتاب کیا ہوگا (مطلع) جوابِ سبطِ رسالتمآب کیا ہوگا

علیؑ کا حسن ہے شانِ نبیؐ ہے اکبرؑ میں
بس اب سمجھ لو کہ انکا شباب کیا ہوگا

جو بے حساب کرم ہے تیرا تو محشر میں
گناہگاروں کا یارب حساب کیا ہوگا

تڑپ کے مر گئے بچے حسینؑ کے پیاسے
جہاں میں لاکھ یہ برسے سحاب کیا ہوگا

علیؑ وصیِ نبیؐ ہیں علیؑ ولیِ خدا
یہ لاجواب ہیں اِنکا جواب کیا ہوگا

حرم رسولؐ کے دربارِ عام میں ہوں کھڑے
اب اس سے بڑھ کے بھلا انقلاب کیا ہوگا

لحد نے کی توہین تیاریاں فشار کی آج
جو آئیں بھر مدد بوتراب کیا ہوگا

حسینؑ نے دلِ لیلیٰ پہ ہاتھ رکھا ہے
پسر کی موت پہ اب اضطراب کیا ہوگا

(مقطع) ملی ہے مجھکو شجاعت علیؑ کے صدقے میں
شجیع اور جہاں میں خطاب کیا ہوگا

(رہبر)

سلام

از

ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

(مطلع)

میں دیکھتا ہوں حق کو تمھارے جمال میں — ہر وقت یا حسینؑ یہی ہے خیال میں

کیونکر نہ روشن آپ سے سارا جہان ہو — خورشید بے مثال ہیں بزم مثال میں

نورِ خدا رسولؐ ہیں نورِ رسولؐ آپ — یہ ضو کہاں سے آئیگی بدر و ہلال میں

عارف جو دیکھے چشم حقیقت سے یہ کہے — نورِ خدا ہے سبط نبیؐ کے جمال میں

کیا تاب ہے ملائے نظر سے نظر کوئی — حق کا جلال بھی ہے تمھاری جلال میں

ماہِ عزا کی دسویں شہادت کا روز ہے — ہر سو صدا ہے رونیکی دشت و جبال میں

ماہِ عرب چاند غروب آج ہو گیا — کچھ روشنی رہی نہیں بدر و ہلال میں

(ق)

فرمایا یہ حسینؑ نے روتی ہو کیوں بہن — تم سے جدا میں ہونگا یہ کیوں ہے خیال میں

میں ہوں تمھارے دلمیں تو تم میرے دلمیں ہو — کچھ بھی نہیں ہے فرق فراق و وصال میں

کافی ہے گریہ شاد شفاعت کیواسطے

ڈوبا ہوا ہوں میں عرق انفعال میں

روزنامہ

"پیام"

حیدرآباد دکن

شرح چندہ سالانہ مقامی ۱۲؍ اضلاع سرکار عالی ۱۵؍ سکہ عثمانیہ برطانیہ ہند سکہ انگریزی

مدیر :- جناب قاضی عبدالغفار صاحب

مقام اشاعت :- نارائن گوڑہ

ہم مسرور ہیں کہ اس جدید روزنامہ کی اجراء سے ہماری صحافت میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے، اسکی ادارت ہندوستان کے مشہور ادیب جناب قاضی عبدالغفار کے ہاتھ میں ہے، جو اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ روزنامہ دکن اور ہندوستان میں بہت جلد ایک معیاری حیثیت حاصل کر لے گا۔

پیام کی اشاعت خصوصی مورخہ ۲۲ محرم ۵۴ھ کے افتتاحیہ کا یہ ٹکڑا کہ "ایک وقت معین ایسا بھی آئے گا میں دکن کے دارالسلطنت اور تاجدار دکن کے سایۂ عاطفت میں پھر اپنا ایک نیا وطن بناؤں گا اور پھر کسی ایسی دیوار کے سایہ میں راحت پاؤں گا" ہماری مسرت میں اضافہ کر رہا ہے۔ قاضی صاحب دکن کو اپنا وطن بنانا باعث افتخار سمجھ رہے ہیں وباللہ توفیق ایک وہ بھی ہیں جو سرزمین دکن سے دولت سمیٹنے، اپنے خاندانوں کی پرورش کرنے اور "اپنے وطن" میں حویلیاں کھڑی کر چکنے کے بعد بھی اس "دار الامان" کو اپنا وطن کہتے جھجکتے ہیں۔ چونکہ اسی اداریہ کے ختم پر مذکور ہے کہ "اخبار نویس کی کامیابی اور کامرانی کا مدار اس قدر اس کے زور قلم پر نہیں ہے۔ جس قدر کہ اسکی نیت نیک

پر ہے ـــــ " ہم اسی " نیت نیک " پر کامل اعتماد کرتے ہوئے قاضی صاحب کو اس جدید وطنیت کے اعلان پر مبارکباد دیتے ہیں، چونکہ موصوف " بیس برس تک فن صحافت کے نشیب و فراز دیکھ چکے ہیں " اس لئے یہ اعلان ضروری تھا۔ اپنی " اس چھوٹی سی کشتی کو کھینا دریائے صحافت میں ڈھکیلتے ہوئے وہ اپنی جسارت پر حیرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ یہ " ان جھکولوں کو کیونکر برداشت کر سکیگی " جس دریا کے " پانی کی سطح اکثر ساکن نہیں رہتی ـــــ " جن جھکولوں کی طرف اشارہ ہوا ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں ـــــ لیکن آخر " جزا اور سزا " بھی تو کوئی چیز ہے۔

چونکہ پیام " حیدرآباد کی مخصوص فضا " میں ابھی سانس لیا ہے، ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اسکو چند دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیں۔

سب سے پہلے معزز ہمعصر دکن کو اگر واقعی اپنا وطن قرار دے چکا ہے تو اسکو چاہئے کہ مالک کی رضامندی کے ساتھ ملک کی خدمت اپنا ایمان قرار دے۔ جدید وطنیت کا اعلان آسان ہے مگر اپنی تمام تر بہترین کوششوں کو وطن اور ہموطنوں کی فلاح و بہبود کیلئے وقف کر دینا ذرا مشکل چیز ہے۔

پیام کو معلوم رہنا چاہئے کہ دولت آصفیہ کی حالت دوسری دیسی ہندی ریاستوں سے بالکل جدا ہے جسکی عظمت اور بزرگی کی داستان آج تاریخ ہند کا سرمایۂ امتیاز بنی ہوئی ہے یہاں " دوعملی " کی ضرورت نہیں۔ ہم تمام فدایان دولت پرچم آصفی کو اپنے سروں پر سایۂ رحمانی سمجھتے ہیں، اس کے وقار اور سلامتی کی خاطر ہم اپنی جانیں قربان کرنا اپنا ایمان قرار دے چکے ہیں، آج ہمکو یہاں وہ سب کچھ میسر ہے جس کے حاصل کرنے کیلئے کسی اور جگہ سر توڑ کوششیں ہو رہی ہیں، راعی کی بے تعصبی اور رعایا نوازی نیز مختلف فرقوں، جماعتوں اور مذہبوں کا اتحاد ضرب المثل کی حد تک پہنچ چکا ہے، اس لئے اس کو کسی جماعت یا فرقہ یا مذہب کے متعلق کوئی رقیبانہ یا جارحانہ یا معترضانہ اقدام کرنے کا ارادہ ملک کی ضرورت نہ ہوگی سچے ہی اخبار افراد ملک کے جذبات کا ترجمان ہوتا ہے، جھوٹی خوشامد نمائشی تعریف دکھاوے کی توصیف یا اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بے جا حمایت چاہے کتنی ہی منفعت بخش ہو مگر

اخبار کو پبلک کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ فی زمانہ ـــــ بیحیا باش و بادشاہی کن کے کردہ اصول پر اکثر بادشاہی ضرور کر رہے ہیں لیکن اُن کو وہ روحانی مسرتیں کہاں نصیب ہیں۔ جو ایک حق گو، اور بے لوث خدمتگذار کی قسمت بنتی ہیں۔ شیکسپیر کہتا ہے۔

راستی پر قایم رہو ـــــ خوف و ہراس کو دل میں جگہ نہ دو، ـــــ جو کچھ کرو ـــــ خدا، وطن، اور سچائی کیلئے کرو۔

حق کی حمایت ایک اعلیٰ اور ارفع جذبہ ہے، اِس راہ میں اگر دہکتی ہوئی آگ میں بھی کودنا پڑے تو پائے استقلال کو جنبش نہ آنے پائے۔

اِسی اداریہ میں کسی جگہ مذکور ہے کہ (حیدرآباد کی مخصوص فضاءیں) "بہ یک چشم زدن شہد خالص زہر ہلاہل بن جایا کرتا ہے" یہ درست ہے، مگر اس کے بعض "مخصوص" اسباب بھی تو ہونگے، کیا ایسے شہد خالص کے پیالہ کو توڑ نہ دینا چاہئے جسکی تہ میں زہر ہلاہل چھپا ہو۔ یہاں "عمل" سے زیادہ "نیت" کی پرکھ ہوتی ہے، اور جگہ کی بہ نسبت یہاں نیک نیتی کی ضرورت ہے۔

احباب اور بہی خواہوں کے سوالات بیحد دلچسپ ہیں ـــــ جس پر کسی آئندہ فرصت میں نظر ڈالی جائے گی ـــــ اُس وقت جبکہ

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

کی تشریح ہو جائے۔ اِسی سلسلہ میں ایک جگہ موسیٰ ندی، گنگا اور جمنا کا ذکر آگیا ہے۔ یہ اگرچہ اصل میں سب ایک ہیں مگر جس طرح مسجد کا چراغ گھر کو روشن نہیں کرسکتا ویسے ہی، زمانہ ہمکو یہ کہنے پر مجبور کر رکھا ہے کہ گنگا اور جمنا کا پانی "حیدرآبادی قومیت" کے پودے کی نشوونما نہیں کرسکتا۔ ہم اپنے میں ایک قومیت پیدا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ وقت دور نہیں جب گنگا مائی کے گھاٹ کی طرح رودِ موسیٰ کا کنارہ بھی مقدس سمجھا جائے گا۔

بہرحال ہم "پیام" کی اجرائی سے ایک مسرت محسوس کر رہے ہیں، اور جس بلند عزائم کا ذکر ہوا ہے، اسکو پورا ہوتے دیکھنے کے متمنی۔

خدا کرے یہ جدید روزنامہ ملک کی ناقدری کا شکار نہ ہو، اور یہ حق گوئی راست بازی

اور نیک نیتی کی صبر آزما اور خار زار راہ پر چل کر اپنے بعض ہمعصروں کیلئے مشعل ہدایت بنے۔

"دی قرآنک ورلڈ"

(رسالہ انگریزی سہ ماہی)

کراؤن سائز (۶۲) صفحات

چندہ سالانہ للعہ، ممالک غیر سے ۵ شلنگ۔ پتہ: عالمگیر تحریک قرآن مجید حیدرآباد دکن

یہ ایک انگریزی سہ ماہی رسالہ ہے جو انجمن "عالمگیر تحریک قرآن مجید" کے زیر نگرانی اور مولانا ابو محمد صاحب مصلح کی زیر ادارت دارالسلطنت حیدرآباد سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے اجراء کا مقصد غیر مسلم اور خصوصاً غیر عربی داں حضرات کو قرآن مجید کی خوبیوں سے روشناس کرانا ہے۔ خدا کرے یہ جلیل القدر رسالہ اپنے اس مقصد عظیم میں کامیاب ہو۔

عام طور پر سطحی نظر رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ صحیفہ آسمانی صرف اس کے متبعین کیلئے ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، ہر آسمانی صحیفہ روئے زمین پر بسنے والی تمام اقوام کیلئے پیام رشد و ہدایت ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی صرف مسلمان کی حد تک وقف نہیں وہ تو ہر فرقہ ہر مذہب اور قوم کیلئے اُتارا گیا، کیونکہ کلام مجید ربّ العالمین کا کلام ہے صرف ربّ المسلمین کا نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب مقدس کو دنیا کی ہر زبان میں منتقل کیا جائے۔

زیر نظر نمبر میں فہرست مضامین پر نظر پڑتے ہی ہماری مایوسی کی انتہا نہیں رہی جب ہمکو کوئی محققانہ یا فاضلانہ مضمون نظر نہ آیا، مضمون نگار حضرات صرف پروفیسر ای ای اسپیٹ مسٹر محمد علی ایم اے (کنٹب) عبدالرؤف خان (بی اے) نواب مرزا یار جنگ بہادر اور مسٹر باقی ہیں۔ کوئی مضمون رسالہ کے مقاصد کے لحاظ سے نہ قابل تعارف ہے نہ لائق اشاعت تھا، بعض مضامین میں قواعد کی معمولی غلطیاں ہم کو ہنسنے پر مجبور کر رہی ہیں، ہم فاضل مدیر سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ جہاں تک ہو سکے صرف اپنے مقصد کے تحت ایسے مضامین شریک رسالہ کیا کریں جو کچھ تو معیاری ہوں، چونکہ ہندوستان میں شایع ہونے والے انگریزی اخبارات

ورسائل آئے دن اپنا معیار بلند کرتے جارہے ہیں، خوف ہے کہ یہ اہم ترین مجلہ کہیں پستی معیار کی زد میں نہ آجائے،

رسالہ بجائے سہ ماہی کے ماہوار اگر ہوتا تو بہتر تھا، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس کے پیش نظر مقصد متذکرہ بالا ہے وہاں وہ قرآنِ مجید کا ترجمہ بھی زبان انگریزی میں پیش کرنا چاہتا ہے یہ بھی ایک مبارک قدم ہے، مانا کہ ملک اور بیرون ملک کے کئی مشاہیر علما اس خدمت کو نہایت کامیابی سے انجام دے چکے ہیں لیکن شاید "قرآنک ورلڈ" کی نظروں میں ان تمام کوششوں کی کوئی قدر نہیں ہے جب ہی تو وہ ایک دوسرا ترجمہ پیش کر رہا ہے جسکو

The instructive translation of the Holy Quran.

کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، لفظ Instructive. کے معنی "آگاہی بخش" ہونگے جس سے ہم "رہبر" یعنے "راستہ بتلانے والا" کا مفہوم لے رہے ہیں، اب یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ رہبر یا آگاہی بخشنے والے کو پہلے راستہ کے تمام نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہونا چاہئے، تمام باریک و تاریک پہلو نظروں کے سامنے رکھنے ضروری ہیں، لفظاً ترجمہ بظاہر کتنا ہی آسان ہو، مگر در اصل بے انتہا مشکل چیز ہے، اور خصوصاً عربی کا ترجمہ جہاں اعراب کی معمولی الٹ پھیر معنوی حیثیت پر اثر انداز ہوتی ہو۔ ترجمہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ حتی الامکان اصل کا مفہوم اور اسکی فصاحت و بلاغت ضائع نہ ہونے پائے لفظی ترجمہ اور چیز ہے اور ایسا ترجمہ جو اصل زبان کی فصاحت اور شیرینی کو قایم رکھتے ہوئے دوسری زبان میں وضاحت سے اس کے مطلب کو ظاہر کرے، بہت مشکل چیز ہے۔

اِس ترجمہ کی اساس جہاں تک ہمارا خیال ہے، علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجمہ پر رکھی گئی ہے۔

ذیل میں ہم "قرآنک ورلڈ" کے ترجمے کی صرف دو مثالیں پیش کر رہے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ "آگاہی بخشنے والا" ترجمہ کتنے ترجمہ کرنے والوں کو آگاہی بخش سکیگا اور کس حد تک

(۱) لفظ "مغضوب" کا ترجمہ دیا گیا ہے "جو غضب سے ملے" ـــــ متذکرہ لفظ اسم مفعولی ہے "غضب" کا اب اس کا ترجمہ یہ ہو سکتا تھا کہ "وہ جن پر خدائی، قہر نازل ہوا"

(۲) لفظ "اَنزلَ" کا ترجمہ ہے "ہم نے بھیجے" حالانکہ اصل مطلب پر حاوی اور صحیح ترجمہ "منکشف کئے" "ظاہر کئے" ہو سکتا تھا۔

ان عیوب کی موجودگی میں یہ ترجمہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، ضرورت ہے کہ پہلے نظر ثانی کر لیجائے، ورنہ ایسے ترجمے سے وہ فصاحت و بلاغت ضرور متاثر ہوگی جو زبان عربی کا سرمایۂ افتخار ہے۔ ہم "قرآنک ورلڈ" کے اجراء کو باعث برکت اور موجب فلاح سمجھتے ہوئے اس کے محرک اور بانیوں کے لئے خدا سے جزائے خیر کی دعا مانگتے ہیں۔

(۲)

وہ اور ہم

ذیل میں ایک "ترکی ریڈر" کے چند سبق پیش کئے جا رہے ہیں، اس کے ساتھ ہی دوسرے کالم میں ہم "درسیۂ عثمانیہ" کے اسباق کے چند ٹکڑے دے رہے ہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ نئی پود پر ملک اور قوم کے بننے اور بگڑنے کا انحصار ہوتا ہے، اب قومیت کی تعمیر کیلئے وہ اسباق مفید ہونگے یا یہ، اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں، یہاں خصوصیت سے انکو مخاطب کیا جا رہا ہے جو "حیدرآبادی قومیت" کو ابھارنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ وہ دور اب نہیں رہا جب بچوں کو "ایک چوہا تھا اسکی دُم میں کانٹا چبھا" پڑھایا جائے۔ ہم حیران ہیں آخر کب تک ہمکو وطنی، ملکی اور ملّی خدمت سے محروم رکھا جائیگا۔ چوہے بلی کتے اور بندر کے اسباق کیا ہمارے بچوں میں پرچم آصفی اور اسکی عزت، دولت کے ساتھ جاں نثاری، ملک اور ملکیوں سے محبت نیز خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں؟

ملک بظاہر ترقی کر رہا ہے، لیکن ہم کہیں گے یہ ترقی نہیں بلکہ تنزلی ہے، حقیقی ترقی کا راز اس دور میں اگر کسی نے سمجھا تو وہ صرف ترکی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ پہلے ہم اپنے بچوں کو غیرت مند بنائیں ملکی حمیت اور قومی جذبہ ان میں پیدا کریں، ہماری قومیت کے بانی، مشرقی تہذیب و تمدن کے علمبردار محسن اعظم حضرت آصفجاہ اول کے کارنامے انکو یاد دلائیں، پرچم آصفی کی تعظیم اور رعایا پرور شاہ ذیجاہ حضرت سلطان العلوم اور خاندان آصفی کے ساتھ جاں نثاری کا جذبہ بچوں [illegible]

ثانی بنائیں ہم۔ ملک کے ہر بہی خواہ اور ہر اس اخبار سے بھی جو ملک و مالک کی خدمت کا دعویدار ہے استدعا کرتے ہیں کہ اس خصوص میں مضامین اور اداریہ لکھے۔ یہ کہنا کہ ننھے دماغ ملک، بادشاہ، قوم، پرچم، غلامی، آزادی، خدمت اور خلق کے معنے کیونکر سمجھیں گے ہم محض فضول سمجھتے ہیں، ان کی شاخ کو جدھر چاہے گھمایا جا سکتا ہے۔ جتنے شیریں اور سیدھے سادے الفاظ میں بندر اور گدھے کے اسباق کی طرف ہمارے بچوں کے تخیل کو پلٹایا جا رہا ہے یہی طرز اس میں کام دیتا ہوگی اگر ملک کے گوشہ گوشہ سے صدا بلند کی جائے تو ہماری ٹکسٹ بک کمیٹی جو "زر اور زور" کے زیر اثر ملکی ضرورت اور ملکی مفاد کو نظر انداز کئے ہوئے ہے مجبور ہو جائے گی۔

ہماری تمنا ہے ہم اپنے بچوں سے جب سوال کریں تو یہ جواب پائیں کہ

"ہم حیدرآبادی ہیں اور حیدرآباد ہمارا ہے"

اختر

درسیہ عثمانیہ کے چند ٹکڑے	ترکی ریڈر کے چند سبق
ایک تھا چنو، ایک تھا منو، اور ایک تھے ہم تینوں مل کر چلا چل چلا چل ایک جگہ گئے جہاں بکری کٹ رہی تھی۔ چنو کو ملی بوٹی منو کو ملی بوٹی اور ہم کو ملا چھیچھڑا۔ —— ہم پینے لگے تو حوض ہی میں گر گئے۔ چنو نے پکڑی ٹانگ منو نے پکڑا ہاتھ، ہم تھے تو نکل گئے۔ ایک جگہ جہاں جانور چر رہے تھے چنو کو ملا گھوڑا منو کو ملا گھوڑا ہم کو ملا گدھا۔ چنو کا گھوڑا دن دن کرتا منو کا گھوڑا دن دن کرتا۔ ہمارا گدھا کرتا ڈھیچوں ڈھیچوں —— ککڑوں کوں، ککڑوں کوں اہا صبح ہی صبح کس کی آواز آنے لگی۔ بچو! تم اس آواز کو تو خوب پہچانتے ہوگے —— تو مرغا کون سا ہے؟ وہ دیکھو جو سب سے بڑا لال رنگ کا ہے وہی مرغا ہے ——	میرے بچے دیکھ! .... ان پہاڑیوں اور جنگلوں کو دیکھتا ہے؟ یہ سب تیرے ہیں تو نہیں جانتا کہ تیرے باپ دادوں نے پیاری زمینوں کے لئے کس قدر خون بہایا یہ زمینیں آسانی سے نہیں ملی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تو اپنے باپ دادوں کو شرمندہ نہ کرے گا۔ جب تو بڑا ہو جائے گا اور اس وقت دشمن تجھے اپنی آغوش میں پرورش کرنے والی زمینوں کو لینا چاہیں گے تو ان کو محفوظ رکھنے کے لئے تو ایک شیر بن جائے گا۔ ان زمینوں پر ہمارے باپ دادوں نے حکومت کی۔ ان پر ہمارا جھنڈا لہرایا۔ اگر یہاں کوئی اجنبی حکم رکھے گا تو کیا تو راضی ہوگا؟ میرے بچے کبھی نہیں ہرگز نہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ تیرے ہونٹ یہ کہنا چاہتے ہیں

کر" میں اپنا وطن کسی کو نہیں دونگا" ہاں میرے بچے
وہ یتیم ہے۔ تیرے سوا اُس کا کوئی نہیں ہے۔ تو ہی
اُس کو بچائے گا۔

میری ترکیت۔ میں ترک ہوں۔ ایک عالی اور
مقدس قوم کا فرزند ہوں۔ میری ملت دنیا کی سب سے
بڑی ایک ملت ہے۔ اُس کا ماضی شان و شرف سے
معمور ہے۔ ہم دور کے ملکوں سے ایشیا سے آئے
ایک چشمہ سے فوارہ کی طرح سے نکل کر ہر طرف پھیل گئے
کتنے بادشاہ۔ کتنی قومیں ہماری قوم کے زیر سایہ
رہتے تھے۔ ترک کا نام ہر زمین نے اختیار کر لیا ہر
شخص کو ترک کی عزت کرنی چاہیئے۔ اس کو محترم جاننا
چاہیئے۔ ترک توران کی ایک اعلیٰ قوم ہے۔ انہوں نے
اپنے جان اور مال سے اسلامیت کی حفاظت کی۔
ترک ہونا کس قدر بڑا شرف ہے۔ میں ترک کے گذشتہ
روزہائے سیاہ کو روز روشن کی طرح منور کرنے کے
واسطے اپنی تمام ہستی کے ساتھ کوشش کروں گا۔ ترکیت کے
علم کو بڑی بلندیوں پر نصب کروں گا۔

"میری ترکیت ہمیشہ قایم رہے"

وطن کی محبت۔ کبھی کبھی ہماری سڑک پر سے
بینڈ کے ساتھ لشکر گذرتا ہے۔ لشکر کے سامنے جب
علم ہوتا ہے تو میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور میرے
دادا نے جس طرح سکھلا دیا ہے۔ علم کو سلامی دیتا
ہوں۔ اس وقت جس قسم کے جذبات سے میرا دل

ایک آدمی نے بندر پال رکھا تھا۔ وہ اُس سے بہت
کام لیتا تھا۔ ایک دن وہ آدمی سو گیا بندر اس کے
پاس بیٹھ گیا۔ ایک مکھی اُس آدمی کی ناک پر آبیٹھی یہ
دیکھ کر بندر کو غصہ آگیا۔ اُس نے ایک پتھر اُٹھایا اور
مکھی پر دے مارا۔ مکھی تو اُڑ گئی مگر اس آدمی کی ناک
پھٹ گئی اور خون بہنے لگا ـــــ میرا لکڑی کا گھوڑا!
کیسی تیزی سے دوڑا۔ بس بس اب ٹھیرو گھوڑے۔
ورنہ ماروں گا کوڑے۔ اب جو دوڑے جاؤ گے۔ دیکھو
کوڑے کھاؤ گے۔ مان لے گھوڑے میری بات۔ کتے کو
کیوں ماری لات ـــــ ایک دفعہ دو کوے ساتھ ساتھ
اڑ رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں ایک لڑکا نظر آیا جو بیٹھا
روٹی کھا رہا تھا ایک کوے نے دوسرے سے کہا کہ اس
لڑکے سے یہ روٹی چھین لو۔ وہ لپکا۔ لڑکے نے کوے
کو دیکھ کر روٹی کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیا اس پر دوسرے
کوے نے کہا اب کیا کیا جائے پہلے کوے نے کہا دیکھو
میں ایک ترکیب کرتا ہوں مگر تم روٹی چھیننے کو تیار رہنا
اُس نے فوراً جاکر لڑکے کے سر میں چونچ ماری لڑکا درد
سے منہ کھول کر رونے لگا۔ لڑکے کا رونا تھا کہ دوسرا کوا
اُس کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا نکال کر اُڑ گیا ـــــ
میاں بندر ہمیں بھی ایک دو ناریل توڑ دو۔ بندر نے
منہ چڑا دیا اور ناریل نہ دیئے ـــــ ایک دن ایک
ننھا چوزہ ایک درخت کے نیچے چگ رہا تھا بالاتفاق
سے ایک بڑا پتا اس کے سر پر گرا ننھا چوزہ سمجھا کہ آسمان

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ (۶۳)

سلام

عالیجناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل

سشن جج گلبرگہ شریف

خوشا فضیلتِ سرگرمیٔ ولائے حسینؑ
نبیؐ کے چاہنے والے ہیں سب فدائے حسینؑ

جبینِ صدق و عقیدت نثارِ عتبۂ پاک
ہزار جان گرامی فدائے پائے حسینؑ

ملائکہ بھی لرز جاتے ہیں قیامت ہے
کسی نے دل سے تڑپ کر کہا جو ہائے حسینؑ

خدا ہی جانے کہ اُمت کا حشر کیا ہوتا
گنہ نواز نہ ہوتا جو خونبہائے حسینؑ

خدا کو شانِ وفا، دیکھنا تھا بندہ کی
کمالِ عشق کا جلوہ تھا، ابتلائے حسینؑ

وصالِ ذات میں گنجائشِ صفات کہاں
پسند آیا نہ فدیہ، کوئی بجائے حسینؑ

نجات ہو گئی ہم عاصیوں کی اے بسمل
قبول ہو گئی شفقت بھری دعائے حسینؑ

سانحہ جانگداز

از

جناب میر قدرت علیخاں ناصر بی اے (عثمانیہ)

تاریخ عالم کی ورق گردانی کیجائے تو معلوم ہوگا کہ سال کا ہر مہینہ، مہینہ کا ہر ہفتہ۔ ہفتہ کا ہر دن اور دن کی ہر ساعت زمانہ ماضی میں کسی نہ کسی حادثہ وطوفان کی یاد دلاتے ہیں انہی مہینوں اور انہی ساعتوں میں اقسام کے حوادث رونما ہوئے۔ سلطنتیں بنی اور بگڑ گئیں جنگ عظیم برپا ہوئے جانیں ہلاک ہوئیں، بڑے بڑے معرکۃ الآرا واقعات پیش آئے۔ بے شمار افراد مظلومیت سے قتل کئے گئے اور اپنے وقت کے بیشمار فرعونوں نے بیکسوں اور بے بسوں پر طرح طرح کے ستم ڈھائے مگر رفتار زمانہ نے سب کو بھلا دیا، فراموش کر دیا اور سنگین سے سنگین واقعہ بھی آخر کار قصہ ماضی سے زیادہ وقعت نہیں رکھا۔ مگر سال کے بارہ مہینوں میں جب ماہ محرم اور خصوصاً اس کا دہہ اول آتا ہے تو اپنے ساتھ قیامت کی یاد دلاتا ہے۔ کامل تیرہ سو سال گذر گئے مگر واقعہ کربلا ہمیشہ تازہ اور ہر محرم میں بلا کی قیامت برپا کیا چلا۔ اس لئے کہ تاریخ عالم میں یہ واقعہ اور اس کا ہر پہلو عدیم المثال ہے۔

مختصراً اس واقعہ کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ذات رسالت کو دنیا سے پردہ کئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ قوم کے غدار اور باطل کے طرفداروں نے طرح طرح کی مذموم روشوں سے اسلام کے شیرازہ وحدت کو اوراق پریشان میں بکھیرنے کی ناپاک کوشش شروع کردی۔ قیصر وکسریٰ کی بدعت سب سے پہلی مرتبہ اسلام میں رواج پانے کو تھی، خلافت کی جگہ پادشاہت قایم کرکے جمہور مسلمانوں کا قیمتی حق غصب کیا جا رہا تھا۔ انصاف کو دفن اور ظلم واستبداد کی نصرت کا اعلان ہونے والا تھا انہی ناجائز مواقع سے فائدہ اوٹھا کر یزید بن معاویہ حضرت حسین علیہ السلام کے مقابل خلافت کا مدعی ہوتا ہے۔ لیکن امام شہید اسکو پسند نہیں فرماتے کیسکو گمان ہو سکتا ہے کہ اوس بزرگ نانا کا نواسہ جس نے امت کی خاطر پیٹ پر پتھر باندھے ہوں، اوس ماں کا نور نظر جس نے مساکین کی

شکم سیری کو اپنی فاقہ کشی پر ترجیح دی ہو اوس باپ کا لخت جگر جس نے دین پیغمبر اوکھاڑ کر دین اسلام کو تقویت پہونچائی ہو اس لئے خلیفہ بننا چاہتا تھا کہ ذاتی شہرت جاہ وحشمت حاصل کرکے خود خلیفہ بنے اور حکومت کرے۔ یزید کا خلیفہ ہونا اس لئے منظور نہ ہوا کہ اوس جیسا فاسق خلافت کا اہل نہیں تھا اور آپ ایک فاجر کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرما سکتے تھے۔ اگر یہ ہو جاتا تو عامۂ مسلمین کے حقوق کی نہ صرف پامالی ہوتی بلکہ مسلمانوں کو خدائی قانون کے بجائے باطل کے آگے سر ٹیکنا پڑتا۔ پھر کیا ہوتا؟ اسلام فنا ہو جاتا۔ فسق و فجور اور افعال قبیحہ کے معنی نیکی بھلائی اور اعمال صالح کے لئے جاتے۔ اور اس طرح اوس "ماہ پر تنویر" کی ضیاء پاشیاں گہن میں آجاتیں جس کا ٹکڑا خود حضرت حسینؓ تھے سچ پوچھو تو حضرت حسین نے دین کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو نہ صرف بچالیا بلکہ اوسکو اس طرح مرمت فرمائی کہ وہ ہمیشہ کے لئے طوفان و حوادث سے محفوظ ہوگئی۔

غرض کہ اسی خلافت کے تصفیے کے لئے آپ کو یزید نے متعدد خطوط لکھکر جنگ کے لئے نہیں بلکہ صلح کے لئے کوفہ بلاتا ہے۔ اس مشکل مسئلہ کی یکسوئی کی خاطر آپ معہ اہل وعیال کے آمادہ سفر ہیں دوست احباب نے منع فرمایا ہمدردوں نے روکا اور بہی خواہوں نے پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کیا لیکن آپ کا عزم بالجزم ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا۔

کوفہ پہونچنے پر آٹھ محرم تک پیام وسلام میں گذری بہت کچھ حرص وہوس کی لالچ دی گئی مال و دولت کا وعدہ کیا گیا۔ لیکن حسین جوان تمام لواحق دنیوی سے بے نیاز تھے کبھی بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کے لئے راضی نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ آغاز جنگ تھا۔ کدہر ۷۲ نفوس اور کدہر لاکھوں کی فوج مگر "جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے"۔ کہ حسین کے گھر کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے خود جام شہادت نوش کرے۔ خیموں میں کہرام مچا ہے۔ حضرت حسینؓ تسلیم و رضا کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ اپنی جان کے لئے ہراسان و پریشاں مطلق نہیں ہیں۔ مگر دوسروں کا آہ و بکا کرنا معصوموں کا چلانا، خشک و خماردار زبان بتا کر اشاروں سے پانی طلب کرنا، دریائے فرات کا سامنے سے بہے جانا، عابدؑ بیمار کی حالت کا نازک تر ہوا جانا۔ آپ پر شاق گذر رہا تھا جوش شہادت سے مجبور ہوکر ہر ایک بہادر خاندان آپ سے اجازت طلب کرتا۔ بیچارہ ناچار اجازت دینے پر آپ اپنے کو مجبور پاتے ہیں حصول اجازت کے بعد میدان جنگ میں آکر وہ تمام جوہر شمشیر جو حضرت علیؓ سے

ورثہ میں ملے ہیں کچھ اس طرح دکھائے جاتے ہیں کہ سینکڑوں تہ تیغ ہو جاتے ہیں اور پھر آخر کار خود جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ حضرت کا یہ کام ہے کہ ہر شہید کو اٹھا کر خیمہ میں لائیں جسم کے ٹکڑے جمع کریں اور تجہیز و تکفین میں مصروف رہیں۔

دو روز ہوئے کہ علیؑ اصغر کو پانی نہیں ملا حضرت عباسؑ سے معصوم شہزادہ کی تڑپ دیکھی نہیں گئی مشک لئے تیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے دریا پر گئے ہاتھ کٹ جانے سے بھری ہوئی مشق کو دانتوں میں پکڑے خوشی خوشی واپس ہو رہے ہیں کہ لعینوں نے آپ کو بھی شہید کر ڈالا اضطراب کی تاب نہ لا کر معصوم شہزادے کو خود حضرت حسینؑ اپنے آغوش میں لئے جاتے ہیں کہ شاید اشقیا رحم کھا کر پانی سے پیاس بجھائیں مگر سنگدل دشمن پانی کے بجائے خنجر کی آب سے پیاس بجھاتے ہیں۔ حرم میں بیبیاں منتظر ہیں کہ علی اصغر کو واپسی پر سکون کی حالت میں پائیں مگر دیکھتی کیا ہیں کہ جاتے وقت صاحبزادے کا لباس سفید تھا اور کیفیت اضطراب طاری تھی اور واپسی پر لباس کا رنگ سرخ ہے اور ننھا علیؑ اصغر ہمیشہ کیلئے مصروف خواب!

اس طرح جب علی اکبر و علی اصغر عالم جاودانی کو سدھارے، عباسؑ و قاسمؑ جام شہادت نوش فرما چکے اور کوئی باقی نہ رہا تو حضرت حسینؑ تشریف لیجانے تیار ہوتے ہیں۔ اہالیان حرم یہ دیکھکر کہ جو جاتا ہے واپس نہیں آتا بہ ہزار منت و سماجت آپ کو تشریف لیجانے سے روکتی ہیں سب کو صبر کی تلقین کئے، عابد بیمار کو بوسہ دیتے ہوئے آپ رخصت ہوتے ہیں۔ سر پر نانا کا عمامہ پہنے کمر میں ذوالفقار حیدری لٹکائے گھوڑے پر سوار ہو کر جب بڑھنا چاہتے ہیں تو معصوم صاحبزادی گھوڑے کی باگ پکڑ کر جانے سے روکتے ہوئے چلا اٹھیں ....

بالآخر میدانِ کارزار میں تشریف لا کر آپ نے ایک بصیرت افروز خطبہ پڑھا جسمیں ایک آخری موقع دیا گیا تھا کہ اب بھی وہ حق و صداقت کو پہچانیں اور بدعت سے منہ موڑیں لیکن موذیوں نے ایک نہ سنی چوطرف سے تیروں کی بوچھار شروع ہوئی آپ نے بھی ہزاروں کو لقمۂ اجل چکھایا اور آخر کار .... وہی ہوا جسمیں راز حقیقت پنہاں تھا اور جسکو آپ خوب جانتے ہیں۔

یہ ہے کارنامہ ان نفوس قدسیہ کا جنہوں نے اپنے وطن سے دور دشمنوں میں گھر

ہو مسلمانوں کو درس کہ غیر معمولی ثابت قدمی صبر و استقلال کے ساتھ اپنا گلا کٹا دیا اور اس طرح ایثار نفس و جان کا ایسا زبردست ثبوت دیا کہ تمام قومیں آج تک حیران ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس شہادت عظمیٰ سے مسلمانوں کو کیا سبق ملتا ہے۔؟ :

شہادت حسین نے بتلا دیا کہ جس وقت نفس و شیطان کی بغاوت حد سے زیادہ متجاوز ہو، روحانیت و اخلاق خطرے میں آجائے، روح و قلب پر جب معصیت کا نقاب پڑ جائے اور خدا پرستی و حق گوئی متزلزل ہو جائے تو کلمہ گویوں کا یہ فرض ہے کہ ان بدعات کو مٹانے کے لئے کبھی پس و پیش نہ کریں اپنی گردنیں خنجر ظلم کے آگے جھکا دیں مگر مجاہدانہ حریت سے منہ نہ موڑیں جہاں ہمارا یہ فرض قرار پاتا ہے۔ کہ شہادت کبریٰ کو یاد کر کے خون کے آنسو بہائیں وہاں یہ بھی فرض اولیں ہے کہ شہدا کے صفات، صبر و شکر، رضا و خوشنودی اور عزم و ثبات کی روح کو سمجھیں حسین کے مرتبہ کو اوسکی پوری رفعت تابی کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں جگہ دیکر مقصد کا پتہ چلائیں "قوم کو ماضی کو رونے والوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے افراد کی ضرورت ہے جو حال سے پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے مستقبل کے لئے تیار ہو جائیں۔

دیکھا آپنے واقعہ کربلا کے حقائق جن پر ہمیں غور کرنا چاہئے اور یہی وہ درس ہے حسینؑ جو دنیا کو دینا چاہتے تھے اور جسکی خاطر تمام مصائب برداشت کئے گئے ورنہ کس کی کیا مجال تھی کہ اوس جگر پارے کو انگلی لگا سکے۔ آپ چاہتے تو ایک جنبش پلک سے آسمان و زمین کو زیر و زبر کر دیتے۔ آپ کی ایک آہ سرد سے دنیا خاکستر ہو جاتی۔ زمین پر ایک ٹھوکر سے ہزاروں دجلہ و فرات بہا دیتے۔ لیکن ان تمام قوتوں کو دست و بازو میں رکھتے کے باوجود آپ نے دنیا کی خاطر تسلیم و رضا کے کیسے کیسے وہ مظاہرے کئے کہ دیکھنے والے تو کیا سننے والوں کے آنکھ سے آنسو رواں ہیں اور یہی آپ کی عین کامیابی کی دلیل ہے کہ آپ کی بدولت ہر سال مذہب اسلام میں قوت عمل اور درس عبرت کی تازہ روح پھونکتی جاتی ہے۔ سہ

قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

افسوس اس کا ہے کہ آل رسول پر یہ قیامت برپا کرنے والے غیر نہیں تھے

بیگانے نہیں تھے غیر مسلم نہیں تھے کفار نہیں تھے بلکہ خود مسلمان اللہ اور اوس کے رسول کا کلمہ پڑھنے والے تھے۔ نانا کے ہمنوا رہکر تبلیغ میں حلف وفاداری اُٹھا کر اصحاب بننے کا شرف حاصل کر کے نواسے کے ساتھ یہ حسن سلوک الآمان والحفیظ شاعر نے سچ کہا ہے کہ

ضیا رسبط نبی را کشت آمت
غم آنست دیگر غم چہ گویم

ہندوستان کی عورت کا مستقبل

(اور)

مولانا نیاز فتحپوری

از ابو الکمال صاحب ابراھیمی

عنوان بالا کے تحت مولانا نیاز ایڈیٹر نگار کا ایک مضمون سالگرہ ہمایونی نمبر میں شایع ہوا تھا، جس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی ابو الکمال صاحب ابراھیمی نے ذیل کا مضمون بھیجا ہے، جو شکریہ کیساتھ شریک سفینہ کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کے ختم ہونے پر اصل مضمون اور تبصرہ کی روشنی میں سفینہ اپنے خیالات کا اظہار کریگا۔ نیاز صاحب کو اس سے اختلاف تو نہ ہوگا کہ "تنقید ترقی کی روح ہے" اس تبصرہ میں اگر واقعی ان کے نظریہ کے تحت کوئی مفید اور کارآمد بات نکل آئی ہو تو اعتراف کوئی گناہ نہ ہوگا اور اگر نہیں تو پھر ـــــ باشد خموشی کے سوا اور کیا کیجئے۔ ہاں اگر ہوسکے تو دعا کریں

ع دے اور دل انکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

مولانا نیاز فتحپوری نے "ہندوستان کی عورت کا مستقبل" کے زیر عنوان جو کچھ سپرد قلم کیا ہے وہ محتاج تنقید و تبصرہ ہے۔

وہ لکھتے ہیں:ـــ وہ لوگ جو جدید تعلیم اور ترقی کو مترادف سمجھتے ہیں ان کے لئے یہ امر

یقیناً باعث مسرت ہے کہ ہندوستانی عورت میں علم کا ذوق بڑھتا جاتا ہے اور کالجوں کی کرسیوں پر وہ مردوں کے دوش بدوش بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن عورتوں کا یہ رجحان واقعی قابل مسرت امر ہے؟ کیا عورت کا تعلیم جدید حاصل کر لینا حقیقتاً ملک و قوم کے مستقبل کے لئے کوئی امید افزا بات ہے؟ اس کا جواب آسان نہیں۔"

دنیا کا کوئی انسان شاید ہی تعلیم کو خواہ قدیم ہو یا جدید ترقی کا مترادف سمجھتا یا سمجھ سکتا ہوگا۔ کیونکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ترقی بغیر تعلیم کے اور تعلیم بغیر ترقی کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ کہیں مادہ کا فقدان ہے کہیں ارتقائے روح میں سکون بلکہ اس کا ماتم خیز جمود۔ ہاں! ترقی بعض اوقات بعض یا اکثر افراد انسانی میں من حیث ثمرۂ تعلیم اور نتیجہ تعلیم پائی جاتی ہے پر نخل و ثمر آپس میں ہرگز مترادف نہیں۔ چمن لگانا اور پوری نگرانی سے اس کی پرورش کرنی ہمارے دامن کو پھولوں سے بھر دیگا۔ جو یقینی نتیجہ ہے چمن لگانے اور اس کی نگرانی اور پرداخت کا لیکن یہ دونوں چیزیں مترادف کس طرح ہو سکتی ہیں۔ آم، آم کے درخت کا۔ امرود، امرود کے درخت کا گلاب کا پھول گلاب کے پودے کا ثمرہ یا نتیجہ ہے لیکن جب آم کا درخت بول کر آم اور امرود کا درخت بول کر امرود گلاب کے پودے بول کر ان کے پھل اور پھول نہیں سمجھ سکتے تو یہ آپس میں ایک دوسرے کے مترادف کس قانون و قاعدہ کے تحت میں ہو سکتے ہیں کم از کم فقیر سمجھنے سے بالکل قاصر ہے۔ ذرا اور واضح طور پر غور کیا جائے۔ قلب۔ جنان۔ فواد یہ تینوں الفاظ آپس میں مترادف ہیں یعنی ان کا مفہوم و مصداق ایک ہی چیز ہے یعنی وہ مضغۂ گوشت جس کو دل کہتے ہیں یا دل کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پر یہ تو فرمائیے کہ آم (پھل) اور آم کے درخت، امرود (پھل) اور امرود کے درخت۔ گلاب کے پودے اور اس کے پھول کے مصداق اور مفہوم بالکل جدا گانہ ہیں۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ آم کھائیے تو کبھی بھی اس کا مفہوم یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے پتے اور اس کی لکڑیاں چبائیے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ گلاب کے پھول اپنی عبا میں زیب کاج کیجئے تو اس کا کبھی بھی یہ مفہوم نہیں ہو سکتا کہ گلاب کا پودا اکھیڑ کر عبا کے کاج میں لگا لیجئے۔ فتدبر۔

کوئی ہے جو تعلیم اور تعلیم کے تمام ثمرات سے واقف ہو اور پھر بھی اصناف خواتین کی فزونی ذوق علم سے مسرور نہ ہو؟ کالج میں مردوں کے دوش بدوش مس مریم کا کرسی پر بیٹھنا اور (یونیورسٹی)

مجلس اتحاد میں مسز گداوانز کی شرکت کرسی پر مردوں کے دوش بدوش بیٹھ کر کرنا چاہئے کسی کو بھی آنکھ نہ بھائے یہ اور بات ہے لیکن ان کا یہ رحجان و میلان میرے اور مولانا نیاز کے لئے تو یقینی باعث مسرت ہونا چاہئے جبکہ ہم میں سے کوئی بھی بعث و نشر حیات بعد الممات حساب و کتاب اور ماورائے دنیا سزا و جزا کا قطعاً قائل ہی نہیں کیونکہ ہمارے تمام اعمال ثمرۂ و نتائج اسی عالم میں حاصل ہوتے ہیں اور ہماری قلبی و دماغی اور روحانی انتہائی مسرتوں کا نام بہشت اور انتہائی کلفتوں کا نام دوزخ ہے جو یقینی ہمارے اعمال ہی کے نتائج ہوتے ہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کا زیور تعلیم جدید سے آراستہ ہونا ملک و قوم کے لئے یا اس کے مستقبل کے لئے اُمید افزا امر نہیں ہے؟ اگر ہمارے ملک اور ہماری قوم کو تنازع للبقاء کے میدان میں اتر کر ان تمام کشاکش حیات کا مقابلہ کرنا اور اس جہاد تک دو دو میں بازی لیجانا ہے تو یقیناً خواتین ہند کا تعلیم جدید حاصل کرنا ہندوستان کے مستقبل کو تاباں اور درخشاں بنانے کے لئے اُمید افزا اور قابل قدر سعی ہے۔ خواتین ہند کی جدید تعلیم اور ان کے خدمات پر نیک نیتی سے غور و فکر کرنا اور اس کو بنظر استحسان دیکھنا ہی نہایت آسانی سے اس کا جواب دیگا کہ عورتوں کی یہ تعلیم جدید ملک قوم کے لئے اُمید افزا امر ہے کہ نہیں؟

جب اپنی جگہ پر یہ امر مسلم ہے اور اس کو ایکٹریم کا درجہ علم ہی ہے تو تعلیم و ترقی کا مفہوم متعین کرنے میں بھی کوئی اختلاف ممکن نہیں کیونکہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ جو شخص علم ادب کا ماہر ہے اس کی تمام تر ترقیاں ادبیات میں مسلم اور مکمل ہوں گی۔ جو شخص علم منطق، علم فلسفہ میں مہارت رکھتا ہے اس کی ترقیاں بدرجہ کمال تصورات تصدیقات۔ عناصر۔ اشکال سلبی، ایجابی۔ صغریٰ۔ کبریٰ۔ طبیعات۔ فلکیات تدبیر منزل اور ان کے تمام شعبجات میں اس کو حاصل ہوں گی۔ اور اسی طرح علوم معدنیات نباتات۔ کیمیا۔ جہازرانی وغیرہ وغیرہ

جس چیز نے مشرق کو مغرب سے عرصہ تک علیحدہ رکھا تھا وہ کیا تعلیم جدید کا یہاں فقدان تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ اہل مغرب کی بے تعلقی و بے ربطی۔ آمد و شد کے وسائل کا فقدان یا دشوار گذار بحری سفر جو کسی طرح بھی خطرہ سے خالی نہ تھے اور مہینوں کے بعد طے ہو سکتے تھے۔

آج جو میرا خیال مغرب کے متعلق ہے بعینہٖ یہی خیال ہندوستان کے ان قدیم باشندوں کو

ہوتا اگر وہ مسلمان بادشاہوں کے آخر تاجدار کے عہد حکومت میں تمام قدیم بھارت ورش میں کسی طرح طلسمی فسوں گری کے ذریعہ زندہ کی جا سکتیں۔ بلکہ اس وقت ان میں کا ہر فرد اپنی اپنی قبروں سے نکل کر یا تو اپنی قوم وملک پر ماتم کرتا کہ اس کی تمام قومی خصوصیات و روایات مٹ چکی تھیں یا سلاطین اسلام کا بندۂ شاکر ہوتا کہ انہوں نے غیر مہذب و وحشی قوموں کو تعلیم۔ تہذیب۔ اخلاق۔ تمدن۔ معاشرت کی اعلیٰ تعلیم دیکر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب انسان بنا کر مہذب دنیا کے روبرو لا کھڑا کیا۔ الناس علی دین ملوکھم ای علی طریق ملوکھم۔

مادی دنیا وی ترقی کا مفہوم مادہ سے ہٹکر ہرگز متعین نہیں ہو سکتا۔ رہی روحانی دنیا کی ترقی تو اس باب میں مولانا نیاز کے اور میرے، دونوں کے طائران خیال اپنی اپنی پرواز سے شاید قاصر ہیں اور قاصر ہی ہیں گے بھی۔

اعمال۔ عادات اور اخلاق انسانی کو میرے اور مولانا نیاز کے اعتقاد کے مطابق صرف اسی دنیا سے واسطہ ہے اور بس کیونکہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی حیات بعد الممات کا قائل نہیں۔ مگر اس مادی دنیا کی دنیا وی ترقی صرف علم الاخلاق سے مکمل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو کئی گونہ زیادہ علم المادہ کی ضرورت ہے۔ اور ایسی حالت میں بام ترقی پر ہم اس وقت پہنچ سکتے ہیں جبکہ علوم مادیات کے ساتھ ساتھ علم الاخلاق سے بھی انسان بہرہ ور ہو ورنہ ترقی صحیح معنوں اور مفہوم میں کبھی بھی حاصل نہ ہوگی

مضمون کے ابتدائی حصے میں مولانا نے بہت سے سبجکٹس اور بحثوں کو ملا کر خلط مبحث کر دیا ہے اور "ہندوستانی عورت کا مستقبل" کے عنوان سے ہٹ گئے ہیں اس عنوان کے ماتحت صرف اسی قدر مضمون کے سمانے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کن کن ذرائع کیساتھ ہندوستانی عورت کا مستقبل درخشاں اور کن کن اسباب سے اس کا مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔ مضرت رساں اسباب سے اجتناب کی صرف ہدایات ہی نہیں بلکہ تجاویز قابل اجتناب پیش کرنی چاہئے جو ذرائع ہندوستانی عورت کا مستقبل اس حد تک درخشاں ثابت کرنے میں معین ومدد ہوں کہ وہ اپنے ملک کو غلامی کی لعنت اور سرمایہ داری کے قہر وغضب سے نجات دلا سکیں اور وہ قابل عمل بھی ان کی طرف قوم کو متوجہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر یہ نہ کر کے مولانا مندرجہ ذیل امور کی بحثوں میں بہت زیادہ الجھ گئے۔۔

(۱) مشرق ومغرب کی بحث
(۲) نوع انسانی کی اجتماعی وانفرادی ترقی
(۳) نوع انسانی کی انفرادی خودغرضی کی تکمیل
(۴) عروج عقل وفراست میں شائبۂ خلوص کا ہونا یا نہ ہو
(۵) ترقی کے کھرے کھوٹے (یعنی مفید ومضر) پہچاننے کا معیار وغیرہ وغیرہ۔

ہر وہ شخص جس کی نگاہ گذشتہ تاریخ کے صفحات پر پڑی ہوگی ہرگز یہ کہہ سکے گا کہ مغرب نے جو آج ترقی کی راہیں اور علمی اکتشافات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں وہ پہلے موجود نہ تھے۔ شاید کوئی عامی اگر ایسا خیال کرتا ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ تاریخ عالم کی سطر سطر اور اس کے لفظ لفظ سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان تمام اکتشافات اور ایجادات میں اولیت اور استادی کا سہرا مشرق ہی کے سر تھا۔

میرے خیال میں کوئی نظریہ ایسا نہیں جو عقل کا ساتھ نہ دے اور صرف جذبات کا حامی ہو کیونکہ عقل بذات خود ایک ایسا آلہ ہے جو نظریہ ونوامیس کی صحت وغیر صحت کو پرکھ سکتا ہے اور جذبات پر اعلیٰ واسفل ہونے کا حکم لگا سکتا ہے۔

(۱) نوع انسانی کی اجتماعی ترقی کی مساعی کیا تمام عالم کے انسانوں پر فرض ہے یا کسی ایک ملک کے انسانوں سے اس کا پانا بغیر دوسرے ملکوں کی امداد واعانت کے ممکن بھی ہے یا نہیں یہ بجائے خود ایک اہم سوال ہے۔

۲۔ نوع انسانی کی اجتماعی ترقی کے لئے مساعی صرف مغرب میں نہیں ہو سکتی بلکہ مغرب ومشرق۔ شمال وجنوب ہر چہار اکناف واطراف عالم میں ہونی ازبس ضروری ہے اور اسی صورت میں نوع انسانی کلیتہً اس سے مستفید ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں مغرب سے ایسی توقع رکھ کر خلاف توقع امر ظہور پذیر ہونے کے بعد صرف اسی کے سر الزام تھوپنا ایک طرح کی ناانصافی ہوگی اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل مغرب نے مغرب کے باشندوں کے لئے اور ان کی اجتماعی ترقی کیلئے کون کون سے کام اب تک کئے ہیں؟

۳۔ سب سے پہلے تو یہ کہ وہاں جبری تعلیم ہے۔ جس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ کوئی نسل وخاندان کا خاص فرد یا افراد ہی اس سے بہرہ ور اور منتفع ہوں دوسرے نہیں۔ یونیورسٹیز کالجز اعلیٰ تعلیم گاہیں۔ ادنیٰ تعلیم گاہیں۔ کارخانہ جات مختلف علوم وفنون کے شعبہ جاتی مدارس

یا اعلیٰ درسگاہیں سب کے سب اسی قومی مقصد کو پورا کرنے کے لئے رات دن کوشاں ہیں اور مغربی اقوام کی فلاح و بہبود اور ترقی و عروج کی جدوجہد میں شب و روز منہمک ہیں اور یہ واقعات ہیں جن پر ہمارے خوبصورت اور نظر فریب الفاظ خاک نہیں ڈال سکتے۔

۴۔ عقل و فراست انسانی میں شائبہ خلوص و ہمدردی کا ہونا یا انسانی تباہ کاریوں کا اس کو آلہ اور ذریعہ بنانا یہ ایک اضافی چیز ہے اور مختلف زاویہ نگاہ سے مختلف نتائج متصور ہو سکتے ہیں۔ اور ہر زاویہ نگاہ اپنے مقصد و مطلب کے مطابق اس کی سکت تاویلیں اور تشریحیں کر سکتا ہے۔

۵۔ عقل و فراست ہائے انسانیہ کا مجموعۃً مفہوم پھر وہی ہو گا کہ ساری دنیا کے لوگ انسانی فلاح و بہبود کی خاطر پورے خلوص و ہمدردی کے سر جوڑ کر کوشاں ہوں ورنہ پھر فائدہ محدود رہے گا یا تو کسی خاص ملک و قوم کے ساتھ یا کسی خاص جماعت کے ساتھ۔

۶۔ انسانی عقل و فراست ہی ایک واحد ذریعہ ہے بشرطیکہ اس میں خلوص و ہمدردی ہو جو ترقی کے اسباب کے مفید و غیر مفید ہونے پر حکم لگا سکتی ہے۔ لیکن تمام انسان کا مجموعۃً انسان من حیث انسان اس سے مزین ہونا یا اس تزئیں کیلئے ساعی ہونا ضروری ہے۔

۷۔ جن لوگوں نے کشش زمین کا مقابلہ کر کے اس پر پورا قابو پا لیا ہے اور فضائے بسیط میں اُڑتے پھرتے ہیں ان سے مولانا اگر اس وجہ سے خفا ہیں کہ معصوم انسانوں پر گولہ باری اور مہلک دگیس) بخارات پھینک پھینک کر تباہ کرنا ہی ان کا مقصد ہے تو ان کی خفگی بہت بجا ہے لیکن اگر اس کا یہ مقصد ہو کہ ایک انسان خاص خاص ضرورتوں میں جلد از جلد دور دراز منازل طے کر کے معصوم انسانوں کی جانیں انسانی درندوں سے محفوظ رکھ سکیں یا کی جا سکیں تو پھر فضائے بسیط میں اُڑنے والے طیاروں کو بجائے عقاب کے آپ کو اور ہم کو دونوں کو فرشتہ رحمت ماننا پڑے گا۔ آج جو لوگ اپنی عقل و فراست کو کام میں لا کر اور اس ایجادہ طیارہ میں انسانی یا جماعتی فلاح و بہبود کی خاطر اپنی جان تک قربان کر چکے ہیں ان کو عقاب سے بدتر تصور کرنا آپ ہی فرمائیں کہ اگر ستم نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ حالانکہ عقل و فراست کو کام میں لا کر اُڑنا اور ایک پرندہ کے اُڑنے میں یقینی و لابدی فرق ہے۔ آخر پرندہ پرندہ ہے جو اُڑنے پر مجبور ہے اور

ہے جو آسمان و زمین ہیں۔

(ہندوستانی) عورت۔ تعلیم۔ پردہ

ہندوستانی عورت کیلئے جو بھی نصاب تعلیم اور اسلوب تربیت ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے عقلائے ہند مقرر کریں یہ کوئی اختلاف کی بات نہیں مگر تعلیم تو ان کی اعلیٰ ہونی چاہئے تاکہ وہ ہندوستان کو بیرونی اثر سے یا تو خود آزاد کر سکیں یا اپنی آغوش تربیت میں ایسے مجاہدین پیدا کر سکیں جن کے ہاتھوں میں ہندوستان کی نجات مضمر ہے۔

بیباکی۔ بے حیائی بے حجابی ان لفظوں میں کم سے کم ہم الجھنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ بجائے خود کہنہ اور فرسودہ الفاظ ہو چکے ہیں جن کو ہمارے خیالات کی تنگی اور فرسودگی ہم کو استعمال کرنے پر مجبور کرتی ہے ورنہ ان کے معنی و مفہوم میں صرف اضافی فرق اختلافات ہیں۔ نصف صدی پیشتر اگر کوئی بچی اپنی بڑی بوڑھی رشتہ دار سے بھی آنکھیں ملا کر باتیں کرتی تھی تو باوجود تمام خوبیوں اور اخلاقی محاسن کے بھی وہ بیباک۔ بے حجاب اور بے شرم سب کچھ کہی جاتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں چاہے دوسری بچی اپنے اس رسمی حجاب و شرم کے ساتھ ساتھ کتنی ہی کندۂ ناتراش اپنے گھر کے لئے کنبہ کے لئے۔ شہر کے لئے اور قوم و ملک کے لئے کیوں نہ ثابت ہوتی مگر پھر بھی اس کی تعریف و توصیف کے چرچے گھر گھر ہوا ہی کرتے تھے۔

آپ یقین مانئے کالج کی کرسیوں پر بیٹھنے والیوں اور ملکی و قومی مجلسوں میں بیٹھنے والیوں کی عزت و احترام جس قدر بھی ملک و قوم کی آنکھوں میں ہے اس کی تشریح میں نہیں کر سکتا کہ زبان قلم تحریر سے عاجز اور دنیائے لغت کے تمام الفاظ اس کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے اس فعل کو بعض احباب غائت درجہ کی بے حیائی ہی کیوں نہ تصور کریں۔ افسوس ہے کہ اس ہندوستان کی موجودہ فضا میں ایسی عورتیں تربیت پا نہیں سکتیں جن کی ہندوستان کو ضرورت ہے۔

جناب مولانا! عورتیں تو خود نمائی۔ آرائش اور زیبائش ہی کے لئے تخلیق کی گئی ہیں اور یہ ان کی فطرت میں داخل ہے جو کسی طرح بھی بدل نہیں سکتی۔ ورنہ ان کو عورت نہ بننا تھا بلکہ

کوئی شئے آپ نے ان مذکورۃ الصدر الفاظ میں بے جا اور نارو ا ایڈ جکٹوز کو فضول ہی جوڑ کر ان الفاظ کے تمام حسن و جمال کو بھی داغدار بنا دیا۔ ہاں ان کو اسراف۔ تبذیرا اور خودبینی سے ضرور اجتناب کرنا چاہیئے۔ اخلاق کیا معنی اخلاق حسنہ کو بھی ان صفات سے کسی طرح کا دھکا نہیں لگتا۔

مجھے حیرت ہے کہ یہ کیا آپ لکھ رہے ہیں "میرے نزدیک ایک عورت کی تعلیم کا یہ معیار کہ وہ انگریزی اچھی لکھ پڑھ سکتی ہے غزل خوب کہتی ہے یا افسانے اور عشقیہ مضامین لکھنے میں مہارت تامہ رکھتی ہے انتہائی غلط ہے جتنی پردہ کے باب میں یہ سختی کہ اسکو قدرت کی ان تمام نعمتوں سے محروم کر دیا جائے جن سے فائدہ اٹھانا اس کا فطری حق ہے"۔

کیا یہ عورت کا فطری حق نہیں کہ وہ انگریزی میں بہترین اسپیچ دے اور حیرت انگیز آرٹیکلس اور مقالات لکھے غزل خوب کہے۔ فسانے اور عشقیہ مضامین لکھنے میں مہارت تامہ رکھے وغیرہ وغیرہ ستم ہے اگر آپ کے دست قلم سے ایسی باتیں نکلیں اس میں قباحت ہی کیا ہے؟ وہ کیوں نہ اچھی انگریزی لکھے یا پڑھے۔ اس میں انگریزی علم ادب کا کیا قصور ہے؟ بے چاری عورت نے کیا خطا کی ہے جو آپ کے نزدیک یہ افعال قبیحہ اس سے سرزد نہ ہونے چاہئیں؟ کیا آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اطلبوا العلم ولو کان بالصین یاد نہ رہا؟ یاد تو آپ کو ضرور ہی ہوگا مگر مسلمانوں کی تخریب جس فرقہ و جماعت کے ہاتھوں آج تک ہوتی آئی ہے اس کے ایک فرد اعظم آپ بھی یعنی مولانا نیاز فتحپوری ذوالمجد والفضل بھی تو ہیں دیکھئے مولویوں کی طرح آپ بھی اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیا تاویلیں فرماتے ہیں۔ ہر حال جو کچھ بھی ہو اسکے جواب دینے کی کوشش کیجائے گی۔

ظلم ہے اگر غزال کو غزل کہنے سے روکا جائے۔ وہ تو باعث ہے دنیائے شاعری کی۔ وہ تو سبب ہے بلکہ مسبب ہے۔ غزل گوئی کی۔ اس کی شاعری اور غزل گوئی دنیائے ادب کی ایک بہترین اور بے مثال شئے ہوگی۔ وہ وہ ذات ہے جسکی خوبصورتی حسن سیرت۔ رعنائی و دلبری کو دیکھ کر دنیائے شعر و تغزل سر دھنتی ہے۔ اس کو اگر خود اس سے روکا جائے تو اس کو کیا کیا جائے آپ ہی فرمایئے اور انصاف سے فرمایئے۔

افسانوں اور حکایات کی تو وہ خلاق ہے اور فسانہ نگاری سے اس کو آپ روکتے ہیں

تعجب ہے کہ اب آپ فطرت سے جنگ پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ آپ اور ہم جو کچھ بھی افسانے لکھ لیتے ہیں وہ انہیں آغوش کا صدقہ ہے جو افسانوں کی مصدر اور منبع ہیں جس نے ہماری پرورش و پرداخت افسانوں ہی میں کی۔ جس نے ہمیں ایام طفولیت سے آخر عمر تک افسانے سنائے اور فسانوں کی تعلیم دی جو ماں ہے دنیائے افسانہ جات اور حکایات کی۔

عورت پیدا ہی اسلئے کی گئی ہے کہ وہ عشق کرے۔ اور اس سے عشق کیا جائے۔ وہ معشوق بنے اور عاشق ہو۔ مگر ہر موئی نہو۔ افسوس ہے۔ اس کو کہا جائے کہ عشقیہ مضامین نہ لکھے معشوقہ کی سفاکیاں۔ جفا کاریاں بیوفائیاں ستم شعاریاں اور تغافل و بے اعتنائیاں اگر وہ لکھنا اور بیان کرنا چاہے تو یہ اپنی نوعیت کا بے بدل و بے نظیر مرقع ہوگا کیونکہ وہ معشوق ہے۔ اور اگر عشاق کی وفاداری۔ حرمان نصیبی ناکامی۔ فرقت۔ درد و الم۔ غم ہجر۔ وصال اور اس کی شادمانیاں وہ لکھنا اور بیان کرنا چاہے تو یہ اپنی نوعیت کا بہترین و بے مثال شاہکار ہوگا اس لئے کہ وہ عاشق بھی ہے

مجھے حیرت ہے کہ آپ عورت کو بنانا چاہتے ہیں۔ عورت تو چمنستان عالم کا ایک ایسا پھول ہے جس میں رنگ ہے بو ہے۔ دلفریبی ہے۔ دلکشی ہے۔ نزاکت ہے۔ لچک ہے لیکن اگر عورت میں یہ اوصاف نہیں ہیں تو پھر وہ کونسی شئے ہو کر رہ جائے گی اس کو کیا عرض کیا جائے؟

آپ فرماتے ہیں "عورت و مرد کے باہمی تعلقات کی بنیاد اگر محبت پر رکھی جائے تو یہ صرف جذبات کا کھیل ہوگا جو یکسر انفرادی تشخیصات احساس سے وابستہ ہیں اور اجتماعیات سے انہیں کوئی واسطہ نہیں"۔

عورت تو جذبات ہی سے کھیلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مرد اس کے جذبات سے کھیلے مگر یہ دائرہ محبت نہایت ہی محدود ہوگا۔ دنیائے انسانی ہی صرف نہیں بلکہ دنیائے حیوانات اور عالم نباتات و جمادات میں بھی جو کچھ وابستگی و تعلقات باہمی قایم ہے وہ بھی اسی محبت کی کاریگری ہے۔ محبت کو خدا جانے آپ کس ذہنیت کی بناء پر ایسا خیال کرتے ہیں کہ یہ لفظ آیا اور آپ کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ محبت فرزندی سے لے کر حب وطن تک اس کے جتنے منازل بھی ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اسی سلسلہ محبت کی کڑیاں ہیں جس کے وہم سے بھی آپ گھبراتے ہیں۔
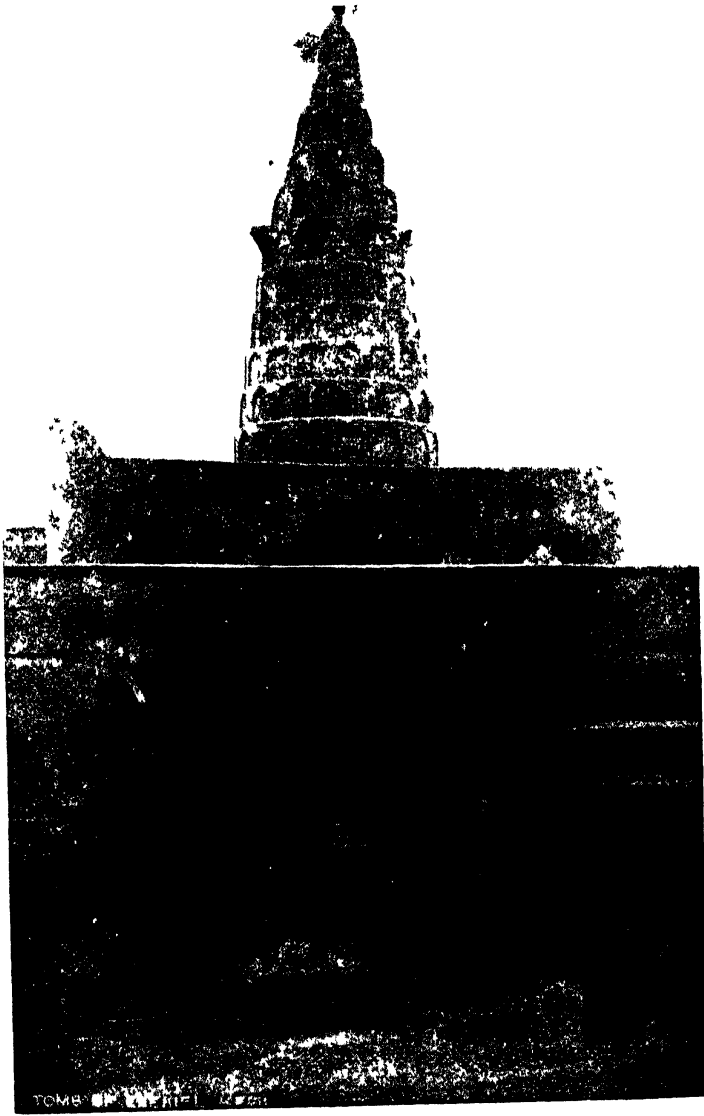
ذوالکفل

ماہنامہ سفینۂ نسواں

حیدرآباد دکن

ALAMGIR TAHREEK I QURAN PRESS

شہر بغداد کا ہوائی منظر

ماہنامہ [illegible] نسواں

حیدرآباد دکن

ALAMGIR TAHREEK I QURAN PRESS

اجتماعیات یا حیات اجتماعیہ کے سلسلہ کی کون سی ایسی کڑی ہے جس کو محبت سے تعلق نہیں؟ محبت و ہوس میں امتیاز نہ کرنے کے باعث اسے ناپائیدار آپ نے فرمایا ہے ورنہ محبت تو ہمیشہ پائیدار اور ایک باقی و ابدی چیز ہے جس کو فنا نہیں۔ ہاں بوالہوسی جس کو لوگ اکثر محبت سے تعبیر کیا کرتے ہیں وہ ضرور ناپائیدار ہے۔ آج اس کارگاہ عالم اور نظام فطرت میں تمام چیزیں صرف جذبہ محبت کی بنیاد پر مربوط و منظم ہیں۔ ورنہ اگر یہ ایک چیز نہ ہوتی تو شیرازۂ عالم کبھی کا بکھر گیا ہوتا اور اگر قیامت کوئی چیز ہے تو وہ اسی بے ربطی یعنی انعدام جذبہ محبت کا نام ہے جس کے بغیر شیرازۂ عالم درہم و برہم ایک روز نظر آئے گا!

عورت کی رعنائی و دلکشی کے انحطاط پذیر ہونے کے بعد اس کی مغلوبیت کا اس کو احساس ہونا ایسا ہی ممکن ہے جس طرح مرد میں اس کی رجولیت۔ مردانگی۔ شجاعت اور دلیری کے انحطاط کے بعد کہ ایک چھوٹی سی بچی کے سہارا بغیر وہ نقل و حرکت کر نہیں سکتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ ننھی! ذرا مجھے سہارا دیکر اٹھا دے یا بٹھا دے اور کارہائے مردانہ اور مہمات شجاعانہ سرانجام دینے پر معنی وارد؟ اس نے اپنی بہادری کے تمام ہتھیار و سپر ایک بچی کے سامنے ڈالدے کہ وہ ہر آن و ہر لمحہ اپنی ہر ہر نقل و حرکت میں اس کا محتاج ہے۔ کیا یہ مرد کی بدترین مغلوبیت نہیں؟

(باقی)

ذرات زریں

"بیماری اور محتاجی" ــــ کا سامنا جہاں کہیں بھی ہو، افسوسناک بلاؤں کا سامنا ہے (ڈکنس)

"عمل" ــــ "قول" سے فزوں تر ہے، باتیں بنانے سے کچھ کرتے رہنا زیادہ بہتر ہے (لانگ فیلو)

مریض غم کے لئے بس ایک ہی درمان ہے ــــ امید! (شکسپیر)

وہ دل جس میں احساس خودداری نہو ــــ جس دل میں خودداری نے اپنی سلطنت قایم نہ کی ہو ــــ اسے اپنی ہستی کی بے مائگی اور ذلت کا احساس دیر میں ہوتا ہے (ڈکنس)

اے روح! در دل کے روزن سے دیکھ ــــ "وہ" وہیں سے تیرا منتظر ہے۔ (لانگ فیلو، [illegible])

حضرت امام حسینؑ کا دشمنوں کے ساتھ سلوک

از

جناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب راشد

ایچ، سی، ایس

دنیا کو مکروفریب کا علم سب سے پہلے اس وقت ہوا جب حضرت آدمؑ کو گندم کے استعمال کی ترغیب دی گئی بعد ازاں جب سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے کم وبیش لوگوں میں مکروفریب اور دروغ وفساد اسی دانۂ گندم کے لئے ظاہر ہوتا رہا ہے مختلف قرنوں اور مختلف قوموں میں اخلاق کا یہ تاریک پہلو غلبہ حاصل کرتا رہا ہے۔ اسی لئے دنیا میں رشی مہاتما پیغمبر اور اولیاء اللہ کا وجود ہوا کہ اخلاق کی اصلاح ہو سکے۔ دنیا کو راہ راست پر لانے کے لئے ضرورت تھی کہ ایک کامل انسان پیدا کر کے توحید۔ حق وصداقت اور اخلاق واعمال صالحہ کا ایک نمونہ بتلایا جائے۔ چنانچہ رحمت باری جوش میں آئی اور رحمت اللعالمین کے وجود مقدس سے دنیا منت کش ہوئی۔ سرکار دو عالم نے اپنی تمام عمر حق پرستی وحق اندیشی۔ صداقت شعاری وراست کرداری کا اقوام عالم کو سبق دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابیوں نے تیس سال تک آپ کی تعلیم جاری رکھنے کی سعی کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ملت بگلشان اسلام نے اتنی ہی مدت کے بعد نفس پرستی کے مظاہرے شروع کر دئے اور خود غرضی کے جذبات ان میں کارفرما ہونے لگے۔ چنانچہ ہوا وہوس کے شکار یزید اپنی بیعت کے لئے آنحضرت صلعم کے نواسے امام حسینؑ سے اصرار کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے معنی یہ تھے کہ خود کو اطوار ذمیمہ کا عامل بنایا جائے۔ حضرت امام حسینؑ نے بیعت نہ کر کے دنیا کو پھر ایک مرتبہ وہی سبق دینا چاہا جو آپ کے نانا نبی اکرمؐ نے دیا تھا۔ غالباً کسی ملک اور کسی قوم کی تاریخ میں ایسا واقعہ نہیں ملے گا کہ کسی ایک شخص نے حق پرستی

کے لئے اپنی اور اپنے سارے خاندان کی جان دے دی ہو۔ اس وقت سید الشہداء کی شہادت کے تمام واقعات بیان کرنا میرا مقصد نہیں ہے مجھے صرف آپ کی یہ خصوصیت خاص تبلانا مقصود ہے کہ دشمنوں کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا اور دوستوں کے ساتھ آپ کیا محبت آمیز اور مخلصانہ برتاؤ رکھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ اپنے اہل و عیال اور رفقاء کے ساتھ میدان کربلا میں سرگرم سفر تھے راستہ میں آپ کو دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ ملا۔ دشمنوں کی حالت یہ تھی کہ پیاس سے تمام سپاہیوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں العطش کی صدائیں فضا میں گونج رہی تھیں ان کے گھوڑے اور دوسرے جانور پیاس کی شدت سے ہانپتے تھے۔ اس دستہ کا سرغنہ حُر تھا جس نے سید الشہداء سے مدافعت کا اظہار کرنے کے بعد اطاعت اختیار کر لی تھی اور حضرت امام حسینؑ سے سپاہیوں کے لئے پانی مانگا۔ حضرت کے ساتھ چند مشکیزے بھرے ہوئے تھے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ دشمنوں کی فوج کو پانی دیا جائے۔ اس پر حضرت عباسؑ نے عرض کیا کہ ابھی ہم کو صدہا کوس کا سفر باقی ہے آگے پانی ملنے میں دشواری ہوگی۔ یہ سنکر حضرت حسینؑ نے فرمایا "کچھ مضائقہ نہیں پانی دے دو میرے بچوں کا خدا حافظ ہے"۔ دشمنوں نے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ ان کے جانوروں کو بھی پانی پلایا گیا۔ کیا آج بھی کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اپنی تمام زندگی میں اپنے کسی دشمن کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہو۔

دوستوں کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا ان کے نیک و بد کو اپنا نیک و بد تصور کرتے ان کے رنج کو اپنا رنج اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے۔ ان کو اور اپنے آپ کو ایک حال میں دیکھنا پسند کرتے۔ چنانچہ حبیب ابن مظاہر جو کوفہ کے ایک رئیس تھے آپ کے نہایت جاں نثار دوست تھے باوجود معمر ہونے کے یہ اطلاع پاتے ہیں کہ حضرت حسینؑ کوفہ کی طرف آ رہے ہیں اپنے گھر سے چل کھڑے ہوئے اور راستے میں آپ سے مل کر آپ کے ساتھ پا پیادہ چلنے لگے حضرت حسینؑ کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ خود گھوڑے پر سوار رہیں اور حبیب پا پیادہ چلیں اس لئے آپ گھوڑے سے اتر گئے اور حبیب کے ساتھ پا پیادہ ہو گئے۔ یہ صفات تھے جن کے سبب سے اسلام آج تک زندہ ہے اگر ہم مسلمانوں میں ایسی خصوصیتیں پھر پیدا ہو جائیں تو عجب نہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب بن جائے۔

تم کون ہو؟

از

محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ حیا

ایم آر اے یس مدیرہ ماہنامہ زیب النساء لاہور

آفتاب نصف النہار جبکہ اپنی پوری قوت دکہا رہا تھا۔ عربستان کے ایک رتیلے چٹیل میدان کے کنارہ چند خرموں کے درخت سایہ افگن تھے اس کے نیچے دو خوبصورت بچے سات آٹھ سال کے ہونگے ایک دوسرے سے ملے بیٹھے رو رہے تھے ایک کے پاؤں میں کچھ چبھ گیا تھا دوسرا نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک عورت سیاہ عبا سر سے پاؤں تک اوڑھے ڈھیلا جوتا پہلے ایک ہاتھ سے گھڑا تھامے دوسرا ہاتھ ہلاتی جوتے کو سرسر کھینچتی ہوئی جلد جلد جا رہی ہے اس کی نظر بچوں پر پڑی بچے اسکو دیکھ کر سہم گئے اس خیال سے کہ مبادا پکڑنے آئی ہو) عورت ٹھہر گئی بچوں سے دریافت کیا تم کون ہو کیوں روتے ہو۔ ایک لڑکا۔ ہم غریب الوطن مسافر یتیم بے سہارا ہیں اپنی قسمت پر رو رہے ہیں تم کون ہو جو ہم کو دریافت کرتی ہو۔

عورت۔ کیا پیاری صورتیں ہیں ماشاء اللہ خدا نظر بد سے بچائے جنگل کا گرد وغبار جو چہروں پر جما ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاند بدلی میں چھپا ہے۔ گلاب کے پھول سے رخسار آفتاب کی تمازت سے کمہلا رہے ہیں (بچوں کو مخاطب کر کے) کیا میں تم کو پیار کر سکتی ہوں۔ اٹھو میرے ہمراہ چلو منہ ہاتھ دہو کچھ کھاؤ۔ میرا گھر قریب ہے میری بی بی تم کو دیکھ کر بہت خوش ہو جائے گی۔

دوسرا لڑکا۔ ہم کہیں جانا نہیں چاہتے ہم آرام نہیں چاہتے اگر زمین شق ہو تو سما جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم ہم کو زمین میں چھپا سکتی ہو تو چلو ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔

عورت آنکھ سے آنسو ٹپکا کر (دل میں) خدا جانے ان بچوں پر کیا مصیبت آئی ہے۔

میرے پیارے بچو ایسے تاشدنی کلمے زبان پر نہ لاؤ خدا تم کو پروان چڑہائے تم پھولو پھلو اپنے ماں باپ کا گھر آباد کرو خدا جانے تم کس کے چشم و چراغ ہو وہ کیا پاک گود ہوگی جسمیں تم نے پرورش پائی وہ کیا مبارک دودھ ہوگا جو تم نے پیا معلوم ہوتا ہے کہ تم بنی ہاشم کے خاندان سے ہو شرافت و نجابت چہروں سے ظاہر ہے یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو لڑکوں نے جو اس عورت سے اس قدر محبت بھری باتیں سنیں تو اس کے ہمراہ چلنے پر آمادہ ہوگئے وہ عورت بچوں کو اپنے ہمراہ لئے اپنی بی بی کے پاس گئی اور سارا قصہ کہا بی بی بچوں کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی ان کے چہروں سے گرد و غبار دور کیا۔ اُن کے گیسوؤں پر ہاتھ پھیر کر اپنے سینہ پر لگالیا پیار کیا اور کہا یہ تو کہو تم کون ہو۔

بچے۔ ہم دونو مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔ کوفیوں نے ہمارے چچا امام حسینؑ کو دھوکہ دیکر بلایا چچا امام نے پہلے ہمارے والد کو بھیجا کہ تم جاؤ وہاں کی حالت دیکھو اگر کوفیوں نے اچھا سلوک کیا تو مجھے لکھنا۔ میں بھی آجاؤنگا۔ جب ہمارے والد کوفہ میں آئے تقریباً آٹھ ہزار آدمی نے بیعت کی یہ کیفیت دیکھ کر والد نے امام حسین علیہ السلام کو لکھدیا کہ آپ آئیے میرے ساتھ کوفیوں کا اچھا سلوک ہے حاکم کوفہ نے جب یہ دیکھا کہ تمام لوگ بیعت کر رہے ہیں تو گھبرایا اور ہمارے والد کو فوراً شہید کروادیا اور ہم کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے ہم لوگ بھاگے بھاگے جنگل جنگل پھر رہے ہیں۔ گھر کی بی بی بے اختیار رو کر اے ہے تم مسلم بن عقیل کے فرزند رسول خدا کے جگر بند تمہاری یہ حالت جس کا کلمہ پڑھتے ہوں اس کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک ضرور ان پر قہر خدا نازل ہوگا۔ نیک بی بی نے بچوں کو کچھ لاکر کھلایا دو چادریں لاکر دیں کہا یہ اوڑھ لو اپنے کپڑے اتار کر مجھے دیدو تمہارے کپڑے دھوکر سکھا کر دونگی تم حمام کر لو نہلا دھلا کر بچوں کو رات کا کھانا کھلا کر ایک کمرہ میں سلایا۔

بچے اپنے دل میں خوش ہوئے کہ جائے پناہ ملی تھکے ماندے کئی روز کے جاگے تھے سو گئے۔ کچھ رات گئے گھر کا مالک آیا اور بی بی سے کہا آج دن بھر مارا مارا پھرا مگر ان بچوں کا کہیں پتہ نہیں لگا۔

بی بی۔ کون بچے اور کس کے بچے اور تم کیوں ڈھونڈتے ہو۔

شوہر۔ ابھی وہی مسلم بن عقیل کے دونو فرزند ہیں جن کی گرفتاری کا حاکم کوفہ نے اشتہار دیا ہے اور کثیر انعام مقرر کیا ہے۔ اگر میری خوش قسمتی سے وہ دونو بچے مل گئے تو میں دونو کے سرتن سے اتار کر جب حاکم کے پاس لیجاؤں گا تو انعام کثیر پاؤنگا۔ اپنے شوہر کی زبان سے اتنا سننا تھا کہ اس خدا کی پیاری بندی کو سکتہ سا ہو گیا۔ حیرت سے شوہر کا منہ دیکھ کر کہا مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم خونی قاتل اور بے دین ہو خدا کے واسطے ایسی شقاوت پر کمر نہ باندھو غریب الوطن مسافر بچے رسول خدا کے رشتہ دار اگر تم کو مل جائیں تو ان کو پناہ دینی چاہئے ان کو بچانا ان کی حفاظت کرنی چاہئے تاکہ ہماری دنیا و آخرت دونوں بخیر ہوں اگر تم نے ان کو نقصان پہنچایا تو یاد رکھو حاکم کوفہ دغا باز مکار ہے ایک پیسہ انعام کا نہ دے گا اور دنیا بھی تم کو برا کہے گی آخرت کا حال تو خدا کو معلوم ہے مگر دنیا بھی تمہارے لئے جہنم ہو جائے گی افسوس تم اپنے تئیں مسلمان کہتے ہو کوئی کافر بھی مہمان بلا کر اس طرح دغا نہ دے گا۔ یہی خیال کرو حاکم کوفہ نے اپنے مہمان کو قتل کر دیا دغا دی تم کو کیا انعام دے گا اگر تمام کوفہ کی سلطنت بھی مل جائے تو اس خیال سے درگذرو۔ دنیا چند روز کی ہے۔ اپنے ہاتھ سے جہنم نہ مول لو۔ ایسی روزی پیدا کرو جس سے خیر و برکت ہو خدا اور رسول خوش ہوں اور اپنا نفس قبول کرے۔

شوہر۔ ہیہ ہیہ (بری آواز سے ہنسکر) تم مجھے سبق دیتی ہو آجتک میں نے کتنے خون کئے کتنوں کا مال لوٹا تم کو خبر بھی ہے اگر تمہاری طرح بزدل ہو جاؤں تو تمام گھر فاقوں مرے

بی بی (دونو ہاتھ سے سر پکڑ کر بے خودی سے) کیا تم ڈاکو قزاق رہزن خونی ہو کیا تم نے دھوکہ دیکر میرے ساتھ شادی کی۔ ہائے میرے والدین کو تم نے جل دیا۔ اچھا تم کو معلوم ہو جائے گا۔ میرے قبیلہ والے دیکھو کیا گت تمہاری بناتے ہیں۔

شوہر۔ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں کیا تم کو یقین آسکتا ہے کہ میں ڈاکو ہوں ایسی نیک بی بی کا شوہر ڈاکو ہو سکتا ہے۔ اب سو رہو ایک بجتا ہے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رونے کی آواز آئی یہ شقی چونکا اور کہا ہائیں کس کا بچہ رو رہا ہے یہ کہتا ہوا چراغ ہاتھ میں لیکر اس حجرے کی طرف گیا جہاں سے رونے کی آواز آ رہی تھی کیا دیکھتا ہے کہ دو بچے ایک دوسرے

سے چلائے ہوئے رو رہے ہیں اس نے دونو سے دریافت کیا تم کون ہو کیوں رو رہے ہو وہ بیچارے مصیبت کے مارے معصوم بچوں نے اپنی سرگذشت سچ سچ کہدی اور کہا میں نے اپنے باپ کو ابھی خواب میں دیکھا ہے میں ان کو لپٹ گیا اُن کے ساتھ جانا چاہتا تھا کہ آنکھ کھل گئی میرے رونے کی آواز سنکر میرا بھائی بیدار ہو گیا وہ بھی رونے لگا اوس نے کہا اچھا تمہارے والد کے پاس کل پہنچا دوں گا۔ اس وقت سو جاؤ۔ اسی کمرے میں ان کو سلا کر قفل لگا دیا تمام رات مارے خوشی کے اس کو نیند نہ آئی اور اسکی بی بی کو رنج و صدمہ کے سبب نیند نہ آئی صبح ہوتے ہی قفل کھولکر دونو بچوں کے ہاتھ پکڑکر باہر نکلا اس کی بی بی آکر تی آئی شوہر کے قدم پکڑ لئے۔ کہا خدا کے لئے رحم کرو میری پناہ میں یہ بچے آئے ہیں ان کو نہ مارو خدا کے لئے ان کو چھوڑ دو میں مثل اپنے فرزندوں کے ان کو پالوں گی۔ ان کے بدل مجھے مار ڈال میں جان دینے کو تیار ہوں للہ معصوموں پر رحم کر۔ یہ چیختی کی چیختی رہ گئی اُس نے ایک نہ سنی دونوں کو لیکر چلا گیا یہ عورت دروازہ کے باہر چلی گئی کہا لے کمبخت ملعون بچوں نے دستر خوان نمک نہیں کھایا ہے۔ کوئی بکرا بھی ذبح کرتا ہے تو پانی دانہ کھلا کر ان کو کچھ کھانے تو دے مگر اس نے کچھ پروا نک نہ کیا چلا گیا۔ فرات کے کنارے جاکر خنجر نیام سے نکالکر ان کے اوپر چلا چکا بڑے نے کہا پہلے مجھے مار میں اپنے پیارے بھائی کو تڑپتا دیکھ نہیں سکتا دونو بچوں نے بلبلا کر ہاتھ جوڑے کہ ہم کو زندہ حاکم کے پاس لے چل وہ جو چاہے ہم کو سزا دے تو ہم کو نہ مار۔

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم

مگر اس کمبخت کے دل میں رحم نہ آیا آخر دونو کے سر تن سے جدا کر دئے تنوں کو تڑپتے فرات کے کنارے چھوڑ دیا اور سروں کو ہاتھ میں لئے حاکم کے پاس پہنچا اور کہا میں مسلم بن عقیل کے لڑکوں کے سر کاٹ کر لایا ہوں انعام کا امیدوار ہوں حاکم نے کہا اے حارث ملعون تجھکو کس نے کہا تھا کہ ان ننھے ننھے بچوں کی جانیں لے میں ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا یا قتل کرنے کا اب تو ایسا خود مختار ہو گیا ہے کہ جس کو چاہتا ہے جان لیتا ہے پھر میری حکومت تو کسی کام کی نہیں یہ کہکر اس نے ایک جلاد کو حکم دیا فوراً حارث کو تہ تیغ کرو اس کا جسد

بے گور و کفن دریا میں پھینک دو۔

چاہ کن را چاہ درپیش

ناظرین۔ عورت کو ناقص العقل بے وفا بے مروت جاہل وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے مگر واقعہ مذکور الصدر سے ظاہر ہے کہ حارث کی اہلیہ کس قدر نیک بخت تھی صرف یہی نہیں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں چنانچہ حضرت زینب علیہا السلام خواہر امام حسین علیہ السلام زندان شام میں مقید کی گئیں تو یزید کی زوجہ ہندہ نے حضرت زینبؑ کو بہت مدد دی قیدخانہ میں ان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کر کے انسانیت اور رحمدلی کا اظہار کیا۔ اسی طرح فرعون کی زوجہ نے حضرت موسیٰ کو پرورش کیا۔ مرد کیسا ہی عاقل و فرزانہ ہو اور کتنا ہی علم حاصل کر چکا ہو وہ اس نعمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے جسکو کہ اللہ جل شانہٗ نے عورت کے سینہ میں دیا ہے جس کا نام دل ہے اس لئے پرورش اولاد کا کام عورت کے سپرد ہے خود فاقہ رہتی ہے بچوں کو کھلاتی ہیں ہر طرح کی مصیبت بچوں کی خاطر برداشت کرتی ہے کن کن آرزو ارمان سے لڑکے کی شادی کرتی ہے لڑکے صاحب ماں کا احسان سب بھول جاتے ہیں بی بی کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں اسی طرح بہنیں بھائیوں پر شیدا رہتی ہیں بہت سی بہنوں نے اپنی پیاری جان بھائی پر نثار کر ڈالی ہے مگر بھائی کو بہن سے بات کرنا بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے ہمیشہ نند بھاوج ساس بہو کا جھگڑا چلتا ہے کوئی ایسی مثال بتا دے جو کوئی بھائی بہن پر نثار ہوا ہو یا بیٹا ماں پر قربان ہوا ہو۔

افسانہ یا حقیقت

از

جناب چودھری غلام احمد پرویز بی اے۔ دہلی

آج افسانوں کا دور ہے۔ تخیل پرستی کا زمانہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض جوہر ایسے ہیں جنہیں ہمیشہ سے فطرت انسانی کے لئے گرانبہا زیور تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ان خصوصیات کا حامل نوع

انسان کے لئے ایک تمثیلی زندگی کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ انسان جب اپنے گردوپیش پر نظر ڈالتا ہے اور رستے چلتے پھرتے آدمیوں میں ایسی تمثیلی زندگی کا مظہر نہیں ملتا تو وہ اپنے ذہنی افکار اور تخیلاتی پرواز سے ایک ایسی ہستی کی تخلیق کر لیتا ہے جو ان جواہر گرانمایہ کی حامل اور اسکی تمثیلی زندگی کے معیار پر پوری اترتی ہو۔ یہ اس کے افسانے کا ہیرو ہوتا ہے اور اس کے کیریکٹر میں فطرت کی بلند مرتبہ خصوصیات جلوہ پیرا ہوتی ہیں۔ ان خصوصیات میں حق و صداقت کے لئے ایثار قربانی۔ والہانہ شیفتگی اور خود فراموشانہ تگ و دو۔ بلا قید زمان و مکان سب سے بلند سمجھی گئی ہیں آیئے آج آپ کا تعارف ایک ایسے ہیرو سے کرائیں جس کا کیریکٹر محض افسانوی نہیں۔ بلکہ ٹھوس حقیقتوں پر مبنی ہے اور آپ خود اندازہ فرمالیں کہ ایسی تمثیلی زندگی واقعی معیار قرار دیئے جانے کے قابل ہے یا نہیں۔

آج سے قریب پانچ ہزار تین سو سال قبل سرزمین عراق میں ایک سرکش و متمرد قوم آباد تھی۔ وہ اس زمانے کے تمدن اور معاشرت تہذیب و عمرانیت۔ ہر چیز پر حکومت کرتی تھی۔ مادی ترقی کے نشے نے انہیں خدا سے بھلا رکھا تھا۔ اور بندگان خدا کے ساتھ جور و ظلم تشدد و استبداد کے تمام جانگسل اور روح فرسا سلوک روا رکھے جاتے تھے۔ بادشاہ وقت بطور دیوتا کے پوجا جاتا تھا۔ اجرام فلکی کی پرستش ہوتی تھی۔ لیکن فطرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہی سر جو رعونت و خشونت کے نشہ میں سرشار۔ سربلندیوں اور سرفرازیوں کے دعویدار تھے۔ جو اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے آگے جھک رہے تھے۔ ایک طرف جابر و ظالم انسانوں کی چیرہ دستیاں اور دوسری طرف خود فطرت انسانی کی یہ ذلت اور پستیاں جب انتہا کو پہنچ گئیں تو قدرت کاملہ اسی قوم کے اندر اس مرکز جہالت و منبع ظلمت سے ایک ایسی عظیم المرتبت ہستی کو پیدا کیا۔ جو دنیا کے لئے خداشناسی کے پیام کا مرکز بھی اور محیط بھی بنا۔ جس کے نور مبین کی ضیا پاشیوں نے ظلمت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر دیا اور جس نے اس ستارہ پرست قوم کو خالق ارض و سما سے روشناس کرایا۔ اور ذلت و پستی کی خوگر فطرت انسان کو اسکی بلند مدارج سے آگاہ کیا۔ یہ بزرگ و برتر ہستی حضرت ابراہیم کے نام نامی سے منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوئی۔

انہوں نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گردوپیش بتوں کے قالب دیکھے۔ کالڈیا کے بازاروں میں گئے تو لوگوں کو انہی مجسموں کے سامنے سربسجود دیکھا۔ کھلی فضا میں نکلے تو اجرام سماوی کی پرستش کے مناظر سامنے آئے۔ انہوں نے ایک ماحول میں پرورش پائی۔ یہ مشہور ہے کہ انسان اپنے ماحول کی تخلیق ہوتا

ہے۔ لیکن ایک عام انسان اور پیغمبر میں یہی فرق ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اس ماحول کے کلیہ کی ایک استثناء ہوتا ہے۔ اس وقت جبکہ اس کے سامنے کوئی مثال موجود نہیں ہوتی وہ بغیر کسی دنیاوی ذرائع کے ایک ان سنے نغمے کی لے سے مست ہوتا ہے۔ جو اسے ایک ان دیکھے خدائے قدوس سے وہبی طور پر عطا ہوتی ہے اور وہ اپنے گرد و پیش سے کنارہ کش ہو کر اس آواز کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ جیسے اس وقت اس کے سوا اور کوئی کان سننے والا نہیں ہوتا۔ یہی وہ فرق ہے جسکی وجہ سے ایک عالم انسان اکتسابی علوم و فنون کی انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود ماحول کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا برعکس اس کے ایک پیغمبر پر اس ماحول کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ہر چند کو اکب پرست قوم کا مجمع گرد و پیش تھا۔ لیکن ستاروں کی نظر فریبی۔ چاند کا حسن و جمال اور سورج کی عظمت و شوکت حضرت ابراہیم کے قلب سلیم کو مرعوب نہ کر سکی اور انہوں نے برملا کہدیا کہ "میں کسی غروب ہو جانے والی ہستی کو دوست نہیں بنا سکتا" (القرآن) یعنی وہ اجرام فلکی جو اپنے عدم و وجود اور طلوع و غروب پر بھی قادر نہیں بلکہ کسی اور نظام کے ماتحت سرگرداں پھر رہے ہیں۔ وہ خدا نہیں ہو سکتے۔

یہ تو اپنے قلب کے لئے تھا۔ اب اس کے بعد دعوت الی الحق کا فریضہ عاید ہوا۔ اور حکم ہوا کہ اپنے ہی گھر سے ابتدا کی جائے۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اپنے باپ کو ہی مخاطب فرمایا۔ اور کہا کہ اے ابا جان آپ ان پتھر کی مورتیوں کی کیا پرستش کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کو کچھ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہیں۔ آپ ان کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کیجئے۔

حق و صداقت کی آواز سے ہمیشہ اعراض کیا گیا ہے۔ ان کے باپ نے انکی ایک نہ سنی۔ اور سنتے بھی کیسے۔ الٹا انکو دھمکا دیا کہ یاد رکھو اگر پھر اس باب میں لب کشائی کی تو سخت سزا دی جائے گی۔

یہ واعظ حقانیت اپنی آواز ان تک پہنچا کر اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ لیکن اب دعوت عام کا وقت آ گیا۔ اور صعوبات و مشکلات کی پر خار وادی شروع ہو گئی۔ جس سے ہر داعی الی الحق کو گذرنا پڑتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں شجاعت قلب جرأت لسان اور قوت بازو کی آزمائش ہوتی ہے۔ پہلی منزل میں اگر خویش و اقارب کے جذبہ محبت کے خلاف جہاد ہوتا ہے تو دوسری منزل میں جملہ ماسوی اللہ سے قطع علائق اور جان و مال کی قربانی کا سوال درپیش ہوتا ہے۔ انہیں اس راہ میں نہایت سنگلاخ منازل سے گذرنا ہوگا۔ مشکل سے مشکل امتحانات سے سابقہ پڑے گا۔ اور قدم قدم پر ہمت و حوصلہ کی آزمائش گاہ

ہوگی۔ یہ وہی راہ ہے جس میں۔

صد منزل است و منزل اول قیامت است

ایسی جابر و سرکش قوم کے خلاف لب کشائی کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ لیکن جو پہلے ہی سربکف میدان میں آئے اسے خوف کس بات کا کہا اور علانیہ کہا۔ بت پرستی کے خلاف عقلی استدلالات پیش کئے۔ مواعظ حسنہ سے تسکین قلوب کا سامان فراہم کیا۔ لیکن تمرد و رعونت انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ کانوں میں ثقل پیدا کر دیتی ہے۔ قلوب پر مہر لگا دیتی ہے۔ "ان کے کان ہوتے ہیں لیکن نہیں سنتے۔ آنکھیں ہوتی ہیں لیکن نہیں دیکھتے۔ دل ہوتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔ وہ انسان نہیں مواشی سے بھی گئے گذرے ہو جاتے ہیں۔ (القرآن)

قوم نے مذاق اُڑایا۔ تمسخر کیا۔ جنون سمجھا۔ لیکن یہ نہ سمجھے کہ جسے حق و صداقت پر مر مٹنے کا جنون پیدا ہو جائے۔ اس کے ارادوں میں کس قدر استقامت، ہمتوں میں کس قدر بلندی اور حوصلوں میں کس قدر وسعت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ قوم نے ادھر منہ موڑا اور یہ ان کے صنمکدہ میں گھس گئے بتوں کو توڑا اور تھوڑا بتوں کے سردار کے کندھے پر رکھدیا۔ یہ کیا تو اس لئے کہ ان کی سمجھ میں بات آجائے کہ جن کو وہ معبود بنا رہے ہیں وہ خود اپنی حفاظت میں جب اس قدر عاجز و بیچارہ ہیں تو ان کی حفاظت و نصرت کیا کرسکیں گے وہ "خداؤں کا خدا" جو یہ بتلانے سے قاصر ہے کہ انکی یہ حالت کس نے کردی۔ انکی دعاؤں کا کیا جواب دے گا۔ لیکن اس سے ان کے جذبات جس قدر مشتعل ہوگئے ہونگے اس کا اندازہ ہے۔

حق و صداقت کی اس باطل شکن آواز کے سامنے جب کچھ بن نہ پڑا تو اپنے ان اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے جو ایسے باطل پرستوں کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ جنہیں اپنی قوت و استبداد پر ناز ہوتا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ انہیں پکڑ کر زندہ آگ میں ڈال دو۔

اللہ اللہ وہ بھی کس قدر صبر آزما مرحلہ تھا۔ سامنے آگ کی شعلہ سامانیاں آمادۂ استہلاک نظر آرہی ہیں۔ یقین ہو چکا ہے کہ اگر اپنی بات پر مصر رہا تو آگ میں جھونک دیا جاؤنگا۔ لیکن شجاعت قلب ہے کہ پیشانی پر بل نہیں پڑنے دیتی۔ صداقت و حق گوئی سے زبان نہیں رکتی۔ صبر و استقلال کے قدم میں ذرا لغزش نہیں آتی۔ اطمینان قلب ہے کہ خوف و ہراس کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا۔ اور

ایمان وایقان ہے کہ توتوں کے اس ہجوم کو تارِعنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ یہ وہ وقت ہے جب دل اور دماغ کی باہمی جنگ شروع ہو جایا کرتی ہے اور اس کشمکش میں کہ

کھینچے ہے مجھے کعبہ تو روکے ہے مجھے دیر

بڑے بڑے صاحب ہمت "منطقی توجیہات" کی خود فریبی میں آکر بارگاہِ عشق سے ہمیشہ کے لئے راندے جاتے ہیں۔ لیکن اس پیکرِ عبدیت۔ کشتہ محبت۔ جاندادہ حق وصداقت کا مقام اس سے بہت بلند تھا وہ خراماں خراماں بڑھا آگ کے جوش کو دیکھ کر متبسم ہوا اور

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جلانے والوں کے سامان بھی کم نہ تھے لیکن بچانے والے کی قوتوں کا بھی کچھ حساب نہیں۔

یہ آزمائش صرف اپنی ذات تک محدود تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی ذات تک تو پھر بھی برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن اہل وعیال اور دولت واموال ایسی گھاٹیاں ہیں کہ یہاں پہنچکر بڑے بڑے اولوالعزم صاحبان ہمت کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں آپ کو بڑھاپے میں ایک بیٹا عطا ہوا۔ ظاہر ہے کہ منتوں اور دعاؤں کا بچہ۔ پھر وہ بھی کبرسنی میں۔ جتنی بھی خوشی ہو کم۔ اور وہ جس قدر بھی پیارا ہو تھوڑا ہے۔ لیکن صحیح آزمائش کا مرحلہ بھی اب ہی شروع ہوا تھا۔ حکم ہوا کہ بیوی اور اس شیر خوار بچے کو ایک ایسی بے برگ وگیاہ وادی میں چھوڑ آئیں جس میں سرسبزی و شگفتگی کا کہیں نشان نہ ہو۔ محبوب اور پیارے بچے اور رفیقہ حیات کو یوں کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا ہی کچھ آسان نہ تھا۔ لیکن ابھی اس سلسلۂ ابتلا وامتحان کی آخری کڑی باقی تھی۔

بچہ بڑھا۔ پھولا پھلا۔ برابر کا جوان ہوا۔ اس قابل ہو گیا کہ باپ کے ساتھ کاروبار کو جانے لگے۔

تو حکم ملا کہ اے ابراہیم اس بچے کو ہمارے نام پر قربان کر دو۔

اللہ اکبر۔ کہنے کو تو یہ حکم ایک واحد جملہ میں ادا ہو گیا۔ لیکن

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے۔

بال بچوں والے ذرا کلیجہ تھام کر سوچیں تو سہی کہ اس حکم کی تعمیل میں کتنی قباحتیں پوشیدہ ہیں ایسا اللہ آمین کا بچہ۔ برابر کا جوان بیٹا۔ عصائے پیری۔ تمام زندگی کی امیدوں کا ایک ہی آسرا۔ اور

اسے یوں اپنے ہاتھوں ذبح کر دیا جائے۔ اپنا سرمایہ حیات اپنے ہاتھوں لٹا دیا جائے۔ لیکن پریت کی ریت نیاری ہے۔ دیار محبت کے قانون باقی دنیا سے بالکل الگ ہیں۔ وہاں تو اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حکم ملا اور لبیک۔ اللھم لبیک کہتے ہوئے۔ سر جھکا دیا۔ ماں نے بیٹے کو نہلایا دھلایا۔ گویا عید کے لئے بیٹے کو تیار کر رہی ہیں۔ راستے میں باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ "اے جانِ پدر مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر دوں۔ کہو تمہارا کیا خیال ہے۔ (القرآن)

سوال آپ نے سن لیا۔ اب اس بچے کا جواب بھی سن لیجئے۔ کہا کہ

"اباجان۔ جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے اسے بلا تامل کر گذریئے۔ مجھے انشاء اللہ آپ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے" (القرآن)

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ باپ تو ان ارادوں کا باپ۔ ماں تو اس حوصلے کی ماں۔ اور بیٹا تو ان جرأتوں کا بیٹا۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا۔ چھری ہاتھ میں لے لی۔ آسمان ساکت تھا کہ اسکی آنکھوں نے کبھی ایسا تماشا نہ دیکھا تھا۔ زمین تھرا اٹھی کہ اسمعیل کے خون کے ایک قطرہ کی بھی وہ متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ فرشتے محو حیرت کہ اے اللہ انہی انسانوں میں ایسے ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ باپ نے محبت اور جذبات اور بیٹے نے اپنی جان و نفس کو محبوب حقیقی کے ایک اشارے پر قربان گاہ عشق و محبت میں بے تکلف نذرانہ کے لئے حاضر کر دیا۔ لٹا دیا۔ اور چھری حلق پر رکھدی۔ ہاتھ کو جنبش ہونے ہی والی تھی کہ آواز آئی۔

"اے ابراہیم۔ صد مرحبا! تو نے تو کمال کر دکھایا۔ بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دیا۔ یہ امتحان بہت بھاری تھا۔ اس کے بدلے میں ہم تمہیں ایک بڑی قربانی دیتے ہیں۔ جو قیامت تک باقی رہے گی۔

یہ وہ مقام تھا جہاں پہنچکر حضرت ابراہیم کو دربار خداوندی سے ایک خطاب عطا ہوا اور وہ "مسلم" کا خطاب تھا۔ یعنی جھک جانیوالا سپرد کر دینے والا۔ تسلیم و رضا کا پتلا۔ اطاعت و انقیاد کا مجسمہ اور یہ خطاب فی الحقیقت تھا بھی ان کے شایاں شان ؂

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا۔

اس جان دادۂ محبت کی قربانیوں کا تقاضا تھا۔ ایک عظیم الشان یادگار قایم کیجاتی جو قیامت تک باقی رہتی۔ دنیا میں خدا پرست انسانوں کی عبادت کا کوئی مرکزی مقام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے

اس تبکدۂ عالم میں ایک "اپنا گھر" بنانا چاہا اور اس کے لیئے خشک اور بے برگ و گیاہ وادی کی اسی صحرائی قربانگاہ کو منتخب کیا۔ اور اس یادگار کی تقریب میں انہی باپ بیٹے کو حکم دیا کہ اینٹ اور مٹی کی ایک چاردیواری بنا دیں۔ اور "خدا کا گھر" کہلایا۔ یہ مٹی اور پتھر کی عمارت جس کا سنگ بنیاد ان مقدس ہاتھوں نے رکھا تھا کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ بنی۔ چشم فلک نے ہزاروں عمارتیں اٹھتیں اور پھر خاک میں ملتی دیکھی ہیں۔ لیکن اس وحشتناک دشت بیابان میں دو غریب انسانوں کی بنائی ہوئی عمارت پانچ ہزار سال سے اپنی تعمیر کی شہادت دیتی چلی آ رہی ہے۔ دنیا میں ہزاروں انقلاب آئے۔ جنہوں نے زمین کے نقشے بدل دیئے۔ لیکن تمام حوادث ارضی و سماوی سے محفوظ رہی تو یہی مٹی اور پتھر کی چاردیواری۔ بڑی بڑی متمدن قوموں کی تاریخی روایات لوگوں نے سنیں اور بھلا دیں۔ بڑے بڑے جابر و ظالم شاہنشاہوں کے کارنامے صفحات تاریخ میں محفوظ ہوئے اور مٹ گئے۔ لیکن اس برگزیدہ ہستی کی قربانی کی یادگار پانچ ہزار سال سے آج تک قایم ہے۔ کیونکہ خدا کا ان سے وعدہ تھا کہ "ہم تمہاری یاد دنیا میں باقی رکھیں گے"۔ (القرآن)

آج بھی ہر سال۔ دنیا کے گوشے گوشے سے امیر و غریب۔ بادشاہ اور فقیر کشاں کشاں اس مرکز توحید کی طرف چلے آتے ہیں اور وہاں تمام دنیاوی امتیازات کو دور پھینک کر اپنے سب کے مشترکہ خدا رب العلمین کے حضور میں سر جھکا کے کھڑا کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس "خدا کے گھر" معمار اولیں جناب ابراہیمؑ کے نقش قدم پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جن کے لئے قرآن نے کہا ہے کہ "تمہارے لئے ابراہیم کی زندگی ایک نمونہ کی زندگی ہے"۔

کیوں! ہے نا یہ زندگی تمثیل کہلائے جانے کی مستحق۔ جن کے ہاں ایسی حقیقتیں موجود ہوں وہ کسی افسانوں کے ہیرو کی تلاش میں کیوں سرگرداں پھریں۔

ستم است گر بدست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درا

پرویز (دفاعی لاہور)

دعوت عمل

بہ یاد سید الشہدا

شمع با بردہ ام از صدق بخاک شہدا
تا دل و دیدہ خونبانہ فشانم دادند

دنیا کے لئے فطرت الٰہی میں بہت سی کھلی ہوی بصیرتیں ہیں جن کو رسم و رواج کے پردوں نے ڈھانپ لیا ہے۔ بہت سے حقائق ہیں جو کم نظروں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ لیکن پردوں اور نقابوں سے فطرت الٰہی کا چہرہ انور کتنا ہی ڈھانک دو اوس حقیقت عظمیٰ کی نوعیت تو وہی باقی رہتی ہے

تقریباً ۱۳ سو برس پہلے، ہجرت نبوی سے ۶۱ سال بعد اوس چشم و چراغ خاندان نبوت اور تربیت یافتہ آغوش نبوی نے میدان کربلا میں ایک عظیم الشان امتحان کی دعوت پر لبیک کہا اور اس معرکۂ خونین میں اپنے جسم کا آخری قطرۂ خون بہا دیا ــــــ اس لئے نہیں کہ دنیا ان کو یاد کرتی رہے بلکہ اس لئے کہ اون کے عمل روز " اسوۂ حسنہ " کی ایک عظیم الشان مثال اون کے نانا کی امت کے لئے ابدالآباد تک چراغ ہدایت ہو! واقعہ کربلا نے محض ہماری آنکھوں ہی کے لئے سامان اشک بہم نہیں پہنچایا بلکہ ہمارے دلوں کے لئے روشنی کے دروازے کھول دئے!

فطرت الٰہی انسانوں کی تربیت و تہذیب کے لئے شریعت کی کتابوں کو کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ ہمارے سامنے انسانیت کے زندہ نمونے پیش کرتی ہے۔ کہ وہ ہمارے رہنما ہوں " کتاب " شریعت کے احکام بیان کرتی ہے مگر " سیرت " عمل کی راہیں بتاتی ہے۔ اشخاص اور احکام سے زیادہ اشخاص کے اعمال ہماری زندگی کی تاریکیوں کو روشن کرتے ہیں۔ یعنی ہم قول اور عمل اور " حکم " و " تسلیم " کے اہم امتیازات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ " الانبیا " " الصدیقون " " الشہدا " اور " الصالحین " سب ہی دنیا میں ایک پیام عمل لے کر آئے لیکن اگر انہوں نے محض احکام ربانی کو قوموں کے سامنے بیان کرنے پر آمادہ کیا ہوگا۔ اور ذوات کے اندر فطرت الٰہی شمع النور روشن کر کے دنیا کے سامنے نہ رکھی ہوتی

تو پھر انسانوں کو فلاح و سعادت کی منزل کا پتہ کیوں کر چلتا؟

اہل نظر کے لئے کربلا کی داستان خونیں میں بصیرت اور سعادت اور حیات جاوداں کے اتنے گرانمایہ راز محفوظ ہیں کہ خاک کربلا کی ایک مٹھی اٹھا کر ساری عمر اس کا احترام کئے جائے! لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری آنکھیں شہدائے کربلا کے لئے روتی ہیں۔ مگر ہمارا دل خون خالص کا ایک قطرہ بھی ان کی یاد پر قربان نہیں کرتا! عمل کی یہ سستی اور سہل انگاری ہم کو کتنی سعادتوں سے محروم رکھتی ہے! حالانکہ شہید کربلا نے ہمارے لئے جو نقش قدم چھوڑا ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ ......

جگر خون ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا ایسی ہے کوئی جو اس

داستان اشک میں بصیرت و ادراک کا کوئی راستہ پیدا کرے؟

اس مختصر فرصت میں یہ سطریں جو لکھی جا رہی ہیں محض تبرکاً ہیں۔ والا حال تو یہ ہے کہ اگر تاریخ اسلام کے اس بصیرت افروز حادثہ عظیم کی عرفانیات کا کوئی ایک پہلو پیش نظر رکھا جائے تو اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے ان آنسوؤں کے تمام سمندر ناکافی ہیں جو ۱۳ سو برس سے بہائے جا رہے ہیں! اگر ہم وہی کہیں جو کچھ کہ شہدائے کربلا کی حریت اور حق پرستی کے متعلق ہر سال کہا جاتا تو کوئی کان ایسا نہیں جو ان اذکار سے آشنا نہ ہوا نہ کوئی آنکھ ہے جس سے کبھی نہ کبھی دو آنسو نہ گرے ہوں لیکن ہم تو کچھ اور کہنا چاہتے ہیں ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میدان کربلا میں "حق پرستی" اور "حریت" کی جو قیمت ۱۳ سو برس پہلے تھی وہ اب ہماری زندگی کے بازاروں میں بہت گر گئی ہے؟ الفاظ باقی ہیں مگر ان کی معنویت فنا ہو رہی ہے۔ ہر مسلمان کہتا ہے کہ شہیدوں کے اس سردار نے "حق" کی خاطر اپنے خون کے آخری قطرہ کو کربلا کے ریگستان میں بہا دیا۔ سب کہتے ہیں کہ اس نے میدان کربلا میں عصبیت اور حریت اسلامی کا ایک لازوال مینار تعمیر کر دیا۔ لیکن کتنے ہیں جو یہ بتا سکیں کہ وہ "حق" تھا کیا اسے کیا جس کے لئے خاندان رسالت کی مقدس گردنیں اشقیا کی تلواروں پر رکھی گئیں! اور پھر یہ کس کو معلوم ہے کہ اس "عمل صالحہ" کی روحانی اہمیت کیا تھی جس کی یادگاروں پر ہم آج ۱۳ سو برس بعد عقیدت و محبت کی نذریں پیش کر رہے ہیں۔

وہ جو دنیا میں امتوں اور قوموں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے آتے ہیں وہ نہ تو کوئی مادی اسلحہ اور دنیوی ساز و سامان لے کر آتے ہیں نہ ان کو دنیا کی قوت اور سطوت حاصل ہوتی ہے۔ اس
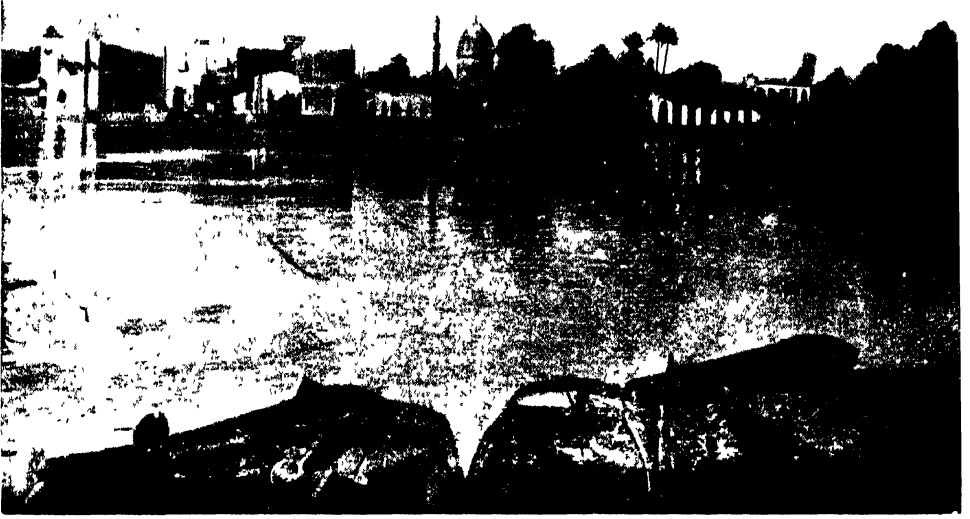
ساحل دجلہ پر بغداد کا منظر
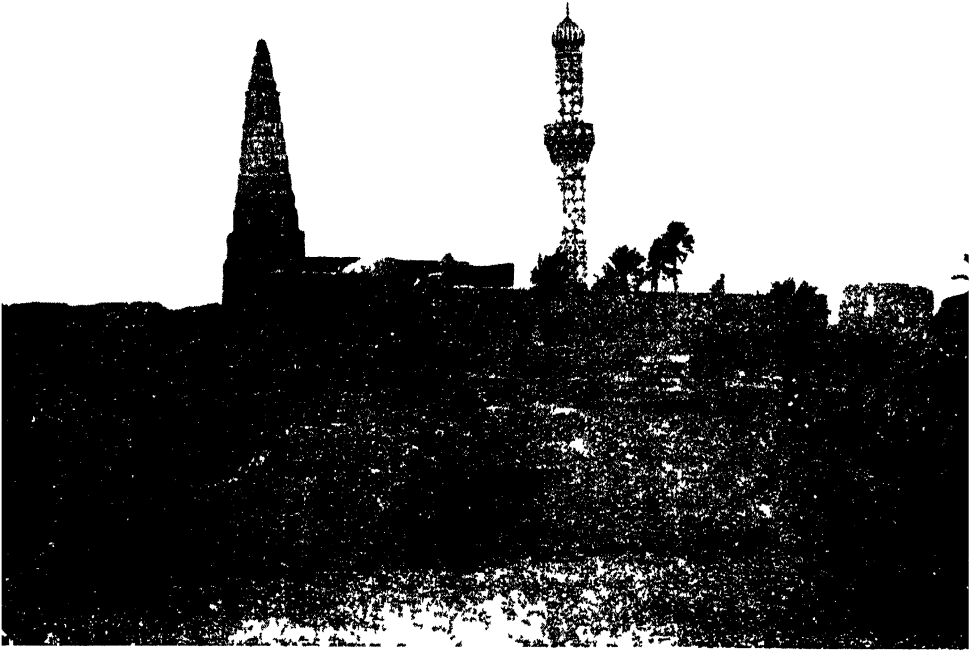
ماہ نامہ سفینۂ نسواں

حیدرآباد دکن

ALAMGIR TAHREEK-I QURAN PRESS.

روضہ حضرت معروف کرخی (ا ح)

ماہ نامہ سفینۂ نسواں

حیدرآباد دکن

ALAMGIR TAHREEK-I QURAN PRESS.

حیثیت سے وہ بالکل تہی دست ہوتے ہیں لیکن ضلالت اور ہدایت کے معرکہ میں اون کے روحانی اسلحہ خانہ کا سب سے قوی حربہ وہ ہوتا ہے جس کو "قربانی" کہتے ہیں۔ — ایک "تسلیم کامل" ایک مظلومیت حقہ! اور یہی جذبہ "تسلیم و رضا" اور یہی شان مظلومیت اون کے "عمل صالحہ" کی روح رواں ہوتی ہے پس اگر مردان خدا کی حق پرستی و حریت کا ذکر کرو تو اون کے "عمل صالحہ" کی اصلی روح کو نظر انداز نہ کرو اگر اون کے خون کے قطروں پر صرف چند آنسو ہی گرا سکتے تو یقین جانو کہ تم "حق" کو بہت ہی سستے داموں خریدنا چاہتے ہو! اور اگر تم اون کے "عمل صالحہ" کا اعتراف اپنے "عمل صالحہ" سے نہیں کر سکتے تو پھر حمد و ثنا کے وہ دریا جو تم بہاتے ہو اون کا پانی یقیناً گدلا ہے!

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں سید الشہداء کی سیرت کے متعلق جو حقیقت عظمیٰ ہماری نظروں کے سامنے ہے اور جس کو ہم اکثر نہیں دیکھتے وہ تو یہ ہے کہ جب "حق" کے اعانت کا وقت آتا ہے یا "باطل" سے مقابلہ آپڑتا ہے تو اوس وقت "حق" کا داعی اپنی دنیوی قوت اور طاقت کے کم و بیش کی فکروں میں نہیں الجھتا۔ ایک منزل جب اس کے سامنے ہوتی ہے تو راستہ کی مشکلات اوس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک نہیں سکتیں وہ جب اس طرح "حق" کے میدان میں آتا ہے تو اکثر دنیوی اعتبار سے ضعیف اور بے یار ہوتا ہے اور پھر یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ اوس کے مقابلہ میں "باطل" قوی نظر آتا ہے اوس وقت دنیا والے جو اپنی میزان عقل میں قوی اور ضعیف کو قوت اور ضعف کے اعتبار سے تولتے ہیں اکثر دھوکہ کھاتے ہیں تا آنکہ "مرد حق" کا کوئی عمل قوی جنس باطل کی کھوٹ ثابت کر دے!

واقعہ کربلا سے پہلے یہی ساری دنیا میں ایک مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جو شخصی طور پر پیغمبر کے محبوب نواسے کو محترم اور محبوب نہ سمجھتا ہو۔

لیکن اون کے لئے شخصی عظمت کی وہ سند کافی نہ تھی اون کا مقام اوس مرتبہ سے بہت بلند تھا خدا کی بارگاہ میں یہ سعادت اون کے لئے مخصوص کی گئی تھی کہ وہ پیغمبر اسلام کے "اسوہ حسنہ" کا ایک بے مثال عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے اسلام کی تعلیمات پر اپنے مقدس خون سے ایک حاشیہ لکھیں! پس آج کربلا کی جو یادگار ہمارے پیش نظر ہے وہ محض اشخاص اور افراد کی یادگار نہیں ہے بلکہ اون کے "عمل" کی یادگار ہے۔ یادآوری حادثوں اور تاریخی واقعات کی نہیں ہے۔ بلکہ یادآوری ان سچائیوں کی ہے جو شہدائے کربلا اپنی زندگیوں کے اندر رکھتے تھے۔ دنیا اون سچائیوں کی طرف

کبھی کبھی قدم تو اٹھاتی ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ راستے میں ہی گم ہوجاتی ہے!

(پیام)

سرورِ عالم کا شاندار کارنامہ

از

سید محی الدین صاحب ہاشمی حاکم

دنیا کے تمام مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ روز روشن کی طرح اظہر من الشمس ہے کہ حضور اکرم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں ہر طرف ظلمت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اور خدا پرستی کی جگہ بت پرستی ہورہی تھی۔ بے وقوف ہی نہیں بلکہ سمجھدار آدمیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ بت قابل پرستش ہیں کیونکہ ان کے اندر غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں خدا کے کارخانے میں ان کو خاص اختیارات حاصل ہیں قیمتوں کے فیصلے ان کی مرضی و رائے سے بدلتے ہیں۔ نفع وضرر پر ان کا اقتدار ہے خیر و شر کے وہ مالک ہیں اور کائنات کی تمام قوتیں ان کے تابع ہیں ان خیالات کی بنا پر وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے آنحضرت نے جلوہ افروز ہوکر ان عقائد فاسدہ کی تردید کردی اور صاف بتا دیا کہ اے پتھروں کے ٹکڑوں کا خدائی طاقتوں اور خدائی کاموں میں ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے سارے عالم کا خالق و مالک صرف خدائے واحد ہے ہر سمجھدار آدمی کا فرض ہے کہ اسی کے آگے سر جھکائے اسی کی رضا طلب کرے اسی کو خالق کل و قادر مطلق سمجھے اور یہی سب کا پالنے والا اور سب کی زندگیاں ختم کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے بے نیاز ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہر چیز اسی نے پیدا کی ہے اور وہی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے دنیا کی تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر شئے کی خلق و تربیت میں اسی کا تصرف ہے۔"

مشکل ہے بہت صاحب ایمان ہونا ۔۔۔ کچھ کھیل نہیں ہے حق پہ قربان ہونا
یاں مشغلِ حسینؓ سر قلم ہوتا ہے ۔۔۔ امجدؔ! آسان نہیں مسلمان ہونا

عورتوں کا سوراج

از

جنابہ اقتدار منظور صاحبہ (مسنر منظور حسین ماہر القادری)

ذیل کا مضمون اپنی نوعیت کا پہلا ہے جو آج سفینہ میں شائع ہو رہا ہے۔ اقتدار صاحبہ نے اپنی بہنوں کو "میدان عمل" میں اُتر آنے کی دعوت دی ہے، مگر کسی قدر بگڑی ہوئی صورت کے ساتھ دوا مرض کو دفع کرنے کی خاطر پی جاتی ہے۔ لیکن وہ ایسی دوا چاہتی ہیں جو مریض کو دفع کر دے، موصوفہ کے یہ خیالات اسلامی تعلیمات سے ہٹے ہوئے اور مغربی اثرات کے تحت ظاہر ہو رہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مرد ظالم، غاصب، اور ستم پیشہ ہیں، اس کا تو ہم کیا جواب دیں اور اگر دیں بھی تو وہ یا ان کی دوسری ہم خیال بہنیں کب مانیں گی۔ وہاں تو آزادی کا مطالبہ ہے، روحانی نہیں بلکہ جسمانی کیونکہ روحانی آزادی تو انہیں اب بھی میسر ہے، دنیا کی کوئی طاقت اِس آزادی کو سلب نہیں کر سکی اسلام نے عورت کے درجہ کو جس قدر بلند کیا کوئی دوسرا مذہب اسکی مثال پیش نہیں کر سکتا آج عالمی نسائی دنیا تعلیماتِ اسلامی پر جس قدر ناز کرے بجا اور کم ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ عورت کو "گڑیا" بنا کر کہیں کسی طاق کی زینت بنا دیں، نہ ایسا کہیں ہوا نہ ہو رہا ہے ہاں باہر وہ چیز جو اپنی حد سے تجاوز کرے اپنی بعض اہم ترین خصوصیات کھو بیٹھتی ہے یہی حال فی زمانہ ہماری مغرب زدہ مسلم بہنوں کا ہے۔ وہ "نقاش ازل کے لاثانی شاہکار" اب بھی ہیں، مگر اپنی بعض خصوصیات کھوئے ہوئے۔ عورت اسی وقت تک عورت ہے جب وہ اپنی "نسائیت" کی شان کو قائم رکھے، مردوں سے سوراج کا مطالبہ کرنا کیا دوسرے معنوں میں "جسمانی آزادی" کا پروانہ حاصل کرنا نہیں ہے جو مغربی تہذیب کی گرویدگی اور مغربی طرز کی تعلیم خدا جانے ابھی اور کیا رنگ لائیگی

آجکل کی نوے فی صد لڑکیاں آزادی کی طالب ہیں، آہ وہ آزادی جس کے حیا سوز اور عبرت انگیز نظارے آئے دن مغربی دنیا پیش کر رہی ہے، اب کون سمجھائے کہ مغرب "عورتوں کی آزادی" (یعنی اختصار صاحبہ کی اصطلاح میں سوراج) کو اب قومی خودکشی سے تعبیر کر رہا ہے، وہاں عورت کو جو کل تک "شمع محفل" تھی آج "چراغ خانہ" بنانے کی فکر ہو رہی ہے۔ "ماں کی گود بچہ کی اولین درسگاہ ہے" اب ہماری آئندہ نسل اس درسگاہ سے کیا درس لیکر اُٹھے گی، اس کے بتلانے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہ دورِ ترقی ہے، کج فہموں کے نزدیک ورنہ ہم تو اس اُبھار کو غرقِ آب ہونے والی نعش سے تعبیر کرتے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ کتنے مرد ایسے نکلتے ہیں جو "غریب عورتوں کے اس جائز" اور "حقیقی" مطالبہ پر لبیک کہتے ہیں، یہاں ان سے مخاطبت نہیں جن کی عقلوں پر بقول اکبر پردہ پڑگیا ہے اس سلسلہ میں اگر کوئی جوابی نوٹ دصول ہو تو سفینہ کے صفحات ہر وقت حاضر ہیں ——— اختر قریشی

میرے خیال میں انگریزوں سے سوراج کا مطالبہ کرنے سے پہلے ہم کو ہندوستان کے مردوں سے سوراج لینا نہایت ضروری اور لازمی امر ہے۔ انگریزوں سے کہیں زیادہ یہہ قوم غریب عورتوں کے ساتھ حق تلفی اور ظلم کر رہی ہے۔

مجھکو سخت تعجب ہے کہ محترمہ مسز نائیڈو انگریزوں سے حقوق طلب کرنے کی غرض سے لندن تشریف لیگئی تہیں۔ لیکن ہندوستان کے مردوں سے آج تک اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کیا حالانکہ ان لوگوں کے مظالم کی وجہ سے ہماری ہزاروں بہنیں رنج و مصیبتیں اٹھاکر ہمیشہ کے لئے موت کی آغوش میں سوگئیں۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں دق اور سل کا شکار بنکر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں

میں یہہ کہنے کے لئے ضرور تیار ہوں کہ شاید دنیا میں مرد سے زیادہ ظالم اور خودغرض کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔

ہندوستانیوں نے انگریزوں کے ساتھ ہرگز اس قدر وفاداری اور اعتنا نہیں کئے جس قدر یہاں کی

عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ مگر ان تمام وفاداریوں و خدمت گذاریوں اور احسانات کا ہم کو جو صلہ وہ صرف ستم و جفا ہے۔

تری تیغ جفا ہے اور میں ہوں
وفاؤں کا صلہ ہے اور میں ہوں

مولانا حالی مرحوم اپنی تصنیف چپ کی داد میں مردوں کے ظلم اور خود غرضی کا ایک مختصر نقشہ دکھا گئے ہیں۔ بہنو اسکو پڑھو اور غور کرو کہ تمہارے اوپر دنیا کا وہ کونسا ظلم و ستم تھا جو نہ توڑا گیا ہو۔ تم نے کون سی وفا اور کونسا احسان ان بیوفاؤں کے ساتھ نہیں کیا۔

بقول حالی مرحوم
کیں ان پہ جانیں تک فدا
کہلائیں لیکن بیوفا

میری پیاری بہنو! اب غفلت کا وقت ہرگز نہیں ہے دنیا کی ہر قوم کو اپنی حق تلفی کا احساس ہوگیا ہے اور اپنے حقوق کے لئے کوشش میں سرگرمی سے کام کرتی نظر آرہی ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ تم ابھی تک خواب غفلت ہی میں محو ہو۔ خدا کے واسطے خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ چونکہ وقت نہایت قلیل رہ گیا ہے۔ اور تم دنیا کی تمام جماعتوں سے پیچھے اور بہت پیچھے ہو۔ لہذا جس قدر بھی ہو اس کام میں جلدی کرو۔ اب بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جبکہ تم کنیزوں سے بھی بدتر ہو جاؤ گی۔

گو حقیقی معنوں میں تو اس وقت بھی کنیز اور لونڈیوں سے کچھ کم نہیں سمجھی جاتی ہو۔ تاہم جو صرف نام کے بیگم اور ملکہ کے خطابات ہیں یہ بھی نہ رہیں گے۔ للہ اپنی حالت کو سنبھالو اور اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ تم کو اس وقت تک ہرگز تمہارے حقوق نہیں مل سکتے جب تک کہ تم اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو جاؤ گی۔ نیز پوری قوت سے کام نہ لو گی۔

کوشش کرو۔ اور جلد کرو

تمہارا یہ خیال کر لینا سخت غلطی ہے کہ تم صبر سے وفاداری کئے جاؤ ضرور اس کا ایک روز صلہ ملیگا۔ ہندوستان کے مردوں سے ہم کو وفا کا گمان کرنا غلطی اس شعر کے مطابق ہے

ہم کو ان سے دفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب سینکڑوں برس کے صبر و تحمل کا کچھ آج تک نتیجہ نہیں نکل سکا تو آئندہ بھی ہم کو کیا اُمید رکھنا چاہئے۔ اس خیال خام کو قطعی دل سے نکال دینا چاہئے میں اُمید کرتی ہوں کہ میری اس ناچیز مختصر تحریر پر جناب محترمہ مسز نائیڈو، صغرا ہمایون مرزا، اکبر النسا بیگم اور نذر سجاد حیدر نیز نفیس دلہن صاحبات وغیرہ وغیرہ ضرور توجہ فرمائیں گی۔ اور صرف زبان ہی زبانی نہیں جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔ بلکہ قطعی طور پر میدان عمل میں قدم بڑھائیں گی۔ نیز دیگر بہنوں کو بھی اپنا ہم خیال بنا کر اس کار خیر میں شریک فرمائینگی۔ اب اس معاملہ میں زیادہ غفلت بہتر نہیں ہے۔ ہم لوگ کافی سے زیادہ صبر و تحمل کر چکے ہیں۔

کسی سیاست دان کا یہہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "آزادی لیجاتی ہے ملا نہیں کرتی" لہذا ہم کو اگر آزادی لینا ہے تو یک جہتی اور ہمت کے ساتھ مردوں پر یہہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ "عورت" مرد سے عزت میں کسیطرح کم نہیں ہے اور اُس کا وجود دنیا کے لئے مرد سے کم ضروری نہیں ہے۔

سلام

از

جناب میر عابد علی صاحب سعید فرزند اکبر عالیجناب نواب شہید یار جنگ بہادر

نکل جائے میرا دل یا خدا الفت میں حیدر کی
رہے ورد زباں تسبیح بس اسم مطہر کی
نہیں منصب کا خواہاں ہوں نہ کچھ جاگیر کا یارب
میری قسمت میں تو لکھ دیجیو مدحت پیمبر کی
فرشتے آکے مرقد میں مری آپس میں کہتے ہیں
نہ چھیڑو اسکو یہ تو مر گیا الفت میں حیدر کی

چھپایا خوف سے خورشید نے روئے منور کو
سر اقدس سے چادر تانی زہرا کے جب سر کی
یہی زینبؑ تھی یارب کربلا میں اور کوفہ میں
کہ جو محتاج تھی کفار سے اک کہنہ چادر کی
یہہ سن گن سن کے مجمع ہوگیا ہے سرفروشوں کا
دکھانے والی ہے جوہر یہاں شمشیر حیدر کی
جزاک اللہ اے شبیر ترے صبر کے صدقے
مہم جو انبیا سے بھی تھی مشکل تو نے وہ سر کی
چلا لیکر علم جب نہر کو سقہ سکینہؑ کا
کہا شبیر نے مٹتی ہے اب تصویر حیدر کی
نہ گھبرا تو سعید مضطرب روز قیامت سے
تری بخشش کو کافی ہے شفا آل پیمبر کی

بھر جاتا ہے انہیں بیان نہیں کرسکتا۔

ایک روز میں نے اپنے دادا سے پوچھا کہ میرا دل کیوں بھر آتا ہے! میری آنکھیں آنسوؤں سے کیوں ڈبڈبا آتی ہیں؟ انہوں نے جھریوں والے ہاتھوں کو میرے سینے پر پھیر کر کہا دیکھو، "وطن کی محبت ہی ہے" "وطن کی محبت" یہ دو خوبصورت کلمے میرے دل سے نہیں نکلتے۔ میرے دادا قدیم روسی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ اور پلونہ میں زخمی ہوئے۔ بوڑھے سپاہی ہیں بہت سی فوجی حکایتیں جانتے ہیں۔ وہ بہت بوڑھے ہیں لیکن اب تک سپاہیوں کی طرح قدم اٹھاتے ہیں سب سے بڑا شوق اُن کا یہ ہے کہ فوجی مظاہرات کو دیکھنا اور سپاہ گری کی باتیں کرتے رہنا۔

کل رات کو انہوں نے پلونہ کی لڑائیوں کا اور روسیوں کو شکستیں دینے کا حال بیان کیا۔ عجب! ..... اس رات صبح تک لڑائیوں میں مشغول رہا.... گویا میں سپاہی ہو گیا ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے بہادری بھی دکھلائی۔ اور لوگوں نے مجھے پکڑ کر علم بردار بنا دیا۔ میں اپنے نوجوانوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر کے اُن کو بھگا رہا تھا۔ کہ میری آنکھ کھل گئی۔

مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ کاش اگر یہ خواب حقیقت ہو جاتا تو میں اپنے دادا کا بدلہ لے لیتا جو زخمی ہو کر دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ میں اپنے کپڑے پہن کر فوراً دادا کے پاس دوڑا ہوا گیا۔ اور اُن سے اپنا

گر رہا ہے۔ لگا دوڑنے۔ رستے میں بی مرغی ملیں۔

بچو! بھلا بتاؤ تو یہ چاروں کے چاروں کہاں گئے ہوں گے۔؟ —— ایک دفعہ ایک لومڑی جال میں پھنس گئی۔ اُس میں سے نکل کے جو بھاگنے لگی تو دم اٹک گئی دُم کو کھینچتے کھینچتے تنگ آگئی لیکن دُم نہ نکلی —— مصر کے گدھے بہت مشہور ہیں۔ یہ خوب صورت ہوتے ہیں —— بکرا بکری سے ذرا بڑا ہوتا ہے اُس کی ٹھوڑی کے نیچے بال ہوتے ہیں جسے بکرے کی ڈاڑھی کہتے ہیں۔ دیکھنا! درخت سے بھینس بندھی ہے۔ بچہ پاس کھڑا ہے۔ کیسے پیار سے اُسے چاٹ رہی ہے —— یہ باجا کیا بج رہا ہے۔ کسی کی برات آرہی ہے۔ آؤ دیکھیں اِس برات کے ساتھ ہاتھی ضرور ہو گا۔ آہا وہ دیکھو۔ سامنے پہاڑ کا پہاڑ چلا آتا ہے۔ —— ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بھیڑ ایک تالاب کے کنارے چر رہی تھی۔ اُدھر سے ایک گیدڑ آرہا تھا۔ بھیڑ کو دیکھ کر گیدڑ نے اُسے پکڑنا چاہا۔ بھیڑ بہت ڈری اور بھاگ کر تالاب میں جا گھسی —— اہا! ذرا سامنے ٹیلے پر دیکھنا کیا بہار ہے۔ ایک مور ناچ رہا ہے۔ کیا بھلا معلوم ہوتا ہے دُم کو کیا پھیلایا ہے کہ خوب صورت سا گول پنکھا بن گئی ہے —— ایک بار کسی مسافر کا ایک بوٹ کسی ویران جنگل میں پڑا رہ گیا تھا۔ رات کے وقت جنگل کے جانور جمع ہوئے تو اِس نئی چیز کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

خواب بیان کیا۔ بوڑھے سپاہی اس خواب پر اس قدر
خوش ہوئے کہ اگر تم دیکھتے تو تعجب کرتے۔ اپنا ہاتھ میرے
سر پر رکھ کر کہا۔ شاباش میرے بچے! اعلم کو سلامی
دیتے وقت جب ہمارے دل میں وطن کی محبت جوش
مارتی ہے وہ بیان کرنے کو بات تھوڑی ہے۔ اس وقت کا خواب
انشاء اللہ پندرہ برس کے بعد ایک حقیقت ہو جائے گا۔
میرے ذہن میں ایک سوال آیا۔ میں نے بڑے تعجب
سے پوچھا۔ دادا کیا ہر شخص سپاہی ہوتا ہے۔؟
میرے بچے! کیا تم شک کرتے ہو؟ بیس برس کا ہو کر
وطن کا ہر بچہ علم کے سایہ میں چلا جاتا ہے۔ اپنی خدمت
انجام دیتا ہے۔ سپاہ گری سیکھنے کے بعد پھر اپنے کاروبار
میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اگر دشمن سر اٹھائے۔ اور وطن
میں حملہ کر ڈال دے تو اس وقت ترکیت اور اپنے علم کی
حفاظت لازمی ہوتی ہے۔ وطن کی اولاد مسلح ہو کر بلائی
جاتی ہے۔ اور ان سے لشکر مرتب کر کے سرحدوں تک
بھیجے جاتے ہیں۔" "دادا کیا میرے والد نے بھی سپاہ
گری سیکھی تھی؟" افسوس!! کہ نہیں کی میرے بچے! اس زمانہ
میں ہماری قوم بہت کم یہ عزت حاصل کرتی تھی ہر شخص طرح
طرح کے حیلوں سے سپاہی بننے سے بچتا تھا۔ اب خدا کا
شکر ہے کہ وہ وقت نہیں رہا۔ ہماری قوم میں سپاہی نہ بننے
والا کوئی نہیں ہے۔ تمہاری طرح خواب میں بھی جنگ کرنے والے
وطن کے بچے جب بڑے ہوں گے تو کیا سپاہی بننے سے جی
چرائیں گے؟ عورتیں، بچے اور بوڑھے صرف لشکروں کے سایہ
میں راحت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی مزے کی چیز ہے ایک ایک [illegible] دھنک
دھنک

ایک بندر اور لومڑی

کانوں میں ڈال اپنے
دو ہڈیوں کے مندرے
جا بیٹھا ایک بندر
تالاب کے کنارے
اونچی سی اک جگہ کو
ٹھہرا کے تخت اپنا
سمجھا کر بن گیا اب
اس دیس کا میں راجا
آتا جو پانی پینے
اُلو یہ کہتا اس سے
کانوں میں ڈال لے ہڈے
اک باندا سے بیٹھا
یہ سن کے بندر اس پر
جھپٹا کر کاٹ کھائے
پر بس نہ چل سکا کچھ
ناچار ہاتھ اٹھائے
کان اپنے نوچ ڈالے
اور ہڈیوں کو پھینکا
کرتا رہا یہ خو خو
وہ بھاگی یہ جا وہ جا

ٹیلیفون نمبر (۲۸)
ٹیلیفون نمبر (۲۸)
آر آر جیون لال تاجر پارچہ
ونپرتی بلڈنگ پتھرگٹی حیدرآباد دکن
بنارسی ونیز آری کامدانی کی ساڑیوں کا تازہ اسٹاک برائے شادی
ودیگر تقاریب قیمتیں مقابلتہً ارزان ہر وقت نیا اسٹاک آپکے
ملاحظہ کے لئے تیار رہتا ہے۔ تمام بازار دیکھکر خرید فرمائیں۔ اگر
قیمت میں فرق ہونے پر بھی واپس۔

MEHTA
Bros
تلخ سے تلخ
ماضی
کی یاد ہمیشہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے
فوٹوگرافی
کے ذریعہ سے اس یادگار کو ہمیشہ تازہ رکھا جاسکتا ہے
مہتا برادرس شاہراہ عثمانی حیدرآباد دکن

ڈاکٹر پی جگناتھ راؤ متوفی کا دفعتاً انتقال ہونے کیوجہ سے دواخانہ ایک عرصہ تک بند رہا
جس کے باعث ملک کو سخت تکلیف ہونے لگی نیز بعض اصحاب کے اصرار کی بناء پر ہم نے ایک تجربہ کار
ڈاکٹر ریم کپوسوامی ایل۔ آر ایچ سی پی ایس جو ڈاکٹر صاحب متوفی کے عزیز بھی ہوتے
ہیں مقرر کیا ہے لہذا ڈاکٹر صاحب بجہانی کے احباب امید کیجاتی ہے کہ مثل سابق
دواخانہ ہذا پر نظر عنایت فرما کر ہمکو ممنون فرمائیں گے

المشتہر

مسز ڈاکٹر پی جگناتھ راؤ متوفی

محلہ قدیم کوچہ اصلاح سازان حیدرآباد دکن

نوٹ: ڈاکٹر صاحب سابق کی مرتبہ ادویات تجویز کیجاتے ہیں اور دواخانہ ہذا میں ہر قسم [illegible] پلیگ
ٹائیفائڈ ملیریا وغیرہ کا علاج بلا انجکشن کے کیا جاتا ہے

Your chance to get a prize of Rs. 100

CROSSWORDS PUZZLE No. 1-

SAFINA-I-NISWAN.

Any number of Entries may be submitted but each must accompany a fee of As. -/8/- only, and must be filled in the coupon given on the other page.

A sum of Rs. 50/-/- as first prize, will be given for an all-correct solution.

Rs. 25 /-/- as 2nd Prize for 1 Error.

Rs. 15/-/- as 3rd Prize for 2 "

In case of ties the money will [illegible] may be [illegible] Ke-p [illegible]

واجبی دام
اطمینانی مال
شیخ بابے چوڑی فروش
لاڑ بازار حیدرآباد دکن
ہماری دوکان میں ہمہ اقسام کا بہترین مال ہر سائز میں ہر وقت تیار رہیگا
نوٹ:- اگر مال پسند نہ آئے یا چھوٹا بڑا سائز نکل جائے تو
اندرون پندرہ یوم واپس کیا جائے بشرطیکہ مال میں کسی قسم کی خرابی پیدا
نہ ہو آڈر کا مال واپس نہوگا اضلاع پر بذریعہ وی پی مال روانہ ہوگا۔

حرف ٹائپ میں عماد پریس میں طبع ہوا

۶۹۰

رجسٹرڈ نمبر دولت آصفیہ نشان (۱۲۱۱)

Prepared by:-DECCAN HAIR OIL COMPANY.

HYDERABAD-DECCAN

سہ روزہ

اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد شایع ہوگا - جو ۲۶×۲۴/۱۶ سائز میں کم از کم بیس اور چوبیس صفحات پر ہر دو شنبہ کی صبح ناظرین تک پہنچ جایا کرے گا۔ دکھنی صحافت میں یہ بالکل پہلی چیز ہے کہ ایک ماہوار رسالہ اپنی ترقی کی اس منزل تک پہنچے - ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر پبلک ہفتہ وار سفینہ کا پرجوش خیر مقدم کرلے تو جلد ہی اس کو **سہ روزہ** اور پھر **روزنامہ** بنادے - زر معاوضہ میں قلیل ترین اضافہ ہوگا یعنی بجائے للعہ کے صرف ۵ پانچ روپیہ سالانہ میں ہفتہ وار یا سہ روزہ سفینہ آپ کی خدمت میں پہنچتا رہیگا۔

ملک کے عام مذاق کے مدنظر "**سفینہ**" کی ہر اشاعت چار حصوں پر منقسم ہوگی - پہلا حصہ مقامی، ہندی اور عالمی اہم خبروں کیلئے مخصوص ہوگا، دوسرا حصہ نسائیات سے متعلق رہیگا، جس میں صرف وہی مضامین درج ہوں گے جو خواتین کے لکھے ہوئے ہوں، تیسرے میں علمی، ادبی تاریخی، اور معاشرتی مضامین نظم و نثر درج رہیں گے، چوتھا حصہ صرف فنون لطیفہ کیلئے رکھا جائیگا جس میں فی الحال متحرک اور ناطق فلموں سے متعلق مضامین کوائف، ور تنقیدیں وغیرہ شائع ہونگی - ہر اشاعت میں دو صفحے بلاک یا لیتھو کی تصاویر بالالتزام شریک رہینگی - غرض سفینہ کا پہلا نمبر جو بہت جلد شایع ہوگا آپ سے یہ منوائے بغیر نہ رہیگا فی الحقیقت اس قدر قلیل معاوضہ میں دکن نے آج تک اتنا بہتر کوئی صحیفہ نہیں پیش کیا۔

ناظرین کی سہولت کے مدنظر جا بجا "نیوز اسٹال" قایم کئے جائیں گے، اس کے علاوہ عام شاہراہوں پر

ہمارے آدمی صرف چند پیسوں میں آپکو سفینہ کا تازہ نمبر دے جائیں گے۔ کوشش کیجا رہی ہے کہ یہاں کی صحافتی دنیا میں ایک عام ہلچل ڈال دی جائے اگر خدا کا فضل اور آپکی اعانت شریک حال رہے تو ہر جگہ اور ہر مقام پر انشا اللہ سفینہ ہی نظر آویگا۔

تاریخ اشاعت کا انتظار فرمایئے

فلمی خبروں کے سلسلہ میں انتظام کیا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً فلم اسٹار کے تصاویر بھی شایع ہوتے رہیں، یہ وہ تصاویر ہونگے جو آپ کو سوائے سفینہ کے اور کہیں نہ ملیں گے، اس لیے کہ ان کا ہم نے بالراست انتظام کیا ہے۔

ہفتہ وار سفینہ کا پہلا نمبر گوناگوں خوبیوں کے ساتھ کئی ہزار کی تعداد میں شایع ہوگا۔ مشتہرین حضرات کی سہولت کیلئے اشتہارات کی شرح اجرت بہت ہی کم رکھی گئی ہے، اس خصوص میں مینجر سے مراسلت فرمایئے، تو یقیناً آپکو حیرت ہوگی کہ ہم دوسروں سے پچیس فی صد کی پر آپکا اشتہار شایع کرنے کیلئے آمادہ ہیں، ہمارے نیوز ایجنٹ کو طلب کیجئے۔ یا ذریعہ ٹپہ تفصیلی معلومات حاصل فرمایئے۔

مینجر

ہفتہ وار سفینہ حیدرآباد دکن

سینما اسوسی ایشن

محض فنی ترقی اور صنعت فلم سازی کی پذیرائی کے لئے ایک اسوسی ایشن قایم کی گئی ہے جس کے ذریعہ ایسے فلم تیار کرانے کی کوشش کی جائے گی جو اخلاقی نقطۂ نظر سے خواتین کے لئے مفید ہوں اور عریاں جذبات سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔

اس سلسلہ میں اگر تعلیم یافتہ خواتین اپنے لطیف خیالات سے اسوسی ایشن کو مطلع کرتی رہیں تو بہتر ہوگا۔

تفصیلات کے لئے ذیل کے پتہ پر مراسلت کیجئے

تمکین کاظمی آنریری سکریٹری سینما اسوسی ایشن حیدرآباد دکن

شیخ عبادت علی صاحبؒ ضا رکابدار شاہی

کو ہی اس کا فخر حاصل ہے کہ مختلف والیانِ ریاست راجہ مہاراجہ کے "رکابدار شاہی" رہ چکے ہیں

چنانچہ آپ کے آبا و اجداد کو بھی شہنشاہِ ہند اکبر کے عہد سے واجد علی شاہ کے عہد تک اس کا شرف

حاصل رہا۔ آپ پاس متعدد سرٹیفکٹ و تمغہ جات موجود ہیں۔ حال ہی میں حضرت اقدس و اعلیٰ سلطان العلوم

خسرو دکن نے "رکابدار شاہی" کا خطاب سرفراز فرما کر عزت بخشی ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کو

ہماری دوکان سے بہتر مٹھائی کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ہمارے ہاں اس فن کے بڑے

بڑے ماہرین کارپرداز ہیں۔ ایک بار استعمال فرمائیے تو پتہ چل جائے گا ——

آپ کی تشریف آوری کا آرزومند

مینیجر دوکان شیخ عبادت اکرام علی صاحب ضا "رکابدار شاہی" پتھر گھٹی حیدرآباد دکن

عورتوں کے دانت

اگر بنوانے ہوں تو ہم سے مراسلت کیجئے ہمارے ہاں تجربہ کار سند یافتہ لیڈی ڈاکٹر ہمیشہ آپکی خدمت کیلئے حاضر ہے مصنوعی دانتوں سے متعلق جملہ سامان ہم سے خرید فرمائے

المشتہر محمد حفیظ الدین دندانساز قریب ناکۂ انگریزی ترپ بازار حیدرآباد دکن

دکھنی صحافت کی بدحالی کی کیا اسباب ہیں؟

کہیں اسکی وجہ ہماری حکومت کی فیاضانہ سرپرستی تو نہیں ہے؟

گورنمنٹ کو ایک مفید مشورہ

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہمارے ہاں ایک مراسلہ وصول ہوا ہے، جس میں دکھنی صحافت کی پستی کو "گورنمنٹ کی ضرورت سے زیادہ سرپرستی" کا سبب بتلایا گیا ہے۔ مراسلہ نویس کا خیال ہے کہ ہماری فیاض "گورنمنٹ مقامی اخبارات اور رسائل کو عوام سے کئی گنا زیادہ معاوضہ دیکر صحیفہ نگاروں کو نکما بنا رہی ہے ــــــــ" اگر ضروری معلوم ہو تو اس مراسلہ کو کبھی پبلک میں لایا جائیگا، یہاں صرف عنوان بالا کے تحت کچھ اپنے خیالات کے ساتھ ہم گورنمنٹ کو ایک مفید مشورہ دینا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سچی باتیں تلخ ہوتی ہیں، اور فی زمانہ کھری کھری سنانا ایک جہان کو اپنے خلاف اُبھارنا ہے ــــــــ مگر ہم مجبور ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے صحافتی قلب میں ایک ایسی روح پھونک دیں کہ اسکا شمار بھی زندوں میں ہونے لگے یقین ہے کہ ہمارے صحیفہ نگار ذیل کی تحریر کو انتہائی خلوص پر محمول فرمائیں گے، اس وقت ہمارے پیش نظر کوئی خاص اخبار یا رسالہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم ایک مجموعی حیثیت سے یہاں بحث کریں گے گورنمنٹ سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اس مشورہ پر اگر کسی وجہ سے عمل پیرا نہیں ہوسکتی تو کم از کم اسکی واقعیت پر ہی ایک نظر ڈال لے۔

متمدن ممالک میں اخبارات کو ایک خاص امتیازی درجہ حاصل ہے ترقی یافتہ اقوام کے ہاں اجکل

سامان نشر و اشاعت کی وقعت جنگی اسلحہ جات سے زیادہ ہے وہ اخبارات کی قدر و قیمت سے کما حقہ واقف ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اخبار کی اعانت ملک اور قوم کی استواری کا باعث ہے ۔ وہاں کی پبلک کی ہمدردیاں ہمیشہ اخبارات و رسائل کے ساتھ رہتی ہیں اور صحیفے بھی انکی مدد اپنا اولین فرض جانتے ہیں ۔ ہندوستان اور خصوصاً دکن میں اسکے بالکل خلاف عمل ہوتا ہے ۔ یہاں پہلے تو ہم اخبارات کی اہمیت کو نہیں جانتے، اور اگر انکا مطالعہ کرتے بھی ہیں تو یہ سمجھکر کہ وہ فضول اوقات کا ایک دلچسپ مصرف ہے، دکن کی حد تک ہمیں اور ہماری طرح یقیناً دوسرے صحیفہ نگار حضرات کو یہ شکایت ضرور ہوگی کہ یہاں کی پبلک اخبارات وغیرہ کی سرپرستی نہیں کرتی، یہ بجا ہے، مگر کبھی اسپر بھی غور کیا گیا ہے کہ ہمارے صحیفے کہاں تک پبلک کی حقیقی خدمت بجالا رہے ہیں ؟ کس حد تک انکی رہبری و رہنمائی کر رہے ہیں ؟ اخبار کو پبلک کے احساسات کا حقیقی ترجمان ہونا چاہیئے ۔ ملک کی خدمت اسکا شیوہ اور مالک کے ساتھ وفاداری اسکا عین ایمان ۔ یہی دو چیزیں ترقی کا باعث بن سکتی ہیں ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اخبارات ان دونوں راہوں سے ہٹ کر ایک دوسری راہ پر چل نکلے ہیں، جس سے ان پر اخبار (یعنی قوم کا ترجمان) کا اطلاق ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ ان کے پیش نظر اپنا ذاتی فائدہ ہے اسی لئے وہ ملک کی خدمت کو بھلائے جا رہے ہیں ۔ ملک ان سے سینکڑوں امیدیں وابستہ رکھتا ہے ملکی افراد کے سینکڑوں واجبی مطالبات انکی توجہ کے محتاج ہیں، مگر بعض افراد کی دلبستگی اور اپنا ذاتی نقصان انہیں ادھر کان دھرنے نہیں دیتا ۔ پبلک کے اسوقت بیسوں مطالبات ہیں جنکو وہ چاہتی ہے کہ گورنمنٹ کے آگے پیش کرے، مگر ذرائع مسدود اگر وہ بالراست ۔ آگے بڑھنا چاہتی ہے تو اس کے دامن سے " راہ کے کانٹے " کچھ ایسے الجھ جاتے ہیں کہ رسائی ناممکن ہوجاتی ہے اب دوسرا راستہ صرف یہ رہا کہ اخبارات کے ذریعہ احتجاج کیا جائے تو ہمارے صحیفہ نگاروں کو بعض افراد کی رنجیدگی کب گوارا ہے کہ وہ پبلک کے ساتھ خود بھی احتجاج کریں گے ۔ اور اگر کبھی کسی نے کچھ لکھ بھی دیا تو بس ایسے کہ " نہ سانپ مرے اور نہ لاٹھی ٹوٹے " اب بتلایئے کہ اس مطالبہ کی واقعیت یا غیر واقعیت کا حکومت پر کیسے اظہار ہو ۔ اور حکومت کیلئے اب کونسا ذریعہ رہ جاتا ہے کہ وہ پبلک کے احساسات کو جانچے اور مطالبات پر غور کرے ذمہ دار افراد پڑھنے نہیں دیتے صحیفہ نگار کو " حلوہ اور مانڈے سے کام " ہے، پھر یہ شکایت کیا بیجا نہیں کہ پبلک صحافت کی سرپرستی نہیں کرتی ؟

پبلک کے مطالبات کی بروقت تکمیل نہ ہونے سے جو کچھ نتائج نکل سکتے ہیں اس سے کیا ہمارے

صحیفہ نگار واقف نہیں ہیں؟ ملک میں بے کاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے، تعلیم یافتہ ملکی افراد کا ایک کثیر گروہ اپنی درخواستیں لئے مارا مارا پھر رہا ہے مگر شنوائی نہیں ہوتی، کیا یہاں اسکے واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسے افراد کے دلوں میں ایک قسم کا منافرتی جذبہ گھر کر رہا ہے جو بڑا رنگ لائے گا ہم دیکھ چکے ہیں کہ اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو تو وہ اگرچہ عقل سلیم کا مالک ہے مگر پھر بھی دو گھڑی کیلئے نیم مجنون سا ہو جاتا ہے اس ہستی کے خلاف (جو اس کا حق چھین کر کسی اور کے حوالے کرتی ہو) ایک نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ انتقام کی تدبیریں سوچا کرتا ہے۔ یقیناً ہمارے صحیفہ نگار ان باتوں سے ناواقف نہ ہونگے۔ اگر ان کے پیش نظر ملک کی بہتری اور پبلک کی خدمت ہے تو انہیں چاہیئے کہ ایسی صورتوں میں ان افراد سے زیادہ پبلک کا خیال رکھیں کیونکہ کُل سے ایک ہے، نہ کہ ایک سے کُل۔

ہمارے مراسلہ نویس کا خیال ہے کہ ہماری فیاض گورنمنٹ صحافت کی ایسی معقول امداد کر رہی ہے کہ انہیں پبلک کی اعانت حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے"۔

ہم جانتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ نے صحافت کی جو سرپرستی کی ہے اُسکا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ حیدرآباد میں صحافت کو انتہائے عروج پر دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ گورنمنٹ کا خیال ہے مگر ہمارے مراسلہ نویس نے ہمیں لکھا ہے کہ "ایسا معقول معاوضہ صحیفہ نگاروں کو نکما بنا رکھا ہے"۔

ہم اپنی گورنمنٹ کو اگر وہ اجازت دے تو یہ مشورہ دینگے کہ وہ ایک مدت غیر معینہ کیلئے دکن (اور بیرون دکن) کے جملہ اخبارات و رسائل کی امداد کو قطعی بند کر دے۔ اس کے بعد ہم پورے یقین کیسا تھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا وہ اعلیٰ ترین مقصد کہ یہاں کی صحافت کو عروج حاصل ہو، یقیناً پورا ہوگا۔ اخبارات اندھی تنقیدیں کرنے سے باز رہیں گے، خوشامدوں کا سدباب اور جھوٹی حمایتوں کا دروازہ بند ہو جائیگا ایسے وقت اخبار گورنمنٹ کیلئے ایک آئینہ کا کام دیگا کہ اس میں وہ ہر ایک کے اعمال و افعال کو بالکل واضح دیکھ سکے گی۔ گورنمنٹ کی امداد جب مسدود ہو جائیگی تو "چناں قحط سالے شد اندر دمشق ٭ کہ یاران فراموش کردند عشق" کے مصداق ہاں کہ یہاں صحافت کی یہ گرم بازاری نہ رہیگی مگر جو کوئی اخبار بھی اپنے بل بوتے اور پبلک کی اعانت میں نکلتا رہیگا وہ حقیقی معنوں میں اخبار ہوگا۔ ہم گورنمنٹ کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ برطانوی صوبہ جات کی طرح اپنا ایک خاص گزٹ ہفتہ وار جاری کرے، جس کے کئی حصہ ہوں، اور ہر ایک حصہ ایک محکمہ کیلئے مخصوص۔ مثال کے طور پر ہم مدراس گورنمنٹ کے (Fort St: George Gazette.) کو پیش کر سکتے ہیں۔ اگر ہماری گورنمنٹ بھی ایسا ہی اپنا ایک گزٹ

جاری کرے تو ملک انشاء اللہ اس کا بہ خوشی خیر مقدم کریگا۔ ہمارا سنٹرل پریس (Central Press) اسکی طباعت میں اور محکمہ معلومات عامہ Information Bureau اسکی ترتیب اور تنظیم میں کافی مدد دے سکتا ہے۔ ادارت کیلئے بفضل خدا ملک میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو صحافت کا خاصہ تجربہ نہ رکھتے ہوں۔ مسٹر مارماڈیوک محمد پکتھال (Mr. M. M. Pickthall) کا نام ایسے افراد کی صف میں سب سے پیش پیش رہیگا۔ جو اپنی عمر کا بڑا حصہ صحافتی دنیا میں گذار چکے ہیں۔ اور نہیں تو خود محکمہ معلومات عامہ میں خود ایک ایسی ہستی موجود ہے جو اس کام کو انجام دے سکتی ہے۔ اگر گورنمنٹ ہمارے اس ادنی ترین مشورہ پر عمل پیرا ہونا چاہتی ہے تو ہم آیندہ بھی اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی جرأت کریں گے۔ اختتام پر ہم جمیع مدیرین جلیل القدر جرائد سے معافی کے خواستگار ہیں کہ ہم نے راست گوئی کے گھمنڈ میں خدا جانے کہ کیا کچھ لکھ دیا ہے۔ پر زباں پکڑی نہیں جاتی قلم کی۔

(اختر قریشی)

اعتذار:۔

ہمیں افسوس ہے کہ آخری صفحات کی کاپی چھپ جانے کی وجہ ذیل کے مضامین (جو فہرست میں شریک ہیں) شایع نہ ہو سکے۔

(۱) مرثیہ ——— سید عباس حسین صاحب

(۲) حادثۂ کربلا ——— عزیزہ کنیز فاطمہ بیگم

(۳) امام عالی مقام کی شہادت عیسائی مدبرین کی نظر میں!

چونکہ مضامین کی فہرست طبع ہو چکی تھی، اس لئے محترمہ اکبرالنساء بیگم صاحبہ سلطانہ کا مضمون زیر عنوان "شہید کربلا" اس میں شریک نہ ہو سکا۔

"محرم نمبر" شہدائے کربلا کی بارگاہ اطہر میں ایک حقیر ترین نذرانۂ عقیدت ہے، اور دکن کیا بلکہ سارے ہندوستان میں کسی نسائی رسالہ نے آج تک اس خصوص میں کوئی خاص نمبر نہیں نکالا ہم امکانی کوشش صرف کرتے ہیں کہ یہ کامیاب رہے، اگر بہ تقاضائے بشریت آپ کو اس میں کوئی فروگذاشت نظر آئے تو براہ کرم نظرانداز فرمائیے۔

اختر قریشی
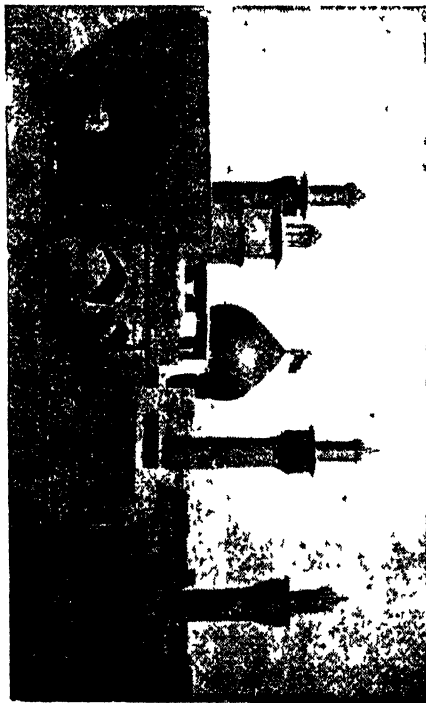
کربلائے معلیٰ

روضۂ حضرت عباس

رباعی

از خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحم
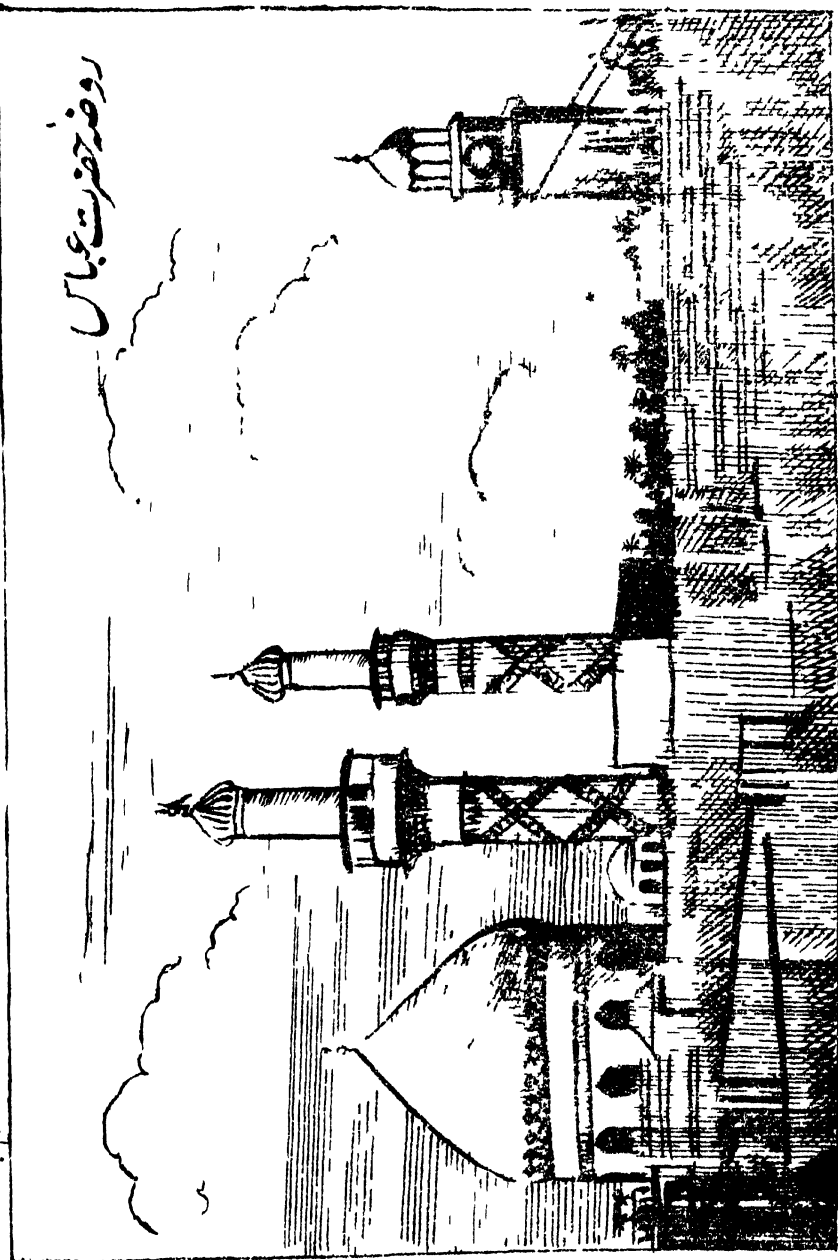
شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا

جلد ۲ — نمبر ۵

دار السلطنت دکن میں اپنی طرز کا واحد نامہ

سفینۂ نسواں کا محرم نمبر

فہرست مضامین

کلام حسرت التیام اعلیحضرت سلطان العلوم شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

(قطعہ)

نیا رنگِ عزا عثمانؔ جما شبیر کے غم سے ۔ چمن میں روز منہ دھوتی ہیں کلیاں اشکِ شبنم سے

ادھر آنکھوں کو مشغولی اُدھر ہاتھوں کو مصروفی ۔ نہ فرصت ان کو رونے سے نہ فرصت انکو ماتم سے

(سلام اردو)

بہائے اشک جو چشمِ پُرآب سے پہلے ۔ گُہر ملیں اُسے شہ کی جناب سے پہلے

علیؑ پہ مدد آتے ہیں اے لحد دم لے ۔ فشار دے نہ مجھے بوترابؑ سے پہلے

ثنائے آلِ نبیؐ ہم نے کی ہے جب آغاز ۔ زبان دھوئی ہے برسوں گلاب سے پہلے

چلے حسینؑ جو میداں میں سر کٹانے کو ۔ سکینہؑ دوڑ کے لپٹی رکاب سے پہلے

زباں وہ خشک ہوئی آہ۔ روزِ عاشورہ ۔ جو تر ہوئی تھی نبیؐ کے لعاب سے پہلے

قضا پہنچتی تھی لینے کو سر لعینوں کے ۔ صفوں میں شاہؑ کی تیغ خوشِ آب سے پہلے

رخِ حسینؑ سے تشبیہ دے اگر عثمانؔ ۔ تو داغ دور کرے ماہتاب سے پہلے

کلام حقائق التیام اعلیحضرت سلطان العلوم تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

(قطعہ)

احوالِ گُل ز بُلبُلِ نالاں شنیدنیست
تصویرِ شمع در دلِ پروانہ دیدنیست

عثماں پئے زیارتِ عتباتِ عالیات
تو غم مخور کہ زود ترا آنجا رسیدنیست

(سلام فارسی)

کجا زبانِ جہاں و کجا ثنائے حسینؑ
زجان و دل شدہ ہر دو جہاں فدائے حسینؑ

فروغِ دیدۂ بینا و سرمۂ بینش
بچشمِ اہلِ نظر ہست خاکپائے حسینؑ

وضو برائے دعائے نجاتِ اہلِ خطا
بخونِ خویش کہ کرد است ماسوائے حسینؑ

چہ ہمت است کہ از حق نخواست پیغمبر
بجز شفاعتِ اُمّت بخوں بہائے حسینؑ

بلائے جملہ جہاں گر نہند در میزان
گراں بود زہمہ پلّہ بلائے حسینؑ

علوئے مرتبہ منظور حضرتِ حق بود
برانس و جن و ملائک ز ابتلائے حسینؑ

ز دار و گیرِ قیامت رہا شود عثماںؔ
کسیکہ مست بود از مئے ولائے حسینؑ

رباعیات

(از)

ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ و صدر اعظم
باب حکومت سرکار عالی

کافر تو مگو مرا کہ بہتان ست ایں　　وز دل بر ایں گمان مسلمان ست ایں

من صوفی صافیم موحد اے شاد　　عارف تو بگو مرا کہ عرفان ست ایں

(٭)

کافر چو کسے گفت مرا نیست الم　　مسلم اگرم خواند نمی دارم غم

چوں جلوہ کند یار بہر شاں اے شاد　　من نیز یکے مظہرم از ذاتِ اتم

(٭)

حسینؑ ابنِ علیؑ

از:- ادیبۂ با کمال محترمہ اکبر النساء بیگم صاحبہ سلطانہ (مسز ڈاکٹر مرزا رضا خان رضا صاحبہ اوزہرا)

اے بنائے لا الٰہ اے شہیدِ کربلا حامیٔ دینِ مبیں، اے صاحبِ صبر و رضا

اے حسینؑ ابنِ علیؑ، مظلومِ دشتِ نینوا اے امامِ دینِ حق، باطل شکن، صد مرحبا!

اے گنہگاروں کے والی، حامیٔ صدق و صفا اے صداقت کے مجسم، مرحبا! صد مرحبا!!

راحت و آرام و دولت، زر جواہر کیا نہ تھا تو نے حق کی راہ میں، مولا اِسے ٹھکرا دیا

رنج دیکھا، دکھ سہے، حق کی حمایت کیلئے

ہم سیہ کارانِ امت کی شفاعت کے لئے

(۰)

موت کی دھمکی صداقت سے ہٹا ئی ہے کہیں؟

تو نے دکھلایا کہ "حق باطل سے دب سکتا نہیں"

واقعی تھی وہ گھڑی بھی کچھ عجب صبر آزما اُس طرف فوجِ شقی اور یاں فقط ذاتِ خدا

الاماں! کیا وقت آلِ مصطفےٰؐ پر تھا پڑا آسماں ٹوٹے، ترے سر پر یزیدِ نا سزا

صاحبِ کوثر کی گودی کے پلے، وا حسرتا بوند پانی کے لئے ترسیں، غضب اللہ کا

آہ! بنجانے حرمتِ بیتِ نبیؐ کو اشقیا گھر کے رہنے والیوں کو، کر دیا جو بے رِدا

عابدِ بیمار کے پاؤں میں بیڑی بے خطا حضرتِ سجادؑ بھی تھے، قید و بند میں مبتلا

زلزلہ آیا زمیں پر، آسماں تھرا اٹھا　　پیاس سے اکھڑا ہے دم جب اصغرِ بے شیر کا

چاہتا گر تو، قیامت ٹوٹ پڑتی تھی مگر

"رضئی مولیٰ ہمہ اولیٰ" رہا پیشِ نظر

——(۰)——

صبر حصہ میں ترے آیا رسول اللہؐ کا!

تو نے پایا تھا جگر، بیشک خلیل اللہ کا!!

اے حسینؑ! فرزندِ دلبندِ علیؑ مرتضےٰ!　　نورِ عینِ فاطمہؑ! اے بازوئے شیرِ خدا

لختِ دل کو اپنے ہاتھوں رن میں بھیجا مرحبا　　گھر لٹا، اجڑا چمن، ابرو پہ پھر بھی بل نہ تھا

امتِ مرحوم کی آقا رکھی ہے تو نے لاج!

ورنہ ہم باقی بھی دنیا میں کہاں رہتے تھے آج؟

کوششیں ہم کو مٹانے کی ہوئی ہیں جا بجا　　وہ ستم توڑے ہیں، دینِ پاک پر اہلِ جفا

یہ نہیں جانا، ہمارے دل میں ہے تیری ضیاء　　دل تو روشن ہیں ہمارے، حال گو جیسے برا

صفحۂ ہستی سے سلطانہ وہ دیں کیونکر مٹے

شاہ نے سینچا ہے، جس کو دکھ، اپنے خون سے

——(۰)——

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

(از حضرت رئیس الشعراء الحکیم العوام مولانا محمد علی صاحب جوہر مرحوم)

دورِ حیات آئیگا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذر حیا کے بعد

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید تھا
"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

یک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا انجل
ہَل مِن مَزِید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

وہ دل ہی کیا کہ جس میں نہ ہو تیری آرزو
اچھی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد
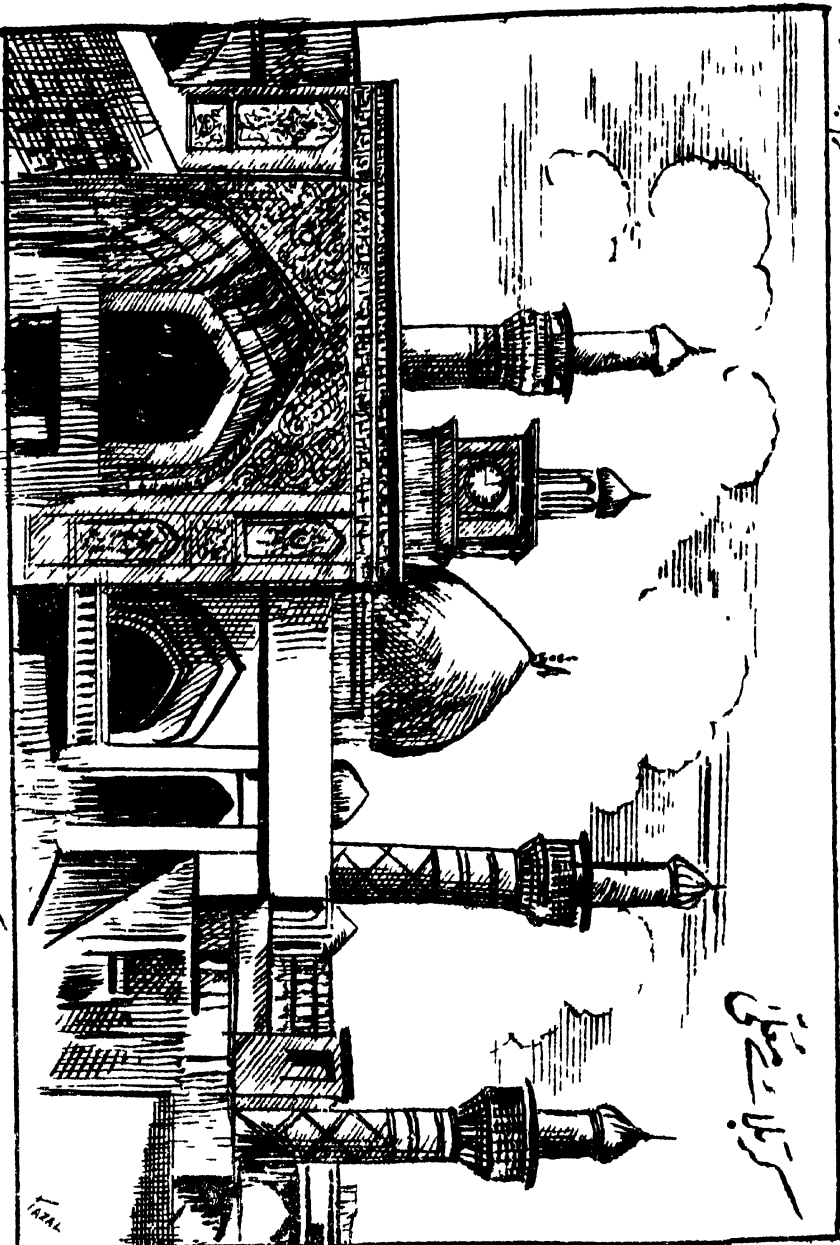
السلام اے فاطمہؑ کے لال اے ابن علیؑ ٭ السلام اے سید مظلومؑ اے نور نبیؐ

سلام بحضور امام عالیمقام علیہ السلام

(ڈاکٹر اختر قریشی)

السلامُ و السّلام! اے سیدی

السّلام اے سیدِ مظلوم، اے نورِ نبیؐ
السّلام اے فاطمہؑ کے لال، اے ابنِ علیؑ

السّلام اے وجہ استحکامِ دینِ مصطفیٰ
السّلام اے شاہِ شہدائے زمینِ کربلا

السّلام اے پیکرِ صبر و رضا

السّلام اے مبتلائے رنج و آفات و محن
السّلام اے حاملِ احکامِ ربِّ ذوالمنن

ہم گنہگاروں کے دل کی مملکت کے تاجدار
السّلام اے راکبِ دوشِ رسولِؐ باوقار

السّلام اے سیدِ والاتبار

گھر کو لٹوانا ترے آگے رہا ادنیٰ سی بات
اللہ اللہ راہِ حق میں یہ ترا عزمِ ثبات

فخر ہے اسلام کو، پایا ہے وہ تجھ سا ضعیم
یہ شجاعت، یہ سخاوت، اے کریم ابنِ کریم

باعثِ سرسبزیٔ دینِ نبیؐ تھی تیری ذات
تیری قربانی میں شاہا! تھی نہاں اپنی حیات

السّلام اے مجمعِ والاصفات

اے شہیدِ کربلا۔ اے ذبیحِ نینوا

السّلام و السّلام اے سیدی

مرحبا اے جرأتِ آلِ نبی صد مرحبا!

(از جناب عزیز رشدی صاحب اثر)

اے مالک کون و مکاں — اے بیکسوں کے پاسباں
دی راہِ حق میں سب نے جاں — مارے گئے اکبر جواں

مرحبا اے جرأتِ آلِ نبی صد مرحبا!

دشمن تھا اک سارا جہاں — بیداد گر تھا آسماں
ہمدم نہ کوئی مہرباں — ہر اک نے دی بڑھ بڑھ کے جاں

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

بیتی زمینِ کربلا — اُس پر لعینوں کی جفا
ہے ذکر آب و دانہ کیا؟ — تھا امتحاں صبر آزما

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

گو لٹ گیا تھا کارواں — گو ہو چکے تھے ناتواں
تھی پیاس سے سوکھی زباں — ہمت نہ ٹوٹی پھر بھی ہاں

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

پائے عابدِ بیمار کے — باندھے گئے زنجیر سے
جنبش بھی کر سکتے نہ تھے — لیٹے کے لیٹے رہ گئے

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

عونؑ و محمدؑ نو عمر — دنیا و دیں سے بے خبر
آمادہ تھے دینے پہ سر — اللہ اکبر یہ جگر؟

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

شوقِ شہادت دل میں تھا — امت کی بخشش مدعا
خنجر گلے پر پھر گیا — ورنہ لعیں کرتا تھا کیا

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

کرتے شہیدِ کربلا — فوجِ لعیں ساری فنا
باقی نہ رہتے اشقیا — منظورِ حق تو یہ نہ تھا

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

ساقیٔ کوثر چاہتے — آتے سمندر خود کھنچے
ہر چیز تھی امکان سے — لیکن نہ خود چاہا اسے

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

کیا چیز تھی تیغِ علیؑ — لرزاں تھے جس سے سب شقی
پیش آ نہ سکتا تھا کوئی — اس پر یہ حالت صبر کی

مرحبا اے جرأت آلِ نبی مرحبا!

چاہتے سیدؑ اگر — رکھتے تھے طاقت اس قدر
اعدا کی صف زیر و زبر — کر دیتے اک پل میں مگر

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

اُف بیکسوں کے قتل پر — آمادہ تھے بیداد گر
سنئے تو پھٹتا ہے جگر — کہئے نہ پھر کیونکر اثر

مرحبا اے جرأت آلِ نبی صد مرحبا!

معروضہ

(از جناب سید تمکین کاظمی منشی فاضل ایم۔ اے ایس۔ بی)

میں تھام کے رؤنگا تیرے روضے کی جالی — تو حیدرؑ صفدر ہے پیمبر کا ہے والی!
ہاں، مجھ کو سنبھال اے میرے آقا میرے مولیٰ! — اغیار کے مجمع میں ہوں اور ہاتھ ہے خالی!
گلزارِ محمدؐ کا ہوں مرجھایا ہوا پھول — اس گلشن پژمردہ کا تو ہی تو ہے مالی!
ہاں، بادِ خزاں، مجھ کو جلا دیگی ذرا دیکھ — اب سوکھ رہی ہے یہ تیرے باغ کی ڈالی!
اس درجہ زمانے کے حوادث نے جھنجوڑا — یہ پھول سی رنگت تپِ غم سے ہوئی کالی!
ہر روز نئی فکر نے اس طرح سے لوٹا — سودا تھا کبھی اب تو یہ سر ہو گیا خالی!
احباب کی باتیں سنوں اغیار کے فقرے — کس کس کے میں طعنے سنوں کس کس کی میں گالی!
حسنینؑ کے صدقے میں مجھے کر دے غنی آج — دامن تو نہ لیجاؤنگا شاہا، کبھی خالی!

گر تو نہ سنبھالے تو سنبھالے گا مجھے کون؟
ہاں تیرے سوا کون ہے تمکین کا والی!

مشکل کشا علیؑ و شہِ لافتیٰ علیؑ

(از محترمہ بدر النساء بیگم صاحبہ زوجہ بیگم جناب میر یاور علی صاحب تعلقدار گدوال)

گلدستۂ ریاضِ رسولِ خدا علیؑ مشکل کشا علیؑ و شہِ لافتیٰ علیؑ

نفسِ نبیؐ و قاسمِ فردوس ظلِّ رب کشتئ دینِ حق کے ہو تم ناخدا علیؑ

سردارِ اولیاء و وصئ رسولِ حق سالارِ انبیاء و شہِ دوسرا علیؑ

خیبر کے در کی کیا ہے حقیقت کہ ٹک سکے شیرِ خدا و دوستِ رسولِ خدا علیؑ

شفقت کی بدر پہ ہو سدا آپکی نظر
مشکلکشائی کیجیے مشکلکشا علیؑ

دربارگاہِ حضرت فاطمۂ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

(راقمہ محترمہ نواب قمر جہاں بیگم صاحبہ پریسیڈنٹ انجمن اصلاح الخواتین لکھنؤ)

اے کہ از اسمِ تو عرشِ پاک زیور یافتہ — تشنۂ لطف تو جنت بود کوثر یافتہ
یا زدہ مہرِ امامت را تو ئی برجِ شرف — پرتوے از نورِ تو خورشید خاور یافتہ
شاہد یکتائی تو نقش بندِ کن فکاں — ہیئتِ رویت تا کنوں کے نقشِ دیگر یافتہ
یافت از حبِ تو ارضی مخزنِ سیم و طلاء — مشعلِ شمس و قمر را چرخ اخضر یافتہ
قبلِ دنیا چوں ز تاریکی ملک تنگ آمدند — مشرق و مغرب ز نورِ تو منوّر یافتہ
یافت از فیضِ تو فطرس بیش از امید خود — خلعتِ نو یافتہ ہم تاج و شہپر یافتہ
پیشوائے مومنیں شیرِ خدا نفسِ نبیؐ — چوں علیِ مرتضیٰ سرتاج و شوہر یافتہ
زینتِ عرشِ بریں و سیدِ شبانِ خلد — اے ز بحرِ قدس دو شہوار گوہر یافتہ
کرد ایثار و عطایت تا بد اُو را غنی — سائل آمد بر درت خود را تونگر یافتہ
شد تجلی بخشِ جنت نورِ تو تسبیح خواں — فیض از وی طوبیٰ و تسنیم و کوثر یافتہ
کس نہ شد محروم از ایثار و فیضِ عامِ تو — سنگ جوہر یافتہ ہم بحر گوہر یافتہ
اہلِ بیتِ مصطفیٰ چوں کشتئ نوحِ نبیؐ — کشتئ اسلام از صبرِ تو لنگر یافتہ

ضعفِ نسواں را اگر بُد حاجتِ پیغمبراں
خلعتِ پیغمبری دادے ترا حق بیگماں

رہ گیا ایک تماشا سرِ فاراں ہو کر

(از محترمہ مسز شفیع لیبٹ جی آنریری پریسیڈنسی مجسٹریٹ بمبئی)

تھی یہ اسلام کی برکت کہ رواں تھی بے خوف ۔۔۔ مورِ بے مایہ بھی ہمدوشِ سلیماں ہو کر

ننگ و غیرت ہیں ہم اب ملتِ بیضا کیلئے ۔۔۔ فخرِ بیجا ہے ہمیں اب تو مسلماں ہو کر

بدعت و کفر کی تقلید میں سرشار ہیں ہم ۔۔۔ خوش ہیں، اسلام میں ترمیم کے خواہاں ہو کر

رات دن رو بہ تنزّل ہیں مگر غافل ہیں ۔۔۔ ذلتیں سہتے ہیں گو رہتے ہیں شاداں ہو کر

حکمرانی گئی، عزت گئی، غیرت بھی گئی ۔۔۔ یہ بر آمد ہوا گم کردۂ ایماں ہو کر

یہ نتیجہ ہے اِسی غفلت و نادانی کا ۔۔۔ دربدر پھرتے ہیں ہم صاحبِ قرآں ہو کر

کیوں وہ اب تیری تجلّی شررِ آباد نہیں ۔۔۔ رہ گیا ایک تماشا سرِ فاراں ہو کر

سہل انکاری و غفلت کی ہے برکت تسنیم

حیف احساسِ حمیّت نہ ہوا انساں ہو کر

خاطر

(راقمہ محترمہ زہرا صاحبہ بنت ڈاکٹر عبدالرب صاحب فنا گلبرگہ دکن)

یہ دشتِ بلا میں ہوئے ساماں مہیّا — نورِ نظرِ سیدِ ابرار کی خاطر
خنجر جو بجھے زہر میں تلواریں چڑھیں باڑہ — لختِ جگرِ حیدرِ کرار کی خاطر
کب شمر کو تھا دھیان حسینؑ ابن علیؑ کا — افسوس نہ کی حیدرِ کرار کی خاطر
شانوں سے جدا ہاتھ کئے تیر چلائے — کی خوب ہی عباسؑ علمدار کی خاطر
پانی بھی نہ دیتے تھے نہ دیتے تھے غذا بھی — منظور تھی عابدِؑ بیمار کی خاطر
عباسؑ بھی گریاں علیؑ اکبر بھی تھے نالاں — دونوں کو بھی تھی عابدؑ بیمار کی خاطر

ہوں کنیزِ خاندانِ اہلبیت

مٹ گئے سارے نشانِ اہلبیت — لٹ گیا سب خاندانِ اہلِ بیت
پا کے نانا کی رضا شبیرؑ آئے — ساتھ لے کر خاندانِ اہلِ بیت
کھینچ کر تلوار جب اکبرؑ چلے — رک گئے سب دشمنانِ اہلِ بیت
دھوپ میں پیاسے لڑے بھوکے مرے — پر نہ کھوئی آن بانِ اہلِ بیت
حضرتِ عابدؑ نے یہ رو کر کہا — اب کہاں وہ عز و شانِ اہلِ بیت
پھولنے پھلنے کے دنیا میں نہیں — دشمنانِ خاندانِ اہلِ بیت
ساقیٔ کوثر ہوئے میرے شفیع — ہوں کنیزِ خاندانِ اہلِ بیت
ہے یہ حسرت جی میں دیکھوں کربلا — میں رہوں اور آستانِ اہلِ بیت
خوف ہے محشر کا تجھ کو کس لئے — تو ہے زہرہ مدح خوانِ اہلِ بیت

سلام

(از فکر جناب نواب سید محمد کاظم علیخاں بہادر فرزند نواب شوکت جنگ بہادر)

تشنہ لب جب احمدِ مختار کا جانی رہے — ہائے پھر کس کام کا دنیا میں گر پانی رہے

مدحتِ شاہِ شہیداں میں دُر افشانی رہے — جب تلک زندہ رہوں شہ کی ثنا خوانی رہے

ماتمِ شبیر میں غم کی فراوانی رہے — جوشِ گریہ سے سدا اشکوں کی طغیانی رہے

بے زباں بچہ تلک ہمراہ لائے ہیں حسین — کربلا میں دیکھئے کس کس کی قربانی رہے

پارہائے دل پہ لکھتا ہوں شہادت کا بیاں — اے قلم تجھ میں بھی جوشِ خون افشانی رہے

دیکھئے مشکیزہ سکینہ نے کہا اچھے چچا — پیاس کی شدت میں کچھ تو مشک میں پانی رہے

سب عرب کی عورتیں پردہ میں ہوں اور اے فلک — فاطمہ کی بیٹیوں کی سر کی عریانی رہے

ماتمِ شبیر میں طوفاں اٹھا اے اشکِ غم — قیمتی ہوتا ہے موتی جس قدر پانی رہے

مدح میں شبیر کی ایسا شرف مجھ کو ملا — جس پہ صدقے حشمتِ فغفور و خاقانی رہے

بڑھ اب اے کاظم پئے تسخیرِ اقلیمِ سخن

فضلِ مولیٰ چاہئے تائیدِ یزدانی رہے

عراق و عرب

از محترمہ ح نقوی صاحبہ

تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا — جو دو دو پلانیوالے ہیں پروا ہے تری کیا
بتلائے دیتا ہوں تجھے میخوار و کا پتہ — نجف و کاظمین و خراسان و سامرہ
خورشید مدعا میرا برج شرف میں ہے — یک کربلا میں یک میرا ساقی نجف میں ہے

چھٹی مئے کی شب بھی کیا مبارک شب تھی۔ جب سفر عراق کے قصد سے ہم بمبئی روانہ ہوئے۔ دوسرے دن رات کے نو بجے بمبئی پہنچکر ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ بمبئی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ ایک تجارتی وسیع شہر ہے۔ جہاں کہ موسم کو اعتدال سے ہمیشہ ضد رہی۔ چہل پہل سے معمور سکون و اطمینان سے تہیدست۔ بازار اور سڑکیں راہ گیروں کی کثرت سے پٹی رہتی ہیں۔ سمندر کے کنارے نے اور شہرت میں چار چاند لگا دئے۔ رونق و آبادی دو بالا ہوگئی۔ مئی کا مہینہ تھا بمبئی آتشکدۂ نمرود بنی ہوئی تھی۔ ۱۰ مئی کی صبح جمعہ کے دن بمبئی سے ابھی دل بھرنے بھی نہ پایا تھا کہ جہاز کے سفر کا پروانۂ راہداری مل گیا۔ دو بجے جہاز نے لنگر اٹھایا اور ہمارا جہاز ——— عمر رواں کی طرح پانی کی سیر چشمی دیکھتا ہوا بہتا چلا۔ کچھ دور تک ساحل نظر آتا تھا۔ رفتہ رفتہ آنکھیں فرش آب ہوگئیں۔ نظر کی رسائی تک پانی ہی پانی تھا۔

۱۲ مئی کراچی پر جہاز شب کے دو بجے پہنچکر کسی بیمار کے دل کی طرح پڑ گیا۔ بمبئی سے کراچی تک سمندر میں تلاطم رہا ہوا کا ذرا سا جھونکا سمندر کے بے پایاں سکون میں اضطراب و ہلچل ڈالدیتا تھا۔ طوفان کا زمانہ تو ابھی دور تھا۔ لیکن ع۔ ہمیں بہار کے لالے پڑے خزاں کیسی۔ جہاز میں چو طرف لوگ متلی کا شکار رہیں۔ صفراوی مزاج والوں کی طبیعت متزلزل ہوگئی۔

۱۳ مئی صبح ساڑھے دس بجے ہم کراچی سے پھر روانہ ہوئے۔ جہاز کی حالت اب بھی دگر گوں ہی تھی۔

سمندر کے غیر معمولی تلاطم میں کمی نظر نہ آتی تھی ۔ تموج کا پر لطف منظر صاحبدلوں اور تندرستوں کے لئے موجب تفریح تھا۔ خلیج فارس تک طوفان کے جھونکے بدستور قایم رہے ۔ اس کے بعد بتدریج جہاز سنبھلتا گیا۔

۱۵ر مئی ساڑھے گیارہ بجے دن کو جہاز بوشہر پہنچا اور آبادی سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ٹھہر گیا ۔ شہر کی شکستہ فصیل و کہنہ چار دیواری کا ایک دھندلا سا اندازہ لگا ۔ کشتیاں بوشہر سے آنی شروع ہوئیں جن میں کچھ زوار حسینؑ تھے ۔ کچھ مسافر تھے ۔ کچھ تاجر تھے ۔ چند ایرانی مستورات کو بے نقاب دیکھ کر افسوس ہوا ۔ اسلام کی رونق مدہم نظر آنے لگی۔

ٹھیک پانچ بجے شام کے پھر جہاز نے لنگر اٹھایا ۔ پانچ گھنٹے کا قلیل وقفہ طوفان زدہ مریض مسافروں کے لئے بہت غنیمت ہوا جس نے اکسیر کا کام کیا ان کی حالت کچھ سنبھل گئی ۔

۱۷ر مئی کی صبح کاذب تھی کہ ہم شط العرب پہنچے ۔ جہاں دجلہ و فرات کا سنگم یا ملاپ ہوتا ہے ۔ اس حصہ کو شط العرب کہتے ہیں ۔ اطراف و اکناف میں قابل دید سماں تھا ۔ پو پھٹ رہی تھی ۔ صبح کا نور آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا ۔ دریا میں سکون تھا کہیں کہیں خال خال کشتیاں نظر آ رہی تھیں ۔ انار، شہتوت و سیب کے گھنے ذخیرے ۔ خرما کے مخلوط جھنڈ کے پیچھے سے آفتاب اپنا نور چمکا رہا تھا ۔ نور افشاں چاند ایک قسم کے دھندکے میں منہ لپیٹے اونگھ رہا تھا ۔ رنگت زرد اور پھیکی پڑتی جا رہی تھی ۔ یہاں تک کہ ایک دھبہ سا رہ گیا تھا ۔ مناظر قدرت کے اس دلکش منظر کو کوئی مصور تصویر کے پردے میں عیاں کر سکتا ہے ۔ یا کوئی شاعر ہی اس کا لطف اٹھا سکتا ہے ۔

پانی دنیا کی طرح رنگ بدل رہا ہے ۔ وسط سمندر میں گہرا نیلا ہو جاتا ہے ۔ لیکن دریا کا پانی ہلکا سبزی مائل گگوں رہتا ہے ۔ جہاز اب بصرہ کی طرف چلا جا رہا ہے ۔ اثنائے راہ میں ابادان ملا ۔ یہاں تیل کا کارخانہ ہے ۔ یہ ایک شہر جگہ ہے ۔ دن کے نو بجے ہوں گے کہ ہم محمرہ پہنچے ۔ یہاں جہاز ٹھیر گیا ۔ سامنے نخلستان ہے ۔ عرب کے نورانی سرزمین کی آبادیوں کا یہاں سے آغاز ہے ۔ دس بارہ کشتیاں جہاز ٹھیرتے ہی آ گئیں جو مسافر اترنے والے تھے اتر رہے ہیں ۔ اسباب وغیرہ کے اترنے چڑھنے سے ایک شور مچا ہوا ہے ۔ بچوں کی رام دہائی علیحدہ دماغ میں ہیجان ڈالے ہوئے ہے ۔ جہاز ادھر ٹھیرا کہ ہوا بند ہو گئی حبس شروع ہوا ۔ ایک تو گرمی نے گت بنا دی ۔ اس پر مجمع کے انتشار نے حواس مختل کر دیئے تین گھنٹے کے بعد جہاز نے پھر حرکت کی اور جان میں جان آئی ۔

۱۶ر مئی پنجشنبہ کے دن بارہ بجے بصرہ پہنچے ۔ خدا خدا کر کے جہاز کا سفر ختم ہوا کہ مسافر بنگلے میں قیام کیا ۔ خیک

آٹھ بجے کی ٹرین سے کربلائے معلیٰ روانہ ہوئے۔

ٹرین ریگستان کے لق و دق سنسان چٹیل میدانوں سے "خاک بسر کن غم ایام را" کا مالا جپتی ہوئی گزر رہی ہے۔ اب ادھر کی بو لگی ہے۔ جوں جوں نزدیک پہنچتے جا رہے ہیں۔ اشتیاقِ دید مضطرب بنائے ہوئے ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں یہ سفر تمام ہوا۔ یوں تو بیشتر حصہ اس ٹرین کا سفر گرد و غبار اور لو کے تھپیڑوں میں گزرا۔ لیکن جوں جوں کربلائے معلیٰ کے قریب ہو رہے ہیں۔ شادابی و سرسبزی میں اضافہ ہی اضافہ ہے۔ دریائے فرات میں آج کل طغیانی ہے فصیل کی حالت ناقابل عبور ہے۔ فرات کے پل پر سے ٹرین دس میل کی رفتار سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے۔ خدا کا فضل اور حسینؑ کی زیارت کو جا رہے تھے۔ اُن کی مدد شاملِ حال تھی۔ فرات کا تموج اور اس کی بیقراری ایک بسمل کی تڑپ تھی۔ شام ہو رہی تھی۔ پہاڑ کا سرسبز جنگل دن کے نور کا آخری ساغر نوش کر رہا تھا۔ قصبات کے بعض مکانوں میں دیئے روشن ہو چکے تھے۔ ابر آیا ہوا تھا۔ دور سے حضرت عونؑ کی سرسبز گنبد دکھائی دے رہی تھی۔ فرات میں سے جا بجا نہریں کاٹ کر پہنچا دی گئی ہیں۔ جہاں جہاں پانی کا اثر ہے وہاں سبزی و شادابی کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ ہماری ٹرین کئی وسیع و سرسبز وادیوں میں سے ہوتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اطراف میں قہوہ۔ نیل۔ خرما۔ انگور۔ ترکاریوں اور انواع و اقسام کے پھل اور درخت نظر آ رہے تھے۔ گرد و نواح میں دور دور تک زمین ناہموار ہے جہاں پانی کا کچھ اثر نہیں۔ وہاں سورج کی تیز تمازت سے جھلسی ہوئی ٹیکریاں۔ ننگی وادیاں جن میں کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں اُگی ہیں۔ جو مویشیوں کے کھانے کے کام آتی ہیں۔ خشک سنسان ریتلی زمین نظر کی رسائی تک دکھائی دیتی ہے۔

۱۷ مئی کی شام کو مغرب کے وقت ٹرین کربلائے معلیٰ چلی۔ چونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا ہم نے پلیٹ فارم ہی پر نماز پڑھ لی۔ بعد نماز ہمارا قافلہ حرمین مبارک کی زیارت کے لئے موٹروں میں روانہ ہوا۔ الحمدللہ زیارت سے مشرف ہوئے۔ کربلا میں دو حرم ہیں۔ ایک نبیؐ کے پیارے نواسے جگر گوشہ بتولؑ کا۔ دوسرا جناب عباسؑ علمبردار کا۔ امام مظلوم کے حرم پر بیکسی غریب الوطنی مظلومی و حسرت برستی ہے۔ ضریح مبارک سے خوب لپٹ کر رونے کو دل چاہتا ہے۔ جناب عباسؑ کی مزار مبارک پر رعب و دبدبہ و جلال کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہاں بہت ادب و خلوص سے جانا پڑتا ہے۔ یہ زمانہ مخصوص کا زمانہ تھا۔ ۱۰ ذی الحجہ عید الاضحیٰ کے دن عراق سارا کربلائے معلیٰ میں ٹوٹ پڑا تھا۔ حرم میں کشاکش و

ہجوم کی وجہ سے ضریح مبارک تک رسائی ناممکنات سے ہوگئی تھی۔ شہر کی مردم شماری میں منٹوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ صحرائی عرب۔ جو عرب کے لق ودق میدانوں میں کھجور کی چھالوں سے بنی ہوئی جھونپڑیوں میں گزر اوقات کرتے ہیں وہ بھی مخصوص کے دن زیارت کے خاطر اپنے گھر بار مال مویشی کو خیرباد کہہ کر حرم میں آجاتے ہیں۔

(۲)

ص جلوہ ز [illegible] ہے جو نظر کا [illegible] اٹھائیے　　طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

کربلاء معلیٰ صنعت وکاریگری [illegible] وسیع وعالیشان نمائش گاہ ہے۔ تہذیب ومعاشرت میں روزافزوں ترقی ہورہی ہے تجارت کا بول بالا ہے۔ پیتل کا سامان [illegible] درجہ کا تیار ہوتا ہے۔ سماوار پیتل ایسے خوب صورت بناتے ہیں کہ دیکھنے کے بعد بغیر خریدے دل نہیں مانتا۔ سماوار کے [illegible] پیتل کے نہایت مدوّر وخوب صورت ڈالے جاتے ہیں۔ جن پر آنکھ نہیں ٹھیرتی۔ ٹین کا سامان بھی [illegible] بہت [illegible] سے بنتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوجاتا ہے۔

کھجور کے درختوں سے اور چھالوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً پنکھے جو خوب صورتی نفاست وارزانی میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ یہاں کی یہ مخصوص صنعت ہے۔ کھجور کے ڈنٹھال کے بڑے بڑے وسیع وکشادہ قفے بناتے ہیں۔ جن کی وضع ٹوکروں کی ہوتی ہے۔ جس پر مضبوطی کے لئے باہر ڈامبر لگایا جاتا ہے اور اندر چمڑا دیتے ہیں۔ لوگ معہ اسباب مال ومویشی کے انہیں قفوں میں دجلہ وفرات کو عبور کرتے ہیں۔ یہاں کے گھوڑے بہت مضبوط طاقتور اور حسین ہوتے ہیں۔ چستی وچالاکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور گدھے جو ہندوستان میں بہت ہی حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہاں اُن کی محنت وجفاکشی دیکھ کر واقعی اُن پر رحم آتا ہے اور طوقِ زرین کے لئے موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ اونٹ بھی اپنی لمبی گردن۔ اونچا قد لے کر بار برداری کے کام آتے ہیں۔ کراچی میں اونٹ اسباب سے لدے ہوئے بھاری بھاری گاڑیاں کھینچتے ہیں۔

ایرانی پشمینہ کے خوبصورت قالین یہاں بہت کثرت سے آتے ہیں اُن کی خرید وفروخت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے خصوصاً یورپ اور ہندوستان سے جو لوگ آتے ہیں اُن کے لئے یہ عجائباتِ دنیا میں سے ہیں۔ شطرنجیوں۔ چٹائیوں اور جانمازوں کا بھی نرخ بالا لیکن کہ ارزانی ہنوز کا حال ہے۔

پانی کے سترے خوب ڈھالتے ہیں۔ جو سفید مٹی کے ہوتے ہیں۔ ان میں پانی بہت جلد ٹھنڈا ہوتا ہے۔

برف بہت کثرت سے ملتا ہے۔ عراق کی سرزمین میں ہر چیز کی کاشت ایک طلسم ہوشربا کی تمثیل ہے "بیابان بیابان ارم دیکھتے ہیں" ہر شئے افراط و بہتایت سے ہوتی ہے۔ میوہ اور سبزیوں کی کاشت وارزانی اس کی صداقت کیلئے کافی ہے۔ چند روز قبل میں نے کسی اخبار میں دیکھا۔ روئی کی کاشت کے لئے عراق گورنمنٹ نے مصر کو لکھا تھا کہ چند تجربہ کار قابل کاشتکار جن کو روئی کی کاشت میں کامل دستگاہ ہو مصر عراق کو [illegible] دیں۔ زمین زرخیز ہے۔ لیکن زر کثیر کی ضرورت ہے۔ عراق گورنمنٹ کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ سڑکوں اور راستوں کی ہمواری کیطرف اپنی توجہ مبذول کرلے۔ لیکن حوصلہ بلند ہے ورنہ مصر کی [illegible] پذیری گوارا کب ہوتی۔ ساری تحصیل کا دارو مدار "زراعت" پر ہے۔ زندگی وابستہ ہے۔ ان دو دریاؤں سے دجلہ [illegible] فرات [illegible] رسانی ہیں۔

یہاں کے حمال" اتنا زیادہ اسباب پشت پر لاد لیتے کے عادی ہیں کہ پہلے پہل دیکھنے والے کے لئے یہ ایک عجیب و غریب بات معلوم ہوتی ہے۔

سچ ہے۔ مشاہدہ اور مطالعہ میں آسمان زمین کا فرق [illegible] ہے۔ ہم کو انٹرمیڈیٹ میں امیر علی کی تاریخ اسلام تھی جس کو ہم صرف پروفیسر صاحب کی خفگی کے خوف سے رٹ لیتے تھے۔ [illegible] عام طور پر تاریخ ایک خشک و پامال مضمون ہے۔ تاریخ میں بھی وہی سبق دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ جہاں کسی ملک کی صنعت و حرفت کا بیان ہوتا۔ یا ملک کے زراعتی حالات کو شاعرانہ انداز میں واضح کیا جاتا۔ دو سال یہ کتاب نصاب [illegible] میں [illegible] لیکن اتنا تجربہ حاصل نہیں ہوا جتنا ان دو مہینوں کے قلیل سفر میں۔ مطالعہ سے معلومات محدود رہتے ہیں۔ سفر معلومات کو وسیع کر دیتا ہے۔ عراق کے سفر سے جو تجربے حاصل ہوئے وہ ہزار کتابوں سے بہتر ہیں۔

"وادی اسلام" نجف اشرف کے قریب ایک [illegible] ایک قسم کا پتھر نکلتا ہے جو صفائی۔ سفیدی۔ خوبصورتی اور چمک میں الماس سے بہت مشابہ ہے [illegible] احتیاط سے تراشتے ہیں کہ بال تک نہیں آنے پاتا۔ اس کو نگ انگوٹھیوں کے لئے [illegible] نزاکت و باریک بینی سے تراشتے ہیں۔ فیروزہ ایران سے آتا ہے۔ پہلے بہت ارزاں [illegible] تھے۔ ان دنوں عراق گورنمنٹ اور ایران میں کچھ نااتفاقی تھی۔ چنانچہ ایرانی زوار [illegible] سے بہت گراں ہوگئے تھے۔ اس پر بھی کثرت سے ملتے تھے عقیق۔ رنگ [illegible] ہر قسم کا دستیاب ہوتا تھا۔ [illegible] سونے کا کام بہت ارزاں بنتا ہے

عراق میں اخبارات و رسائل کو جی ترستا تھا۔ صرف ایک "بغداد ٹائمز" کل کائنات تھی۔ پس ذرائع خبر رسانی معلوم۔ قہوہ خانوں میں جو لوگ جاتے تھے وہاں سے کچھ سنی سنائی خبریں معلوم ہوتی تھیں۔ مگر شنیدہ کئی بود مانند دیدہ۔ ہندوستان وغیرہ کی خبروں سے لاعلمی بہت بے چین مضطرب رکھتی تھی۔ مگر شاید دریا کے سفر نے دل اتنا سخت کر دیا تھا کہ کسی بچھڑے ہوئے عزیز کی یاد وہاں نہیں آتی تھی؟

تہذیب و تمدن کے ضمن میں یہ کمی بالخصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ وہاں نہ کافی کتب ہیں نہ مدارس۔ کہیں تعلیم کا نمایاں چرچا یا ذکر نہیں سنا۔ تعلیم نسواں تو کس شمار و قطار میں جب کہ طبقۂ رجال اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم ہے۔ عربی چونکہ مادری زبان قریب قریب سب ہی جانتے ہیں۔ فارسی۔ عجمی زواری کے طفیل خوب بول سکتے ہیں۔ لیکن اردو اور انگریزی سے دس فیصدی بھی بمشکل آشنا ہیں۔

وہاں کے لوگ عموماً بہت سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ بچے تو بالکل یوروپین معلوم ہوتے ہیں۔ وہی نیلی آنکھیں۔ سنہری بال۔ سرخ و سفید رنگت۔ لیکن ملاحت بہت کم۔ بچوں کی نگہداشت کے اصول سے مستورات بالعموم بہت لاپروا ہیں۔ ان کی صفائی و صحت کا احساس ہی غائب ہے اکثر بچے آشوب چشم میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ یوں تو عراق کی آب و ہوا خصوصاً وہاں کا موسم گرما آنکھوں کے لئے بالعموم سے کم نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مستورات بلا کی محنتی و جفاکش ہوتی ہیں۔ نوکر ملازم ان کے یہاں نہیں رہتے۔ یہ خود گھر کا سارا کام انجام دیتی ہیں۔ انتظام خانہ داری کے سب اصول سے واقف ہوتی ہیں۔ کپڑے گھر ہی میں دھوئے جاتے ہیں۔ خود گھر کی بیگم اور ان کی جوان لڑکیاں دھوتی ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنا کام کرنا ان کے نزدیک عیب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ جو آرام طلب ہوتا ہے۔ اس کا طعنہ زنی کرتے کرتے ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ پکوان کے لئے بھی کوئی ملازم نہیں رکھتے۔ خود ہی پکاتے خود ہی دسترخوان پر چنتے اور خود ہی ہانڈی برتن دھو لیتے ہیں۔ بالعموم پکوان کی زیادہ زحمت بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ عموماً یہاں کے لوگ دہی۔ کھیرے۔ پودینہ۔ خشک و تر میوے۔ اُبلے ہوئے انڈے۔ پنیر اور بازاری روٹی کھاتے ہیں۔ عرب قوم بلا نوش ہوتی ہے۔ کسی کی دعوت کرتے ہیں یا کوئی مہمان آجاتا ہے تو ہانڈی چولہے کا جنجال لگ جاتا ہے۔ ورنہ اس سے بے فکری سی رہتی ہے۔ عرب کی تسلیم شدہ مہمان نوازی تو ضرب المثل ہے۔ عورتیں اور مرد انتہا درجے کی مہمان نواز خلیق و ملنسار ہوتے ہیں۔

نو دفیصدی یہ لوگ بیمار نہیں ہوتے۔ ہاں جلدی بیماریاں یا مرضِ چشم کا روگ لگا رہتا ہے۔ لیکن بخار۔ درد سر یا دیگر ایسے امراض عموماً بہت کم پائے گئے۔ جس کا سبب ان کی مسلسل مصروفیت وانہماک ہے۔ کاہلی خود ایک بیماری ہے۔ تم عرب اس سے مستثنیٰ ہے۔ موسم گرما میں آفتاب ۴½ بجے طلوع ہوتا ہے اور یہ لوگ یکے بعد دیگرے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں ع وہاں کون پوچھے ایاز کو جہاں غزنوی بھی ایاز ہے۔

عورتیں گھروں میں بیٹھ کر کسی کی محتاج یا دست نگر نہیں رہتیں بلکہ خود سیاہ عمامے پہن کر جس سے چہرہ اور جسم سب چھپ جاتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ جال لگی رہتی ہے۔ خرید و فروخت کرتی ہیں۔ لیکن وہاں کے مرد اتنے شریف و اعلیٰ ظرف کے ہوتے ہیں کہ کبھی بدنگاہی نہیں کرتے۔ عورتیں دن بھر مصروفیت کی وجہ باہر نکل نہیں سکتیں۔ حرم کو بھی بمشکل تمام جا سکتی ہیں۔ چنانچہ رات اپنے تمام کام وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر نکلتی ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ گیارہ بارہ بجے رات تک قہوہ خانے آباد رہتے ہیں مرد ہر عورت کو اپنی ماں بہن سمجھتے ہیں۔ مخصوص کے زمانے میں راستوں پر ایک ہجوم رہتا ہے۔ رہگذر دشوار ہو جاتی ہیں۔ اگر اتفاق سے کسی عورت کو ہاتھ لگ جائے تو بڑی عاجزی اور ندامت سے کہتے ہیں۔ خواہر بخشید۔ سادات کی بہت عزت کرتے ہیں۔ شرافت نسب کے اعلیٰ اوصاف ان کے افعال و کردار کے ہر پہلو سے نمایاں ہوتے ہیں۔ جس ظرف میں جو چیز ہوتی ہے وہی اس سے چھلکتی ہے۔

رہبر دکن کی کسی دیرینہ اشاعت میں ایک کہانی سی دیکھی ———— لکھا تھا کہ باغ عام میں کسی شریف گھرانے کی لڑکی شاید ایسی جرأت کر بیٹھی تھی۔ اس پر چند آوارہ اشخاص نے حملہ کیا۔ اس کو اس قدر تنگ کیا اس کا مذاق اڑایا کہ اس نے قریب کے کسی قافلہ میں جا کر پناہ لی۔ ہمارے ہندوستان کی پیشانی پر دیکھیے یہ کلنک کا ٹیکہ کب تک قائم رہے۔ اس بشکار نے ہم لوگوں کو ہمیشہ گمراہی کے طرف ڈھکیلا۔ ایسے اتفاقات اگر کسی ناتجربہ کار بیوقوف نسوان ہستی سے سرزد ہوں تو شریف لوگ انجان ہو جاتے ہیں۔ سنجیدگی۔ شرافت نسب و اولوالعزمی کا تو مجھے جہاں تک معلوم ہے یہی معیار ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا سے ایسے جھنی نابکار ہستیاں کیوں نہیں نیست و نابود ہو جاتیں۔

عراق کی سرزمین میں پھول بہت کم نکلتے ہیں۔ بلکہ اکثر حصے ایسے اداس و ویران ہیں جن کو دیکھ کر معاً یہ خیال آتا ہے کہ جہاں کی سرزمین میں گلستانِ رسالت کے گلہائے نوشگفتہ خاک کا پیوند ہو گئے ہوں۔ حقیقت میں وہ مقام ایسے ہی اداس و ویرانی کے موزوں ہے۔

نجفِ اشرف سے کوفہ کو گھوڑوں کی ٹریم جاتی ہے۔ ہم کوفہ۔ ٹرین میں گئے۔ وہاں سے شرعیہ روانہ ہوئے۔ یہ فرات کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ کی یاد ہے۔ شرعیہ دیکھ کر نجف لوٹے۔ نجفِ اشرف میں مولا کا حرم ہے۔ یہ سب سے زیادہ بلند و شاندار حرم ہے۔ طلائی گنبد بہت بڑی اور خوب صورت ہے اور اندر عالیشان مینا کاری ہے۔ حرم کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔

عراق کی مخصوص باتوں سے یہ بات بھی خصوصیت رکھتی ہے کہ سوائے عرب قوم کے دوسری اقوام یہاں آباد نہیں۔ یہودی بغداد سے ایرانی اصفہانی۔ ایران سے آتے ہیں اور عارضی طور پر چند روز گزار کر رفت و گزشت ہو جاتے ہیں جو لوگ زیارت کی غرض سے جا کر وہاں ہمیشہ کے لئے رہ جاتے ہیں۔ وہ مجاور کہلاتے ہیں۔ زائرین کے لئے مکان و رہائش کا جو انتظام کرتے ہیں۔ زوار کے نام کے خطوط وغیرہ سب انہیں کے توسط سے آتے ہیں۔

تجہیز و تکفین کے مراسم یہ ہیں کہ لاش کو بعد غسلِ میت تابوت یا ڈولے میں رکھ کر امام کی ضریح مبارک کے اطراف لے کر گھومتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو دفن کر دیتے ہیں۔ "ایوان طلا" جو حرم مبارک کا دالان و پیش دالان ہے اس کے چند پتھر اکھاڑ کر دفناتے ہیں۔ جہاں دفن کی اجرت بھی ہوتی ہے۔ یہ رقم غربا، مساکین و خدام کے لئے وقف ہے۔ ہندوستان و دیگر ممالک سے لوگ نعشیں بھجواتے ہیں۔ ہمارے ہی ساتھ جہاز پر تین نعشیں تھیں۔ جن میں سے ایک نواب وزیر جنگ کی والدہ مرحومہ کی نعش تھی۔ لوگ وصیت کر کے مرتے ہیں اور کچھ رقم بھی اس دن کے لئے پس انداز کرتے جاتے ہیں۔

حرم کے اندر برقی پنکھوں اور روشنی کا باقاعدہ انتظام ہے۔ ہفتہ میں ایک بار "ڈاک" "ایرمیل" سے بھجوائی جاتی ہے۔ لیکن عام طور پر جہاز سے جاتا ہے۔ محرم الحرام یوم شہادت [illegible] "مخصوص" کا دن کہلاتا ہے۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یوں تو غرہ محرم الحرام سے ہی سارا کربلا عزادار و سوگوار ہو جاتا ہے۔ لیکن شہادت کے دن کا غمناک منظر ایسا ہوتا ہے کہ گویا آج ہی امام مظلوم شہید ہوئے۔ رقت و غم کا چو طرف غلبہ رہتا ہے۔ ایک دستہ "زنجیروں" کا ہوتا ہے۔ جن کی پشت خون آلود ہو جاتی ہے۔ چہروں اور قمچیوں سے مارتے ہیں۔ لوگ اپنے لہو تک دے دیتے ہیں۔ "سرفروشی" کا سماں حقیقت میں کربلا کی یومِ شہادت کے روز ہے۔ گورنمنٹ نے یہ بے پناہ نظارہ کشت و خون کے دیکھ کر سخت ممانعت کر دی تھی۔ لیکن وہ لوگ باز نہیں آتے۔ ہر روز بلا ناغہ طیارے اس کوہوں و نجوم میں بہت قریب سے گزرتے ہیں۔ (باقی دارد)

روضۂ حضرت امام رضاؑ

اَللّٰہُ غَنِیٌّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاء

(۱۸۸)

خیام الہند مولانا سید احمد حسین صاحب امجد

اس رنج کی دنیا میں جامِ طرب افزا دے
اس میکدۂ لا میں اِک ساغرِ الا دے

اے فضل و کرم والے محتاج کو دلوا دے
اُمید کے بندے کو محروم نہ لوٹا دے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

اس مفلسِ بیکس پر اے شاہ کرم فرما
آیا ہے ترے در پر گمراہ کرم فرما

مایوسی کی حالت میں ناگاہ کرم فرما
اَللّٰہ کرم فرما لِلّٰہ کرم فرما

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

دوری سے تری تھک کر جی اپنا نہ ہاروں گا
افلاک کی چوٹی سے تاروں کو اتاروں گا

بگڑی ہوئی قسمت کو رُو رُو کے سنواروں گا
سو مرتبہ چیخوں گا۔ سو بار پکاروں گا

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

اس جسم کے جوہر کو عریانی سے زینت دے
دستِ دلِ سائل میں دامانِ محبت دے

کچھ غم کی مسرت دے کچھ درد کی راحت دے
ایمان کی لذت دے توحید کی دولت دے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

کب تک تری صورت کو یہ دیدۂ تر ترسے
دیکھوں میری کھیتی میں کب ابرِ کرم برسے

امید بہت کچھ ہے امجدؔ کو ترے در سے
دامانِ ہوس بھر دے مقصود کے گوہر سے

دے اے مرے مولا دے
دے اے مرے داتا دے

مرقد میں بیقرار رسولِ خدا ہوئے

(از محترمہ افسر النسا بیگم صاحبہ حافظہ)

پیاسا گلا حسینؑ کا خنجر سے کٹ گیا
مرقد میں بے قرار رسولِؐ خدا ہوئے

پیارے جو کمسنی میں حبیبِ خدا کے تھے
وا حسرتا کہ ان پہ یہ ظلم و جفا ہوئے

نانا ہو جس کا ساقیِ کوثر بروزِ حشر
پانی کی ایک بوند کو ترسے فدا ہوئے

بچے بھی بے قرار تھے مائیں بھی بے قرار
کیا کیا نہ اہلِ بیت پہ جور و جفا ہوئے

بے گور بے کفن رہے لاشہ حسینؑ کا
صد حیف یہ ستم تو انوکھے ادا ہوئے

محشر میں سرخرو ہوئیں حضرت سے فاطمہؑ
دونوں پسر شہید جو راہِ خدا ہوئے

کلمہ پڑھا نبیؐ کا نواسوں پہ یہ ستم
اے ظالمو یہ ظلم کہاں تک روا ہوئے!

آلِ رسولؐ کا نہ کیا تم نے احترام
لعنت ہو تا ابد کہ جہنم رسا ہوئے

اے حافظہ نہ پوچھ تو اس وقت کا سماں
اک ایک جب حسینؑ سے مل کر جدا ہوئے

حضرت سیدنا حسن علیہ السلام

از مولوی
(میر ریاست علی صاحب قدوائی)

اسم گرامی اور کنیت والقاب وغیرہ اسم گرامی حضرت حسن علیہ السلام ہے اور کنیت ابو محمد اور القاب آپ کے ذکی۔ نقی۔ تقی۔ سبط۔ ولی۔ طیب اور مجتبیٰ ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے اور آپ کی سب سے چھوٹی مگر پیاری بیٹی خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا اور آپ کے چچا زاد بھائی حضور مولا علیؑ کے بڑے صاحبزادے اور سیدنا امام حسین علیہ السلام شہیدِ کربلا کے برادر معظم ہیں۔ یہ سلسلہ نسب آپکا وہی سمجھنا چاہیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؑ کا ہے۔

ولادت باسعادت جب حضور صلی اللہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے تو اسی سال آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے چچا زاد بھائی حضرت مولا علی شیر خدا سے کردی۔ اس شادی کے تیسرے سال یعنے ۱۵ر رمضان المبارک ۳ھ میں جمعہ کے دن صبح کے وقت آپ رونق افروز عالم ہوئے۔

آپ کی ولادت کے وقت جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دردِ زہ کی کچھ تکلیف ہوئی تو حضور نے حضرت اسماء بنت عمیس کو حضرت بی بی صاحبہ کی خدمت میں مدد کے واسطے بھیجدیا تھا اور کہدیا تھا کہ تم جا کر میری بیٹی پر آیت الکرسی اور معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ پڑھ کر دم کرنا۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام تولد ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور حضرت اسماء سے فرمایا کہ لاؤ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ۔ حضرت اسماء نے حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کو حضور کی گود میں دیدیا۔ آپ نے پہلے ہونٹوں کو بوسہ دیا پھر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اس طرح دعا کی اللھم انی اعوذبك ولدہ من الشیطان الرجیم یعنے یا اللہ میں اپنے بیٹے کو شیطانِ مردود کے شر سے تیری

پناہ میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے بے حد خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا۔

پھر آپ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں آپ کے ہوتے ہوئے اتنی قدرت رکھتا ہوں کہ اپنی رائے سے نام رکھوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی نام رکھنے میں حکم رب العزت پر سبقت کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت آپ سے بعد سلام کے فرماتا ہے کہ چونکہ آپ نے علیؓ کو ہارون پیغمبر کا رتبہ عنایت فرمایا ہے لہٰذا علیؓ کے بیٹوں کے نام بھی وہی رکھیئے جو ہارون کے بیٹوں کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ہارون کے بیٹوں کے کیا نام ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ شَبَّرَ شَبِّیر مُبَشَّرَ آپ نے ان ناموں کے معنی دریافت فرمائے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حسنؓ حسینؓ اور محسن چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام مبارک حسنؓ رکھا اور اسی ہدایت کے مطابق حسینؓ اور محسن نام رکھے گئے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کا عقیقہ کیا جس میں دو مینڈھے قربان کئے اور سر کے بالوں کے وزن کی برابر چاندی خیرات کی گئی اور اسی سلسلے میں خود اپنے ہی دست مبارک سے ختنہ بھی کر دیا۔

فضیلت اور بزرگی حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی فضیلت و بزرگی اس قدر ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جس ذات گرامی کے نانا جان۔ شہنشاہِ دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ باپ علی مرتضیٰ شیر خدا ہوں اور ماں حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور چچا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور بھائی حضرت سیدنا امام اعلیٰ مقام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہوں اس کی فضیلت و بزرگی کیا اور کس طرح بیان ہو سکتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جوانان جنت کے سردار کو دیکھنا چاہے تو وہ میرے حسنؓ کو دیکھ لے۔ اور ابو داؤد میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ارشاد فرمایا کہ میرا یہ بچہ جنت کے نوجوانوں کا سردار ہے۔ اگرچہ بہت سی حدیثیں آپ کی فضیلت میں پیش نظر ہیں۔ مگر بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

سلام بہ حضورِ حسین علیہ السلام

از جناب محمد عبدالسلام صاحب ذکی (عثمانیہ)

شد روز تیرہ ز آہ اسیرانِ کربلا　　خوں شد دلم ز رنجِ شہیدانِ کربلا

افتادہ روئے خاک تنِ بے سرِ حسینؑ　　در آفتاب و ریگ بیابانِ کربلا

افسوس از مصیبتِ اولادِ مرتضےٰ　　ہیہات بے کسیٔ غریبانِ کربلا

آنکس کہ شد سوار بدوشِ نبیٔ پاک　　اُو را بکشت خنجرِ ببرانِ کربلا

وا حسرتا کہ آب ندادند ہم بہ نزع　　مردند تشنہ، تشنہ دہانانِ کربلا

مہمان را عزیز ندارند در عرب　　لیکن چہ رفت بر سرِ مہمانِ کربلا

اسلام زندہ کرد ذبیحش دمیدجاں　　روحِ حسینؑ شاہِ شہیدانِ کربلا

از خون نوشتہ اند تاریخہائے دہر　　ایں خونچکاں حکایتِ میدانِ کربلا

در راہِ حق ذکی تو قدم استوار دار

ایں ست درسِ حق بدبستانِ کربلا

سلام

(از محترمہ صغرا صاحبہ حیاؔ (مسز ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا))

مجرئی کہتے تھے سرورؑ اس نے کی تقصیر کیا ۔۔۔ گل سے کملائے ہوئے بچہ کو مارا تیر کیا

پوچھا اکبرؑ سے یہ زینبؑ نے ہیں کیوں آنسو رواں ۔۔۔ نرغۂ اعدا میں جا کر گھر گئے شبیرؑ کیا

کہتے تھے سجادؑ ہوں میں مرضیِ حق سے خموش ق ۔۔۔ قید کر سکتے تھے مجھ کو دشمنِ بے پیر کیا

حلقۂ آہن ہیں میرے آگے تارِ عنکبوت ۔۔۔ زور کے آگے مرے یہ طوق کیا زنجیر کیا

چرخ کی جانب اٹھا کر لاش اصغرؑ بولے شاہؑ ۔۔۔ کیوں فلک معصوم سے آخر ہوئی تقصیر کیا

رو کے بانوؑ نے کہا اکبرؑ سے مادر ہو نثار ۔۔۔ پھر نہ دکھلاؤ گے ماں کو چاند سی تصویر کیا

حرملہ کہتا تھا افسر سے کہ خلعت دو مجھے ۔۔۔ ہو گیا ہے کارگر بچہ پہ میرا تیر کیا

جب چڑھے عونؑ و محمدؑ رن پہ بھگدڑ پڑ گئی ۔۔۔ غل ہوا لشکر میں شیر آئے کریں تدبیر کیا

مدح گوئے آلِ احمدؐ ہوں حیاؔ یہ فخر ہے

ورنہ میں کیا ہوں زمانہ میں مری توقیر کیا؟

کشمیر کا محرم
مجلس چہلم امام حسین علیہ السلام

از محترمہ صغرا صاحبہ منشی ہمایوں مرزا

---

۲۰ صفر کو میں کشمیر میں مجلس امام حسین علیہ السلام میں شریک ہوئی تھی ۔ جس کے حالات لکھتی ہوں کہ صبح کے چھ بجے سے مجلس شروع اور شام کے چھ بجے ختم ہوئی ۔ کشمیری زبان میں مجلس پڑھی جاتی ہے ۔ امام باڑہ بہت بڑا ہے ۔ چاروں طرف عمارت ہے ۔ بیچ میں چوبی چھت پینتیس ۳۵ ستون پر کھڑی ہے ۔ اس کے نیچے مجلس ہوتی چاروں طرف دو منزلی عمارت ہے ۔ اوپر کی منزل لکڑی کی ہے ۔ اسی مقام پر عورتیں بیٹھ کر مجلس سنتی ہیں ۔ نیچے کے حصے میں اور بیچ میں مردانہ رہتا ہے ۔ صبح سے شام تک جس کا دل چاہے وہ مجلس میں شریک ہو ۔ مرد جب مجلس میں آتے ہیں صحن کے اندر آتے ہیں ۔ اپنا کوٹ اور عمامہ اتار دیتے ہیں ۔ جتنے مرد شریک مجلس تھے سب کے سب سر ننگے ہوتے ہیں ۔ یہاں کی مرثیہ خوانی کا طریقہ تمام دنیا سے الگ ہے ۔ میں نے بہت سے سفر کئے اور ہر جگہ مجلس سنی ۔ عراق ۔ عرب ۔ پٹنہ ۔ عظیم آباد ۔ کلکتہ ۔ حیدر آباد ۔ مدراس ۔ کسی جگہ بھی اس طرح کی مجلس نہیں ہوتی ۔ ایک شخص کھڑا ہو کر مرثیہ پڑھتا ہے ۔ بیس پچیس آدمی گول حلقہ باندھ کر جواب دیتے ہیں ۔ جواب دینے بے خود ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں اور خوب زور زور سے سینہ کوبی کرتے ہیں اور سر پیٹتے ہیں سینہ پر دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دھکے مارتے جاتے ہیں جو شخص کھڑا ہو کر مرثیہ پڑھتا ہے وہ تمام مجلس میں چلنا شروع کرتا ہے ۔ چلتا جاتا ہے اور مرثیہ پڑھتا جاتا ہے ۔ جوابی خوب چلا چلا کر جواب دیتے ہیں ۔ مجلس میں کیا کیا

لوگ بھرے ہوتے ہیں۔ پڑھنے والا شخص ان لوگوں کے کندھوں اور سروں پر ہاتھ رکھ کر لوگوں پر پھاند کر گزرتا جاتا ہے اور مرثیہ پڑھتا جاتا ہے۔ کبھی ہاتھوں کے اشارے سے بتاتا اور ایک ایک مصرعہ پڑھتا جاتا ہے۔ چار مصرعے جوابی جواب میں پڑھتے ہیں جو شخص پڑھتا ہے وہ اس مجلس میں سے دو لڑکوں کو لے کر ان کے منھ پر عبیر جو خاک کی طرح ہوتی ہے ملتا ہے اور خود بھی اپنے منہ پر ملتا ہے۔ اور دونوں لڑکوں کو لے کر ممبر کے پاس آتا ہے۔ ممبر پر لڑکوں کو کھڑا کر کے حضرت زینبؑ کے صاحبزادوں کا حال پڑھتا جاتا ہے اور اشاروں سے میدانِ کربلا کا واقعہ بتاتا ہے اور بہت زور زور سے سینہ و سر کو مکھوں سے مارتا جاتا ہے۔ اس مرثیہ خوان کا پڑھنا جب ختم ہوتا ہے تو دوسری جماعت نے شروع کیا۔ اس نے بھی اس طرح شروع کیا اور ایک لڑکے کو لے کر ممبر کے پاس آیا اور حضرت علی اصغر کے حالات بیان کر کے ماتم کرتا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے اشارے غضب کے ہوتے ہیں۔ ہم کو تو کشمیری زبان نہیں آتی تھی صرف اشاروں کو دیکھ کر اور ان کے پڑھنے کی ترکیب سے روتا آرہا تھا۔ صبح سے شام تک کوئی بیس پچیس مرثیہ خوان پڑھتے گئے۔ آخر میں مولوی میر امداد علی شاہ صاحب لاہوری نے مرثیہ خوانی کی انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج میں ایک مرثیہ اردو میں پڑھوں گا۔ کیونکہ سید ہمایوں مرزا صاحب جو حیدرآباد سے آئے ہیں وہ آج اس مجلس میں شریک ہیں۔ ان کو کشمیری زبان نہیں آتی۔ اس لئے میں اردو میں ایک مرثیہ پڑھوں گا۔ انھوں نے پہلے اردو میں پڑھا اس کے بعد کشمیری زبان میں اس طرح مرثیہ پڑھا جس طرح سب نے پڑھا ان کا جوش سب سے بڑھا ہوا تھا۔ پڑھتے پڑھتے جوش میں آکر اپنے سر کا عمامہ اتار اس کو پھاڑ کر کفن نیا بنایا اور گلے میں ڈال لیا۔ ایک دوسرے شخص نے ریشمی کفنی اور ایک مشک لاکر دے دی۔ امداد علی صاحب نے کفنی ریشمی پہن لی مشک گلے میں ڈال کر چار لڑکوں کو لیا اور ممبر پر کھڑا کر دیا اور حضرت زینبؑ کا حال پڑھنا شروع کیا۔ حضرت زینبؑ اپنے لڑکوں اور بھتیجوں کو شہید ہونے بھیج رہی ہیں۔ جب مجلس خوب گرم ہوتی ہے تو ایک آواز آتی ہے۔ یوں۔ یوں۔ یوں میں نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیوں آئی یہ ترم کیوں بجا تو کہا گیا کہ اس کو نعرہ حیدری کہتے ہیں۔ جب ظہر و عصر کی نماز کا وقت ہوا تو سب نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔ ادھر سے ایک صف گنی تو ایک صف میں پچاس آدمی تھے۔ جملہ گیارہ صفیں تھیں اس طرح ساڑھے پانسو آدمی ہوئے بہت سے لوگ چلے بھی گئے تھے۔ کیونکہ صبح سے شام تک تو ٹھیر نہیں سکتے کوئی آتا اور کوئی جاتا ہے۔ اس طرح مجلس ہوا کرتی ہے۔

ذاکر سے خطاب

(از حضرت سید شبیر حسین خاں صاحب جوش ملیح آبادی)

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت ہوشیار　　دل ترا اور بیعتِ باطل سے ہو نا روا ہزار　　رُخ پہ رنگِ فخر ہو تیوری پہ ہو مردانہ بل　　اہلِ باطل سرنگوں ہو جائیں ایسی چال چل

ضیغم ترے وہ گرا قطرہ کہ دریا کانپ اُٹھے

یوں اُٹھا برسی ہوئی آنکھیں کہ دنیا کانپ اُٹھے

ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار　　لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

حسنِ لیلیٰ کی ضرورت ہے نہ محمل چاہئے　　تجھ کو لو ہے کا کلیجہ شیر کا دل چاہئے

تو نہیں عزمِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند　　تیرے شانوں پہ تو زلف بزدلی کی ہے کمند

سخت استعجاب ہے اے پیشہ ورِ ماتم پسند　　ہر یدِ ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند

ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ دفا کے واسطے

یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

مانعِ شیون نہیں میرا پیامِ مستقل　　گریہ فطری شئے ہے دشمن پر بھی بھر آتا ہے دل

دل نہیں پتھر ہے مولیٰ پر نہیں جو مضمحل　　دور ہے رونے سے جو وہ ظلم سے ہے متصل

کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں

پھر بھی شغلِ گریہ "نصب العین" بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہیں دمِ تیغِ آبدار　　سنگ و آہن میں اُتر جاتی ہے جس کی تیز دھار

ہے مگر مردانگی کو ان سبک اشکوں سے عار　　جن کے شیشوں میں نہ ہوں غلطاں شجاعت کے شرار

اشک بے سوز دروں پانی ہے ایماں کی قسم

قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

گھر کے اندر خوب رو ہو گا یہ رونا بے محل　　تا وہ مونچھوں پر گرہ دیتا ہوا گھر سے نکل

حیف ہے اے ذاکرِ افسردہ طبع و زرغم　　تیرے آگے کاروبارِ غیر ہے مولا کا لہو

ناجوانہ مشق ہے تیرا شعارِ اے وہ ہو　　فیس کی محتاج ہے غیرت یہ تیری گفتگو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو

خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے زمانے کا ادب　　کربلا کے ذکر میں دیتا نہیں کیوں سر حق

چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشکِ بے قلق　　خون کی چادر سمیٹنے کے بنا آتا ہے ورق

خانہ برباد ہے عشرت سرا تیرے لئے

اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لئے

کیا بتا ذریت نے تھی کیا بات اور کیا کر دیا　　غیرتِ حق کو زمانے بھر میں رسوا کر دیا

کربلا خونِ مولیٰ کو تماشہ کر دیا　　آپ ٹکڑا باد گلشت مصلیٰ کر دیا

مشقِ گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لئے

عشرۂ ماہِ محرم عید ہے تیرے لئے

سوچ تو کچھ جی میں اے ستاقیِ اہلِ شہیم　　ہو نہ کچھ دل میں ادراک مقصدِ بیم

شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں کانوں میں نہ غم   کیوں ہو پہلے وے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم

خوف ہے قربانیٔ سولی نظر سے گر نہ جائے

ابنِ حیدر کے لہو پر دیکھ پانی پھر نہ جائے

سازِ عشرت سے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین   ڈالتا ہے تیرے ستکانِ غم کا بین

تیری عادت الغرض ہے اہلِ عزا کا شور و شین   سر جھکا دے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسینؑ

آہ جو تعلیم تھی دل سے گزرنے کے لئے

اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کیلئے

غم کے سکے بہرِ زر کے بہائے جائیں گے   کب تک آخر ہم پئے عشرت رلائے جائیں گے!

دام پر تا چندیوں دانے گرائے جائیں گے   آنسوؤں سے تا بکے موتی بنائے جائیں گے!

کب تک اے فرزندِ حق کو زہر میں گھولیگا تو

تا بکے پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو

جادۂ آلِ پیمبر پر نہیں تیرے قدم   حضرتِ حق میں جلال ابنِ حیدر کی قسم

تجھ کو کیا معلوم کیا ہوتا ہے اے مظلوم   اک شجاعت، نیز آنسو "ایک فخر آمیز غم"

غور کرنے کی ضرورت ہے نہ غوغا چاہئے

غم کے پردے میں شجاعت ہے تو پھر کیا چاہئے

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین   اس طرف شمشیر زن خوانی ادھر حسرے کے بین

اس طرف تکبیر ادھر ہنگامۂ شور و شین   اس طرف اشکوں کا پانی اس طرف خونِ حسینؑ

دیکھ کس منزل میں اور تو کونسی منزل میں ہے

شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا در پردہ بخشش اور پیغامِ عمل   نیند کے ماتو ہے کیوں دور اہلِ عمل سے مستقل

روح جس کی بلندی آسمانوں کی محل   جس کی زندہ موت میں کتنے ہی جانمردوں کا دل

خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر

صبحِ تکمیلِ نبوت کی ہوئی جس خاک پر

جس کے ذرے اپنے سینے میں لئے ہے آفتاب   خار و خس کی بغل میں دوڑا ہوا خونِ گلاب

خاک کے آغوش میں خوشبوئے آلِ بو تراب   کربلا تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب

روح تیری آج بھی قائم ہے اپنی بات پر

خون کی مہریں دمکتی ہیں تیرے ذرات پر

اے چراغِ دودمانِ مصطفیٰ کی خوابگاہ   تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خونِ بیگناہ

قوتِ باطل ملا سکتی نہیں تجھ سے نگاہ   آ رہی ہے ذرہ ذرہ سے صدائے لا الٰہ

اے زمیں خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ

تیرے سینے میں ہے محوِ خوابِ راحت ہے حسینؑ

جو دہکتی خاک کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؑ   جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسینؑ

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسینؑ   جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسینؑ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا

خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

خلق جس کا زینتِ دینِ پیمبر وہ حسینؑ   تھا جو شرحِ مصطفیٰ تفسیرِ حیدر وہ حسینؑ

لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتر وہ حسینؑ   جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت وہ حسینؑ

وہ کہ خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر

مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؑ آپ کا لب ہے تمنائے بلیغ   منور شاں ہے آج تک تیری تجلی سے چراغ

تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ   تو اگر اسلام کا دل ہے تو ایماں کا دماغ

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیئے

جس کا تو آقا ہو اُس کو ناز کرنا چاہئے

صبر و رضا کا پیکر مجسم

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

از محترمہ اقتدار منظور صاحبہ (مسز باہر) بجنور

کربلا کا ہر ذرہ ذرہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ حق و صداقت کی داستانیں اور عبرت و نصیحت کے نظر افروز مناظر پیش کرتا رہے گا۔ اور دنیائے اسلام کا ہر ذرہ اُس واقعہ روح فرسا کے اوپر ماتم کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام اپنے دامن میں انقلاب و حادثات کا کافی ذخیرہ لئے ہوئے ہے۔ اور ہر واقعہ اپنی خصوصیت کے ساتھ دنیا کی تاریخ میں ایک اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن واقعہ کربلا ایک وہ عظیم الشان تاریخی یادگار ہے۔ جو ہر طرح اور ہر پہلو سے دنیائے تاریخ میں نمایاں ترین حیثیت رکھتی ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو اسلامی تاریخ کے صفحات اس واقعہ پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ نسلیں فنا ہو جائیں گی۔ بادشاہیں اُلٹ جائیں گی۔ دنیا طرح طرح کی کروٹیں لیگی۔ بڑے بڑے اہم تاریخی واقعات کو آنے والا زمانہ فراموش کر دے گا۔ لیکن فاطمہؑ کے گود کے پالے ہوئے لال شہید کربلا حضرت حسینؑ کا نام اسی عزت و وقار کے ساتھ دنیا کو درس دیتا رہے گا۔ وہ کون مسلمان ہوگا جس نے داستانِ کربلا کو پڑھا یا سنا نہ ہوگا۔ اور وہ کونسی آنکھ ہے جس نے آنسوؤں کی پُرخلوص موتیاں اس واقعہ پر نچھاور نہ کی ہوں؟؟

کربلا کے تپتے ہوئے ریگستان پر اہل بیت نبوی کے خیمے لگے ہوئے تھے اور ساقی کوثر کے محبوب نواسے پر فرات کا پانی جبراً بند کر دیا گیا تھا۔ خاندان نبوت کے مقدس اور معصوم گلاب کی پتی سے زیادہ نازک ہونٹ شدتِ تشنگی سے بالکل خشک ہو گئے ہیں۔

حرم مقدس کی باوقار بیبیاں بھوک و پیاس سے تلملا کر صبر و شکر کے وہ مناظر پیش کر رہی ہیں جن کی مثال آج صفحۂ تاریخ کے اندر نہیں مل سکتی۔

مظلوم باپ اپنے کمسن بچے کو ہاتھوں پر دکھا کر دشمنانِ اسلام کی طرف پانی کا ارشاد ہوتا ہے لیکن بجائے رحم کے اس کا جواب زہر کے بجھے ہوئے تیروں سے دیا جاتا ہے ـــــــــــ

آہ ایوا صغر معصوم کے ننھے گلے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ رگوں کے اندر سے خون کی پھوار باپ کی نیچی عبا پر گرنے لگتی ہے۔ تکلیف کی شدت سے معصوم بچہ آنکھیں کبھی بند کر لیتا ہے اور کبھی کھول دیتا ہے۔ اُف کرب بے چینی سے کمسن بچہ باپ کے مقدس ہاتھوں پر تڑپ تڑپ کر رہتا ہے۔ ایسی حالت میں آخر انگڑائی لے کر وہ جان توڑ دیتا ہے۔ باپ کو خیال ہوتا ہے کہ بچے کو شاید کچھ سکون ہوا۔ اس لئے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے گلے سے تیر نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن بچے کو ہنوز ساکت پا کر اور نبض کو خاموش دیکھ کر "علی اصغر، علی اصغر" پلکوں کو کھولا جاتا ہے۔ لیکن بے نور پتلیاں محو حیرت بنا دیتی ہیں اور مجسمۂ خلوص باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ الحمد اللہ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سبحان اللہ کیا صبر و استقلال تھا۔ ایسی بےکسی کے عالم میں لختِ جگر نورِ نظر کی یہ موت بھی اس کو خدائے قدوس کی بارگاہ سے غافل نہیں کی۔

کیا دنیا کی تاریخ میں اس سے بڑھ کر صبر کی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

عزیز شہیدوں کے اپنے ہاتھوں سے دفن کر چکے ہیں۔ اب جوان بیٹے کی باری ہے۔ بیٹا بھی کیسا مقدس، نامدار دو عالم کا ہمشکل۔ اٹھارہ برس کی عمر۔ گو یقین ہے کہ دشمنوں کے خونخوار ارادے گلشن اسلام کے اس لہلہاتے پودے کو پامال کئے بغیر باز نہیں آئیں گے۔ حال کے گزرے ہوئے واقعات اس امر کا یقین دلا چکے ہیں کہ ستمگروں کی خون آشام تلواریں اور زہر آلود تیر سینہ کو چھلنی بنائے بغیر نہیں رہیں گے۔ لیکن آخرت کی بادشاہت کا تاجدار اپنے اور خدا کی رضا میں گھر مٹا دینے والا پدر بزرگوار جوان بیٹے کو فی امان اللہ کہتا ہوا اجازت دیتا ہے۔ خاندانِ نبوت کا شیر گرجتا ہوا افواج اشقیا کو اپنی شجاعت کے وہ کرشمے دکھاتا ہے کہ جس کی وجہ سے کمبخت لعینوں کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں بہت دیر معرکہ آرائی کے بعد برچھیوں اور تیروں کے اوپر اٹھا لیا جاتا ہے اور آخر مرد دراز لی "مرہ بن عنقذ عبدی"

کا نیزہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو موت کی گہری نیند سلا دیتا ہے۔ اور اس فتحیابی پر افواجِ اشقیا فتح و مسرت میں شادیانے
بجاتے ہیں۔ مظلوم باپ اس شور و شر کو سن کر میدانِ کارزار کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ علی اکبر
جوان بیٹے کی لاش برچھی و نیزوں سے چھدی ہوئی پڑی ہے۔ اللہ اللہ کیا ہی جاں گداز وقت ہے۔ اپنے نحیف
اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے محبت والا باپ بکھرے ہوئے بالوں اور خون آلودہ رخساروں سے ریت کے ذروں کو
الگ کر کے لاش مقدس کو اٹھا کر خیمہ میں لاتا ہے۔ اور قبر میں جوان بیٹے کے لاشے کو رکھتے ہوئے "علی اکبر۔ علی اکبر"
کہہ کر الحمد اللہ کے فاموش نعروں سے فضائے آسمان میں ایک ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔

کیا کوئی بڑی سے بڑی قربانی حسین علیہ السلام کی اس قربانی کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

بھائی۔ بیٹے۔ بھانجے۔ بھتیجے۔ غرض جملہ عزیز دوست احباب شہید ہو چکے ہیں۔ اور ان کی لاشوں کو خود اپنے
ہاتھوں سے دفن کر چکے ہیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ فرعونی طاقت کے سامنے سر جھکانے کے لئے تیار نہیں۔ اور
اور دامنِ صبر کی گرفت بجائے ڈھلنے کے اور زیادہ مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔

آخر خدا کا نام لے کر لاوارث خواتین اور یتیم بچوں کی تشفی و تسلی کر کے میدانِ وغا میں تشریف لاتے ہیں۔
اور شجاعت و قوت کے وہ عدیم النظیر مظاہرہ دکھاتے ہیں جو اس سے قبل چشمِ فلک نے ہرگز نہ دیکھے ہونگے۔
آخر ملعونوں نے مل کر یکبارگی حملہ کر دیا۔ میمنہ و میسرہ کی فوجوں نے راکب دوشِ رسولؐ کو اپنے حلقے میں لیلیا۔ تیروں سے
تنِ نازک چھلنی کر دیا۔ آخر کار حضرت حسینؑ فرشِ خاک پر گر پڑے۔ شمر لعین خنجر آبدار لے کر دوڑا اور اس سینہ پر سوار
ہو گیا جو انوار و تجلیات الٰہی کا گنجینہ تھا۔ ایسی حالت میں جب کہ مجروح بے بس جسم پر خون کا پیاسا بے رحم قاتل سوار ہے
رحم کی درخواست کی جا سکتی تھی۔ لاوارث بیواؤں اور یتیم بچوں کے خیالات دل کو مضطرب اور محو تفکرات بنا سکتے تھے۔ لیکن خدا کے
اس سچے بندے نے قاتل سے مہلت مانگی تو صرف سجدہ کرنے کی۔ قاتل سینے سے اتر پڑا حضرت نے اپنے سر کو اس معبود
حقیقی کے سامنے سجدہ میں رکھدیا اسی حالتِ راز و نیاز میں بے رحم قاتل نے خنجر کے رگوں سے تنِ پاک سے سر اقدس کو جدا کر دیا۔

کیا دنیا کی کوئی قوم صبر و شکر اور شانِ عبودیت کی ایسی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ (بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸)

کریم ابنِ کریم

(از کلام حضرت مرزا دبیر مرحوم)

اب شاہ کی مدّاح نوازی کا ہے اظہار — تعریف میں نظم ایک عرب نے کئے اشعار
اور آکے پڑھا اُن کو حضورِ شہِ ابرار — ہر مصرعہ برجستہ تھا سلکِ دُرِ شہوار
تحسین میں گہر ریز کیا شہ نے زباں کو
دنداں کی طرح بھر دیا موتی سے دہاں کو

مدّاح کو دے کر دُرِ تحسین دُرِ زہرا — قنبر سے ہوا لعلِ لبِ سرخ سے گویا
کچھ مالِ حجازی بھی ہے یاں سن کے وہ بولا — فیاض کے گھر میں کہیں زر رہتا ہے آقا
موجود بہت درہم و دینار نہیں ہیں
دینار فقط چار ہزار اسے شہ دیں ہیں

ٹھہرا کے عرب کو گئے گھر میں شہِ بطحا — اور چادرِ پُرنور میں دیناروں کو باندھا
پر شرم سے پنہاں عقبِ در رہے مولا — اور ہاتھ شگافِ درِ دولت سے نکالا
دینار بھی بخشے اسے تحسین کے گہر بھی
ہر بیت کے بدلے دیا فردوس میں گھر بھی

پھر عذر کے مضمون میں کہے آپ نے اشعار — یعنی ہیں خجل تجھ سے ہم اے عاشقِ غفار
گھر میں تھے فقط چار ہزار اس گھڑی دینار — ناچار ہوں آنکھیں نہیں کر سکتا ہوں میں چار
محتاج ہوں تو عفو مجھے کیجیو بھائی
پر حشر میں جو چاہیو سو لیجیو بھائی

اس عذر و سماجت پہ عرب بھی ہوا گریاں — شہ بولے مجھے اور ہوئی شرم فراواں
ہاں ہے یہ صلہ کچھ ترے لائق نہیں ہاں ہاں — اس دم یہی موجود تھا آگاہ ہے یزداں
گردش میں مرا حال ہے ہر شاہ و گدا پر
فاقہ پہ قناعت ہے توکل ہے خدا پر

مدّاح پکارا کہ یہ مطلب نہیں زنہار — تم نے تو بہت کچھ دیا اے سیدِ ابرار
تحسین و دعا عزت و دیں خلد کا گلزار — بخشا خطِ آزادیِ نار اور یہ دینار
اک خوانِ کرم لاکھوں ہی زر سنگ ہے مولا
یاں حوصلۂ حرص و ہوا تنگ ہے مولا

کیا مہر ہے ذرّہ کو دیا مہر کا رتبہ — اللہ رے کرم بخش دیا قطرہ کو دریا
بے برگ و نوا آیا تھا پایا یہاں طوبیٰ — تھا خار کیا تو نے نہال اے گلِ زہرا
ہر کاسۂ سائل بہ مثلِ چرخِ بریں ہو
اس میں بھی نہ گنجائشِ فیضِ شہِ دیں ہو

شہ نے کہا پھر کیوں مرا دل رد کیا چاک — بولا وہ عرب اے خاتمۂ خلقتِ پاک
یاد آئی ہے عالم کی فنا سو ہوں میں غمناک — اک روز یہ ہاتھ آپ کا بھی ہوگا تہِ خاک
گویا لبِ شیریں ہیں یہ از قند تمہارے
سو بعد فنا ہوں گے یہ لب بند تمہارے

از محترمہ کبریٰ بیگم صاحبہ بنت آقا ڈاکٹر سید حبیب اللہ صاحب شیرازی
(از بمبئی)

حسین علیہ السلام کا وہ ایثار ہے کہ جس کے بارِ احسان سے اسلام کا سرنگوں اور جس کے سرچشمۂ فیض سے اسلام ابدالاباد تک فیض پاتا رہے گا۔ معرکۂ کربلا کا ہر ورق اپنے آغوش میں ہزارہا درس لئے ہوئے ہے اور سرزمین کربلائے معلی کے شہدا ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کا خونِ ناحق جو یزید کے حکم سے جور و ظلم اشقیا سے میدان کربلائے معلی کے گرم ریگ پر بہایا گیا۔ پکار پکار کر کہہ رہا ہے ؂

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما (حافظ)

علیؑ و فاطمہؑ کا پیارا بیٹا۔ محمد مصطفےٰؐ کا نواسا۔ اللہ جل شانہ کا شناسا۔ تین روز کا بھوکا پیاسا۔ اپنی اور اپنے عزیز و انصار کی قربانی کرکے اسلام کو زندہ کیا۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک ایسی گرانمایہ قربانیاں کسی نے بارگاہِ ایزدِ منان میں پیش نہیں کی اور تاقیامِ زمین و آسمان کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہوگا ؂

قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (جوہر مرحوم)

دیکھا جائے تو یہ ایسی قربانی تھی کہ آقائے مظلوم نے صبر و رضا کا مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرکے قتیلِ نینوا۔ کشتۂ تیغِ جفا۔ مسافرِ دشتِ کربلا اور عاملِ صبر و رضا کا خطاب پایا۔

اُف کربلا کی وہ تیز دھوپ کہ [illegible] زمین پر گرے تو جل کر خاکستر ہو جائے وہ تین روز کی بھوک پیاس۔ اشقیا کی یورشیں۔ بھوک اور پیاس کے صدمے سے ننھے ننھے بچوں کا بلکنا۔ کون ایسا سنگ دل ہے جو یہ سب سنکر

خون کے آنسو نہ روئے۔ غرض کسی طرح سے ضبطِ گریہ ماتمِ سرورؑ میں ہو سکتا نہیں۔

خیال تو فرمائیے جو جو مصیبتیں لختِ دلِ بتولؑ سبطِ رسولؐ پر میدانِ کربلا پر گزرے ہیں اگر فولاد اور سنگِ خارا جیسے پتھر پر پڑیں تو مثلِ موم کے نرم ہو جائے۔ دیکھا جائے تو بس۔ اک افسانۂ بیکس رہ گیا۔ نہ قاتل رہا اور نہ سرورؑ رہے۔

محسنِ اسلام۔ امام عالیمقام نے اپنے اور وانصار۔ بھانجے۔ بھتیجے اور جوان بھائی۔ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السّلام کا مرنا۔ کڑیل جوان ہم شکلِ پیمبرؐ حضرت علی اکبرؑ جیسے فرزند کا سنان سینہ پر کھانا۔ ششماہہ معصوم علی اصغرؑ کا زہر آلود تیر سہ پہلو اپنے حلق پر کھا کر خون اگلنا دیکھا۔ ان کی لاشیں اٹھائیں اور دینِ الٰہی کو برقرار اور پیروانِ دینِ محمدیؐ کو گمراہی سے دور رکھنے کے لیئے یہاں تک کہ اپنا سر بھی راہِ خدا میں دے دیا۔ مگر یزید شراب خوار کی بیعت نہ کرنی تھی نہ کی۔ کیا خوب خواجۂ اجمیری حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

(بقیہ صبر و رضا کا پیکرِ مجسم) یہ حقیقت ہے کہ سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کے صبر کی مثال نہ دنیا نے پیش کی اور نہ کبھی پیش کر سکے گی۔ ان رنج واقعات کو ہم پڑھتے ہیں اور واقعی ہمارے احساسات متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان چیزوں کا تخیل باندھ کر دیکھیں تو ممکن ہے کہ ہم وہ چیز دیکھ سکیں جو ان واقعات کی تہ میں پوشیدہ ہے۔ واقعی حضرت حسین علیہ السّلام نے عملی طور پر دنیا کو دکھا دیا کہ دنیا کی فنا ہو جانے والی عیش کی خاطر باطل کے سامنے سر جھکا دینا سب سے بڑا مذہبی اور اخلاقی جرم ہے۔ عیش دو روزہ کی حضرت شہید کربلا کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی اور انہوں نے اس راہ میں ہر بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ کیا۔ نخوت و غرور کے شیشوں کو حضرت حسینؑ کے عزم استقلال نے چکنا چور کر دیا۔ اور فاسق و مردود یزید کے ناپاک ہاتھ پر اس مقدس ہاتھ نے ہرگز بیعت نہیں کی جس کو سردارِ دو عالم بوسہ دے چکے تھے۔ یزید کی بیعت کفر نہ تھی۔ کسی مصلحت سے اپنی جان بچا لینا شرک نہ تھا لیکن اس پیکرِ صداقت نے دنیا کو دکھا دیا کہ کسی حالت میں ایک مسلمان کا سر باطل کے سامنے خم نہیں ہو سکتا۔ ایمان اسی کا نام ہے کہ تلواروں اور آگ کے شراروں پر کلماتِ حق جاری ہوں اور بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی ثبات کو جنبش نہ ہو۔ خونِ حسینؑ کے ہر قطرے نے صداقت کے دریا بہائے اور آپ کے عزم و استقلال نے کربلا کے ہر ذرہ پر حقانیت کی مہریں ثبت کر دیں جو آج بھی دنیائے اسلام کو سبق دے رہی ہیں۔

کیا حسینؑ کے نام لیوا اپنے محبوب آقا کی روح کو عملی ثواب پہنچانا چاہتے ہیں؟

قبۂ پسران حضرت مسلم
منیر
JALAL
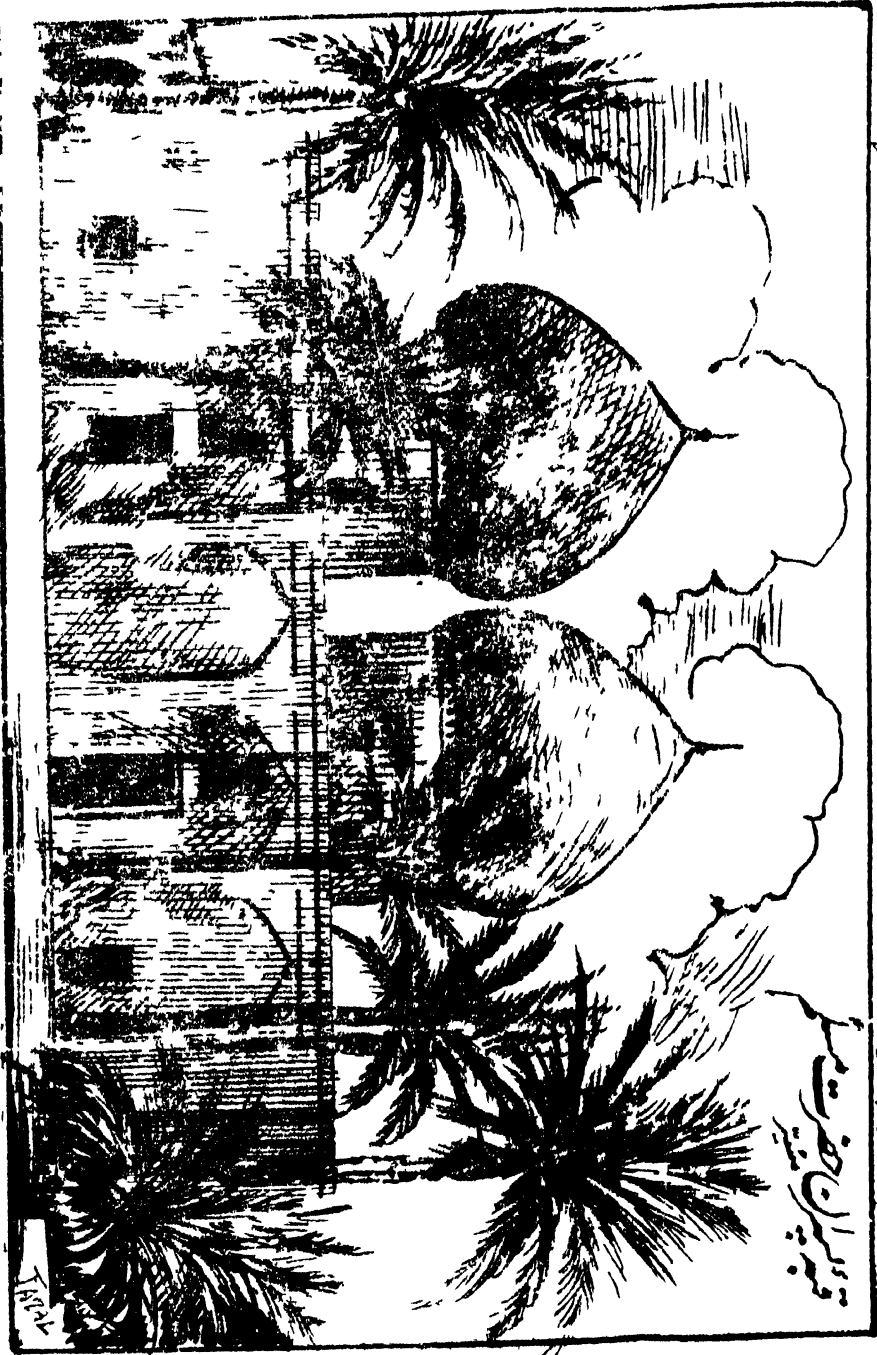
(از جناب مرزا محمد باقر خان صاحب)

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

میر ببر علی انیس نے جس خوش فشانی سے زبانِ اردو کے پودے کو سینچا اور جس جانکاہی محنت سے اس کی دیکھ ریکھ کی اُس کو تمام اردو دان پبلک نظرِ استحسان سے دیکھتی رہیگی۔ حقیقت میں ان کے کلام نے جو تقویت کم مایہ اردو کو بخشی وہ کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ اگر اُن کا کلام زبانِ اُردو سے خارج کر دیا جائے تو اس زبان کو اپنی ترقی کے ایک زینے سے اُتر آنا پڑے گا۔ وہ خود ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نو اسنجیوں نے تری اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

میر انیس کی تعلیم و تربیت اور اُن کا علم

میر انیس کی ابتدائی تعلیم فیض آباد میں ہوئی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں لکھنؤ تشریف لائے۔ یہاں بھی تعلیم کو جاری رکھا۔ بلحاظِ علم اگرچہ میر صاحب کو عالمانہ درجہ میں نہیں تسلیم کیا جاتا لیکن اُن کی معلومات علمیہ کا سب کو اقرار ہے۔ میر صاحب کی مختصر لیبریری میں ہر علم و فن کی مختلف کتابیں جمع تھیں۔ پھر اکثر اعلیٰ درجہ کے علماء۔ ادباء اور مستند باکمال حضرات آیا کرتے جن کے ساتھ گھنٹوں گفتگو رہتی۔ میر انیس اس امر میں نہایت خوش قسمت تھے کہ ان کی تربیت گھر میں ہوئی جہاں ان کو اپنے والدین کی حسن معاشرت اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق دیکھنے اور ان کو اپنی آیندہ زندگی کے لئے نمونہ بنانے کا بہترین موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ

میر انیس کے واقعات زندگی میں متانت۔ وضع داری اور خود داری نہایت نمایاں جوہر ہیں۔
میر صاحب کی والدہ ایک پابند مذہب اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جن کی طرزِ معاشرت دوسروں کیلئے
شریفانہ وضع کا مستند نمونہ سمجھی جاتی تھی۔

وضع اور وضع داری

میر انیس لکھنو میں اس وقت تشریف لائے جب کہ درباری لباس ایک
خاص تہذیب کا پابند تھا اور ثقات شہر نے اپنے لئے ایک خاص وضع
اختیار کر رکھی تھی جو دلی کے بعد لکھنو کے لئے خاص سمجھی جاتی تھی اور اس کو دیکھ کر لکھنو کی بود و باش کا
امتیاز ہوتا تھا۔ میر صاحب نے جو لباس اس وقت اختیار کیا وہی آخر وقت تک پہنتے رہے۔ سر پر
لکھنؤ کی بنیادی پیچ گوشہ ٹوپی جس کو درستگی اور خوبصورتی سے اوڑھنے میں اُن کو بڑی دلچسپی
تھی۔ جسم پر ایک خاص وضع کا گھیر دار کرتا۔ یا گول پردے کا انگرکھا پہنتے تھے۔ پیجامہ لکھنؤ کے
عام رواج کے موافق غرارہ کا ڈھیلا ہوتا تھا۔ جن حضرات نے دولہ صاحب کو منبر پر دیکھا ہے
وہ بخوبی تصور فرما سکتے ہیں۔

سید امجد علی صاحب اشہری تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں نواب تہوّر جنگ بہادر نے
سالار جنگ بہادر کے ایما سے میر صاحب کو طلب فرمایا۔ اور مجالس منعقد کیں تو سر آسمانجاہ بہادر نے
بھی میر انیس کو اس شرط پر پڑھوانا چاہا کہ وہ پیچ گوشہ ٹوپی کے عوض حیدر آباد کی منصبداری پگڑی
پہنکے مرثیہ پڑھیں۔ پانچ یا دس ہزار روپیہ دینے کے لئے کہا تھا۔ لیکن میر صاحب نے منصبداری پگڑی
پہننے کو منظور نہ کیا۔

انتقال

میر انیس مرحوم نے بہتر برس کی عمر پائی اور ۱۲۹۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی۔

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے　　رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر　　میں نے بھی تو جان کھو کے پایا ہے تجھے

شہیدِ کربلا

از
محترمہ اکبر النساء بیگم صاحبہ سلطانہ

نوٹ:۔ ذیل کا مضمون سفینہ کی اُس اولین ہمدرد ہستی کا مرسلہ ہے جنکی اعانتوں نے بارہا اس کو ڈوبنے سے بچایا جزاک اللہ خیر الجزاء محترمہ ممدوحہ کی نہ صرف میں بلکہ ادارہ بھی شکر گزار ہے کہ آپ نے باوجود ناسازیٔ طبع کے اپنے گرانقدر تخیلات سے اس خاص نمبر کو سرفراز فرمایا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ مضمون تاخیر سے ملنے کی وجہ آخری صفحات میں جگہ پا رہا ہے۔
صادقہ قریشی

ندانم این کہ چمن از چہ کربلا شد است ٭ سیاہ پوشیٔ بلبل برائے ماتم کیست؟

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ؕ کی تفسیر بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے واضح کرنے کی حاجت ہے کہ "وہ موت جو حقانیت اور صداقت کی راہ میں آئے موت نہیں۔ بلکہ حیاتِ ابدی ہے"۔ اسلامی تاریخ کے صفحات ایسے سینکڑوں اموات کو لئے ہوئے ہیں۔ حق کی حمایت میں جن جانبازوں نے اپنا سر کٹوا کر شہادت کا جام نوش کیا ہے۔ ان کی داستانوں سے تاریخ رنگین پڑی۔ ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق" کی مکمل تشریح پیش کر رہی ہے۔ مگر دشتِ نینوا کے حق پرست کی شہادت قیامت تک اپنی عظمت کو منواتی رہے گی۔ صبر و شکر اور ایثار کی ایسی مثال جمیع مذاہبِ عالم کی تاریخ نہ پیش کر سکی ہے اور نہ کر سکے گی۔

نبوت اور رسالت جس طرح حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی ایسے ہی شہادت بھی باعظمت نانا کے باوقار نواسے پر تمام ہوئی۔ دشتِ نینوا کے اس جانباز امام نے حق کی پاسداری میں صبر اور شکر کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے قیامت تک اس کی یاد باقی رہ کر مسلمانوں کے دلوں کو گرماتی رہے گی۔ حقیقت میں ع "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"۔

دراصل حسینؑ کے مرتبہ کو سمجھنا دشوار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْن فرما کر یہ واضح فرمادیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مرتبہ کیا ہے؟ مگر آہ! یہ اُن کلمانوں کی بدبختی تھی جنھوں نے اُس عالی مرتبہ امامؑ کے رتبہ کو نہ جانا۔ جس نے صبر اور شکر کی ایک لافانی یادگار چھوڑ گیا۔

حضرت یعقوبؑ سے جب ان کی آنکھوں کا نور (حضرت یوسفؑ) جدا ہوا تو آپ یہاں تک گریہ وزاری کرتے رہے کہ آنکھیں بے نور ہو گئی تھیں۔ حسینؑ مظلوم کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بھی چھن گیا۔ مگر کیسے؟ معصوم علی اصغر نے اپنے شفیق باپ کے ہاتھوں پر جان دی۔ اس پیکر صبر و رضا کے ابرو پر بھی بل تک نہ آیا۔ بلکہ وہ خالق کا شکر بجا لاتا ہے اور کہتا ہے کہ "الٰہی! اس غریب الدیار کے اس حقیر تحفہ کو قبول فرما اور اس کے عوض میرے نانا جان کی اُمت کو بخشدے"۔ کیا کسی نے کبھی اس پر غور بھی کیا ہے کہ یہ کس ہستی کے الفاظ ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیمؑ راضی برضائے الٰہی ہو کر حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کو چلے۔ مگر کیسے؟ آنکھوں پر کپڑا باندھا ہوا تھا کہ اسمٰعیلؑ ذبح ہو جائیں تو اُن کی تڑپ شفقت پدری کو جوش میں نہ لائے۔ دشتِ کربلا کا ابراہیمؑ بھی اپنے لختِ جگر اسمٰعیلؑ کو حق کی حمایت کے لئے میدانِ کارزار میں بھیجتا ہے نہ آنکھوں پر کپڑا باندھتا ہے اور نہ پٹی۔ بلکہ خود اپنے دستِ مبارک سے اسلحہ ہمشکل پیغمبر حضرت علی اکبرؑ کے زیبِ تن کئے جاتے ہیں اور نصرت و فتحمندی ہمرکاب ہونے کی دعا کی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ پر اُن کی تلقین کے زمانے میں طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ یہاں تک کہ انہیں صلیب پر چڑھا یا گیا۔ آپ کو ان مظالم کی تاب نہ رہی اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں کہ "خدایا مجھے اس تکلیف سے نجات دلا"۔ اب ادھر کی سنئے۔ راکبِ دوشِ رسولؐ بازوئے شیر خداؑ اپنے گھوڑے سے زمین پر تشریف لاتے ہیں۔ زخموں سے بدن چور ہے اور پیاس سے زبان سوکھی ہے۔ آہ! وہ زبانِ مبارک جو کبھی رسولؐ کے لعاب سے تر ہوتی تھی تپتی ہوئی ریت پر زخمی بدن پڑا ہے اور سینۂ مبارک پر شمرِ لعین سوار۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ بہادر سے بہادر ترین ہستی کے بھی پائے ثبات کو لغزش ہو جانا تعجب نہیں۔ مگر حسینؑ مجسّم صبر و رضا تھے۔ حقانیت اور صداقت کے آگے اس گراں بہا قربانی کی بھی پروا نہ تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبردست ترین ہستی نے موت کے دروازے پر ایسے استقلال کا مظاہرہ کیا ہے؟ حضرتِ نوحؑ جب گمراہوں کی رہبری کے لئے مبعوث ہوئے تو دنیا تاریک تھی اور دنیا والے خدا کو بھول کر خودی کے بھنور میں پھنسے ہوئے تھے بگڑی ہوئی

ذہنیتوں کا سُدھارنا مشکل ہے۔ حضرتِ نوحؑ کو طرح طرح کے مظالم سے دوچار ہونا پڑا۔ جب کبھی آپ لوگوں کو تلقین فرماتے۔ گمراہوں کو ہدایت کی مشعل دکھاتے تو اس کے جواب میں پتھر برسائے جاتے آپ باری تعالیٰ سے شکایت فرماتے۔ حکمِ رب ہوتا کہ "نوحؑ کچھ اور صبر کر" آخر کار حکم ہوا کہ کچھ بیج زمین میں بوئے جائیں اور اُن کی دیکھ بھال کی جائے۔ جب وہ بہت بڑے درخت میں تبدیل ہو جائیں تو انہیں کاٹ کر ایک کشتی بنائی جائے"۔ ظاہر ہے۔ ان تمام چیزوں کے لئے کتنی مدت درکار ہوگی؟ نوحؑ احکامِ رب کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف رہے اور تلقین بھی فرماتے تھے۔ مگر زنگ آلود قلب منوّر نہ ہونے تھے نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ کشتی تیار ہوئی اور اب نوحؑ کا پیمانۂ صبر چھلک کر چور ہو گیا تھا۔ آپ دعا فرماتے ہیں کہ "خدایا انہیں (قوم) غارت کردے"۔ حکم ہوتا ہے کہ "تم اپنی محبوب چیزوں کے ساتھ اس کشتی میں چلے جاؤ اور ہم پانی کے ذریعہ انسانی ہستی کی بیخ کنی کرتے ہیں"۔ نوحؑ کشتی پر سوار ہیں۔ اور ان کی بد دعا کا اثر ہے کہ بارش نے بڑھتے بڑھتے طوفانی شکل اختیار کرلیا ہے۔ سوائے سفینۂ نوحؑ کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ یہ نوحؑ تھے۔ ختم المرسلین پر بھی ظلم و تعدی کیا گیا۔ راہ میں کانٹے ڈالے گئے پتھر پھینکے گئے۔ غلاظت ڈالی گئی اور ایک دفعہ تو گلے میں پھندا ڈال کر زمین پر گھسیٹا گیا۔ مگر حضرت محمدؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ پتھر برسائے جاتے ہیں جسمِ مبارک زخمی ہوتا ہے۔ کھڑا رہنے کی طاقت نہیں۔ اس پر بھی دعا ہوتی ہے کہ "الٰہی یہ تیرے رسُول کو نہیں جانتے انہیں گمراہی سے بچا"۔ حسینؑ اسی پیکرِ رحم کی آغوشِ مبارک میں پرورش پائے تھے اور ع "جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد" کی مثال بنے تھے۔ کربلا کی ریت کا ذرہ ذرہ گواہی دیگا کہ صابر نانا کے صابر نواسے نے شکر اور صبر کو خود پر منتہی کرلیا۔ شمرِ لعین سینہ پر سوار ہے اور حسینؑ کے ہونٹوں کو لغزش میں دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید آپ اس شقی کے حق میں بد دعا فرما رہے ہیں۔ سننے کے لئے اپنا کان دہنِ مبارک تک لے جاتا ہے۔ مگر آہ وہاں بد دعا نہ تھی حسینؑ حسینؑ تھے۔ ملعون نے سنا حسینؑ فرما رہے تھے اور وہ بعینہٖ اور بعد کہہ "الٰہی میرا وعدہ پورا ہو چکا۔ اب تیرے وعدے کے پورا ہونے کا وقت ہے۔ خداوندا میری حقیر قربانی کو قبول فرما اور اُمتِ محمدیؐ کو بخشدے"۔ کیا صبر و ضبط۔ تحمل و برداشت کی ایسی کوئی

تمام قیامت تک پیش ہو سکے گی؟ حسینؑ کی ابرو کا ادنیٰ بل زمین کو چکنا چور کر دینے کے لئے کافی تھا۔
حسینؑ کی ایک ادنیٰ خواہش پر آسمان و زمین آپس میں ٹکرا جاتے حسینؑ اگر چاہتے تو لعینوں کا
عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا۔ مگر یہاں تو خالق کی خوشنودی مقصود تھی اور ہم گنہگاروں کی فلاح۔ بخدا
حسینؑ "سفینۂ اسلام کے ناخدا تھے"۔ اور نا خدائی بھی ایسی کی کہ اسلام کی ٹوٹی پھوٹی کشتی پایاب
ہونے سے نہ صرف بچ گئی بلکہ کنارۂ مقصود پر جا لگی ؎

امتِ مرحوم کی آقا رکھی ہے تو نے لاج
ورنہ ہم دنیا میں باقی بھی کہاں رہتے تھے آج

زمانہ لاکھ کروٹیں بدلا۔ اسلام کو تباہ کرنے۔ مسلمانوں کو برباد کرنے کی کیا کچھ نہ کوششیں
کی گئیں۔ خرمنِ اسلام کو جلانے کی خاطر مغرب سے کیسی کیسی بجلیاں کوندیں۔ آہ! جس کے خیال سے
ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ نخل جس کی سرسبزی کے لئے پانی کی جگہ خون کی نہریں
دوڑائی گئیں کیسے بار آور ہونے سے رک سکتا تھا؟ اس عمارت کی استواری کے کیا کہنے جس کی
بنا دیں سنگ و خشت کے بجائے مقدس ترین انسانی لاشیں رکھی گئیں ؎

صفحۂ ہستی سے سلطانہ وہ دیں کیونکر مٹے
شاہ نے سینچا ہے جس پودے کو اپنے خون سے

سلطانہ

یہ خبر نہایت رنج و افسوس سے سنی جائیگی کہ ارمغان کے بہت بڑے محسن علامہ مولانا سید علی حیدر صاحب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم
طباطبائی نے قلب کی حرکت کے بند ہونے سے اچانک طور پر انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
خاکسار کے ساتھ ہمیشہ بزرگانہ شفقت کا اظہار فرماتے رہے دعا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور
پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب سوری صاحب کی جدید اردو شاعری پر ایک تنقیدی نظر! آئندہ نمبر میں ملاحظہ فرمائیے۔

میں اپنے کرم فرما جناب محمد فضل اللہ صاحب مصور کا مشکور ہوں کہ صاحب موصوف نے انتہائے
ہمدردی کے ساتھ صرف چند گھنٹوں میں عتبات عالیات و مقامات مقدسہ کی تصویریں بنا دیں۔ امید ہے
آئندہ بھی سفینہ کو ایسی ہی ہمدردیاں حاصل رہیں گی۔ | اختر قریشی

سلام

(از حکیم فقیر احمد صاحب فقیرؔ حیدرآبادی)

ہم کریں محفل میں ذکرِ پنجتنؑ روتے ہوئے
مجلسِ غمگیں ہوں اہلِ انجمن روتے ہوئے

غم میں آلِ مصطفےٰ کے موت آجائے اگر
جاؤں گا ڈالے ہوئے منہ پر کفن روتے ہوئے

تشنگیٔ شاہ کا گلشن میں آجائے جو ذکر!
کھینچ دیں اپنی زباں غنچہ دہن روتے ہوئے

حضرتِ شبیرؑ دفنائے گئے مدت ہوئی
لوگ اب تک دیتے ہیں گور و کفن روتے ہوئے

شاہ کو زینبؑ کا غم زینبؑ کو غم تھا شاہ کا
کیا کہوں کیسے گئے بھائی بہن روتے ہوئے

سچ بتا کس کے غم میں ہو گیا ہے سرنگوں
تجھ کو مدت ہو گئی چرخِ کہن روتے ہوئے

پہونچی کوفے سے مدینہ جب شہادت کی خبر
رہ گئے سکتے میں سب اہلِ وطن روتے ہوئے

وصفِ شہ میں چھوڑ جا کچھ یادگار اپنی فقیرؔ
یاد کرلیں پڑھ کے یہ اہلِ سخن روتے ہوئے

رجسٹرڈ
گلبہار ہیر آئیل
اس کے چھپے ہوئے کئی
دیس ملک کی معززین و حکما
کے صدہا سرٹیفکیٹ کمپنی میں
وصول ہو رہے ہیں۔ بال کی درازی
خوشبو کی پائیداری میں اپنا ثانی نہیں
رکھتا۔ اس لئے ایک مرتبہ
ضرور آزمائیے
منیجر گلبہار کمپنی افضل گنج حیدرآباد دکن